۷۸۶

مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ

وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهِيْمُ الْقَوَاعِدَ

مِصباحُ القواعِد

جس کو

مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری

نے

اُردو زبان کے قواعدِ صرف و نحو پر تصنیف کیا

اور

پنجاب یونیورسٹی نے اُردو کے اعلیٰ امتحانات یعنی پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی میں داخل فرمایا

پی-سی-دواداش شرمی اینڈ کمپنی علی گڑھ نے شائع کیا

باہتمام مہاشے رام نراین

۱۳۵۰ع ۱۹۳۰ع

ہیرالال پرنٹنگ ورکس علی گڑھ میں طبع ہوئی

فہرست مضامین

قطعۂ تاریخ طبع اول از نتائج فکر منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت

منشی وجاہت حسین صاحب جھنجھانوی نے اس کتاب کے تین قطعات تاریخ لکھے تھے جن میں سے دو کتاب کے آخر میں درج کیے جاتے ہیں اور ایک یہاں۔ اس قطعہ کا مادہ تاریخ نیا انداز رکھتا ہے۔ اسی واسطے اس کو فصیح الملک نواب مرزا خان داغ کے ایما کے مطابق دوسرے قطعات سے الگ کر دیا گیا۔ ہر چند یہ نئی طرز کی تاریخ ہے مگر فی الحقیقت اس میں تقلید سے کام لیا گیا ہے۔ لیکن اس تقلید سے جس کی نسبت یہ شعر پڑھنا چاہئے کہ ؎

اے عندلیب رنگ اڑا میری آہ کا — تقلید میں بھی تار ہے ایجاد کا مزا

اس قطعے سے تاریخ اس طرح نکلتی ہے کہ سب سے پچھلے مصرع کو جس کے عدد ۴۷۶ ہیں چار میں ضرب دیں جس کی طرف پہلے مصرع میں چار سو کے الفاظ سے اشارہ کیا گیا ہے۔

یہ طرز جہاں سے لی گئی ہے وہ منشی حبیب حسن وحشی دیوبندی کا وہ قطعہ تاریخ ہے جو انہوں نے منشی امیر احمد صاحب امیر مینائی کے ایک دیوان کے چھپنے پر لکھا تھا جس شعر سے تاریخ نکلتی ہے وہ یہ ہے۔

یہ آنے لگی چار سو سے صدا

نیا ہے کلام جناب امیر

اس میں دوسرے مصرعے کے اعداد کو جو ۴۷۶ ہیں چار میں ضرب دینے سے ۱۸۹۶ سال طبع نکلتا ہے۔ فصیح الملک نے اِن اشعار کو بہت اچھا لکھا ہے۔ ہم بھی ان کو بہت خوب سمجھ کر یہاں لکھتے ہیں ؎

پرانی سب کتابیں ہیچ ہیں اب	ہوئی ممتاز مصباح القواعد
بجا ہے حق بجانب ہے روا ہے	کرے گر ناز مصباح القواعد
کریں گے سب ہی خواہانِ اُردو	ترا اعزاز مصباح القواعد
زباں میں ڈال دی ہے جان تو نے	کیا اعجاز مصباح القواعد
یہ تیری شوخیاں ہیں تیرے حق میں	پرِ پرواز مصباح القواعد
پری بن کر اُڑے گی تو انہیں سے	یہ ہے اک راز مصباح القواعد
گئی پنجاب سے ہندوستاں تک	تری آواز مصباح القواعد
تری اِک اِک ادا پر جان دینگے	ترے جانباز مصباح القواعد
دُرِ گنجِ معانی آج تو نے	کیا ہے باز مصباح القواعد

کرے گی چار سو عالم میں ظاہر

نئے انداز مصباح القواعد

۴۷۶ × ۴ = سنہ ۱۹۰۴ء

قطعات تاریخ انطباع طبع اوّل از منشی وجاہت حسین صاحب وجاہت شاگرد فصیح الملک نواب مرزا خاں صاحب داغ دہلوی مرحوم

وصفِ مصباح القواعد کیا لکھوں
ہے حقیقت میں یہ آپ اپنی نظیر
اِس کی سطریں اس کے فقرے اس کے لفظ
دل ستان و دل پسند و دل پذیر
واقعی بے انتہا دلچسپ ہے
اس کا آغاز اِس کا وسط اس کا اخیر
پائیں گے کب اس میں جائے اعتراض
نکتہ چین وعیب بین وحرف گیر
قول سب اس کے مسلّم مستند
اس کی ہر تحریر پتھر کی لکیر
دونوں اس کی روشنی سے ماند ہیں
مہر عالم تاب اور بدر منیر
فیض پائیں اِس سے سب چھوٹے بڑے
فائدہ حاصل کریں برنا و پیر
جن کو پہلے بولنا دشوار تھا
خوب ادا کر لیں گے مافی الضمیر
اہلِ پنجاب اس سے لیں اب مشورے
اُن کے حق میں ہے یہ اک دانا مشیر
جابجا پیدا ہوں اس کے قدرداں
ہو یہ مقبولِ جہاں ربِّ قدیر
یہ وجاہت نے لکھی تاریخ طبع
بے بہا ہدیہ ہے کیسا بے نظیر

۱۳۲۲ھ

دیگر

غیر اہلِ زباں و اہلِ زباں
جنگ کرتے تھے وائے نادانی
حلے کرتے تھے اس طرح باہم
یعنی روسی ہیں اور جاپانی
اس لڑائی کے دور کرنے کو
بیچ میں پڑ گئے ہیں افغانی[۱]
لوگ اب اس کتاب کو دیکھیں
ہے یہ مجموعۂ زباں دانی

[۱] اس کتاب کے مصنف مُراد ہیں جو افغانی الاصل یعنی پٹھان ہیں ۱۲

سب مضامیں ہیں گوہرِ شہوار — کی ہے واللہ کیا دُر افشانی
اب زباں میں نہیں رہا اِشکال — اب بہت ہوگئی ہے آسانی
انجمن نے زبان اُردو کی — جس کے شبلی ہیں ناظم و بانی
شوق سے اِس کتاب کو دیکھا — ذوق کے ساتھ کی ثنا خوانی
کچھ نہیں شک ہے قابلِ تحسیں — نظرِ دور بین نعمانی
ہے وجاہت یہ مصرعِ تاریخ — دل کش و دل پذیر و لاثانی

سنہ ۱۹۰۴ء

قدر شناسی

میں اپنی محنت کی داد کے لئے اسی امر کو کافی خیال کرتا تھا کہ عوام و خواص سب نے اس کتاب کو نظرِ قبول سے دیکھا اور اس کی ایسی قدر کی جو میری توقع سے کہیں زیادہ تھی. مگر جو قدر دانی اس کتاب کی پنجاب یونیورسٹی نے کی میری مسرت اور کتاب کی عزت کا درجۂ آخریں ہے۔ یعنی یونیورسٹی کے سینٹ نے اس کو اردو امتحانات پروفیشنسی اور ہائی پروفیشنسی میں اور لڑکیوں کے لئے نصاب فرسٹ آرٹس میں بغیر اس کے کہ میری کسی طرح کی کوشش کو دخل ہو، داخل فرمالیا۔

خدا کا شکر ہے کہ میری سعی مقبولیت کی تمام سبیلوں سے مشکور ہوئی اور اُس کا ثمرہ امید سے زیادہ ملا۔

یکم اگست سنہ ۱۹۱۶ء
۳۰ رمضان سنہ ۱۳۳۴ھ

فتح محمد خاں
جالندھر

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ طبع ثانی

یہ کتاب کسی ایسی نیک ساعت میں لکھنی شروع کی گئی تھی کہ قبولیت نے اُسے حسن بن کر دکھایا اور شہرت نے اُس کو پری بنا کر اُڑایا۔ خواص نے اُس کی طرف توقع سے بڑھ کر توجہ مبذول فرمائی اور عوام کی جانب سے اِس کی قدردانی امید سے کہیں زیادہ وقوع میں آئی۔ وہ ارباب کمال جو مایۂ نازش ہندوستان و پنجاب ہیں انہوں نے اسکو نہایت شوق اور استحسان کی نگاہ سے ملاحظہ فرمایا اور بالاتفاق نافع و ضروری بتایا جن خیالات سے انہوں نے اُس کو افتخار بخشا ہے میرا قلم اُن کی سپاس گزاری سے قصور کرتا ہے۔

بعض پاک دل جوہر شناسوں نے جو مراتب عالی پر ممتاز ہیں باوجود اس کے کہ مجھ میں ان میں مطلق تعارف و شناسائی نہ تھی اِنکی قدردانی اور طالبعلموں کی نفع رسانی کے لئے سررشتہ تعلیم پنجاب کے ڈائرکٹر صاحب کی خدمت میں از خود نہایت پرزور سفارش کی۔ ٹکسٹ بک کمیٹی نے اِس کی بہت سی جلدیں خرید کر میری عزت بڑھائی اور اسکولوں کی لائبریریوں کے لئے اِسے منظور کیا۔ شمس العلما مولوی شبلی صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو نے اس کو انجمن کی کتابوں میں داخل فرمایا۔ عام شائقین کی طرف سے اتنی مانگ آئی کہ طبع اول کے تمام نسخے فروخت ہو کر اہل مطبع کی غفلت سے دوسرا اڈیشن جلد نہ نکلنے کے سبب اُن کی طرف سے محجوب اور منفعل ہونا پڑا اور بک ڈپو مدرستہ العلوم علی گڑھ کو جو میری اجازت سے اِس کو چھاپا ہے حسب تحریر میر ولایت حسین صاحب بی۔ اے منیجر بک ڈپو، اِس کے دیر تک پریس میں رہنے کی وجہ سے نقصانِ کثیر کا متحمل ہونا پڑا۔ غرض خدا کی مہربانی سے اِس کو ایسی عزتِ قبول حاصل ہوئی کہ مجھے اس کا خیال و گمان بھی نہ تھا۔

انجمن ترقی اردو کے ذی علم و فضل ارکان کی توجہ مجھے اور بھی ممنون کئے دیتی ہے کہ انہوں نے اس کو بہ نظر تنقید دیکھا اور مفید مشوروں سے موجب زیادت افادت بنایا۔ چنانچہ مولانا شبلی صاحب سنہ ۱۹۰۳ء کی روئداد سالانہ انجمن میں اس کا اس طرح پر ذکر فرماتے ہیں :—

مصباح القواعد۔ انجمن کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ اردو زبان کے قواعد پر ایک مکمل اور

بسیط کتاب تیار کرائے۔ چنانچہ جلسۂ انتظامی منعقدۂ ۲۹ راگست ۱۹۰۳ء میں یہ طے ہوا تھا کہ اس غرض کے لئے شمس العلما، مولوی نذیر احمد صاحب ایل ایل ڈی اور مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی پروفیسر نظام کالج سے درخواست کیجائے اسی اثنا میں مولوی فتح محمد خاں صاحب (جالندھری)، کی ایک کتاب اسی مضمون پر انجمن میں آئی۔ یہ کتاب تمام اور کتابوں کی نسبت نہایت مفصل اور مبسوط لکھی گئی ہے اور مولوی صاحب موصوف نے اس کی ترتیب و تالیف میں ایک مدت صرف کی ہے۔ انجمن نے ارادہ کیا کہ اسی کتاب کو اضافہ اور ترمیم اور اصلاح کرکے اپنے مقصد کے موافق درست کرلیا جائے چنانچہ مولوی علی حیدر صاحب موصوف مولوی عبدالحلیم صاحب شرر، مولوی عبدالغنی صاحب بہاری عمدہ دار نظام اور خود سکریٹری نے نوبت بہ نوبت اس کتاب کو غور اور تعمق کی نظر سے دیکھا اور اکثر جگہ ترمیم اور اصلاح کی۔

جناب مولوی **علی حیدر** صاحب موصوف اس پر ریویو کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ:۔

"جتنی کتابیں تحوا رعد کی مدارس پنجاب و اودھ وغیرہ میں تالیف ہوئیں ان سب سے یہ کتاب اچھی ہے۔ مؤلف کا بیان بہت سلجھا ہوا ہے۔ مسائل کا استقرا خوب کیا ہے محاورے میں ڈوب کر لکھا ہے"

جناب مولوی **عبدالغنی** صاحب موصوف اپنی رائے یوں ظاہر فرماتے ہیں کہ :۔

"میں نے کتاب مصباح القواعد کو بائے بسم اللہ سے تائے تمت تک دل لگا کر دیکھا نہایت ناشکری ہوگی اگر میں لائق و قابل مصنف کی تلاش و جستجو اور وسعت فکر و نظر کی داد نہ دوں ہر زبان کی توسیع و ترقی کے لئے دو چیزیں ضروریات اولیہ میں سے ہیں، ایک اُس کے لغات کا عمدہ طور پر جمع کرنا اور دوسرے کامل استقرا کے ساتھ اُس کی صرف و نحو کا منضبط کرنا پہلی ضرورت تو دولتِ آصفیہ کی بدولت ایک حد تک پوری ہوگئی ہے اور دوسری ضرورت کے پورا کرنے میں اِس کتاب کے مصنف نے ہمتِ مردانہ سے کام لیا اور ہوا خواہانِ اُردو کے سامنے اِس امر کا حسی ثبوت پیش کردیا ہے کہ اُس کی تکمیل بھی کچھ دور نہیں ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ ماہر زبان مصنف کو اپنے ارادے میں بہت کچھ کامیابی ہوئی ہے اور انہوں نے بہت کچھ تالیف و تصنیف کا حق ادا کیا ہے۔ لیکن چونکہ یہ

کتاب زبانِ اُردو کی بنیاد قرار دی جائے گی اس لئے انجمن ترقی اردو کا فرض ہے کہ اِس پر نہایت غائر نظر ڈالے اور اِس کی کسی فروگزاشت نقص یا تسامح سے گو وہ خفیف ہی کیوں نہ ہو، چشم پوشی نہ کرے۔ کیونکہ ؎

خشت اوّل گر نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد جو اثر میرے دل پر ہوا وہ یہ تھا کہ واقعی مصنف نے بڑا کام کیا اور بڑی محنت و جانفشانی و دیدہ ریزی کے ساتھ ایک بڑے نقص کو پورا کیا ہے یہ کتاب پورب، پنجاب، دکن اور مدارس یعنی ٹکسال باہر والے لوگوں کے لئے نہایت مفید ثابت ہوگی اور اگر اِن تبدیلیوں کے بعد جن کی طرف مولوی علی حیدر صاحب طباطبائی جو لکھنؤ کے مستند اہل علم و اہل زبان ہیں اور شمس العلما مولانا محمد شبلی صاحب نے توجہ دلائی ہے اور جن پر ہیچمداں توجہ دلانا چاہتا ہے، یہ کتاب شائع ہوگی تو زبانِ[له] اُردو کی تالیف تصنیف اور ترجمے میں بہت جلد روز افزوں ترقی ہوگی اور ہندوستان کے وہ تمام تعلیم یافتہ جو اپنی زبان کے غیر مستند ہونے کے باعث اُردو زبان میں تصنیف و تالیف کرتے ڈرتے ہیں جان و دل سے شکر گزار و ممنون ہونگے"

جناب مولوی سیّد ممتاز علی صاحب مالک و مدیر دارالاشاعت پنجاب لاہور تحریر فرماتے ہیں کہ۔

"مدت سے اِس بات کی سخت ضرورت تھی کہ اردو زبان کی صرف و نحو پر کوئی مکمل و جامع کتاب زبانِ اُردو کے اصلی اسلوب پر لکھی جائے اِس لئے میں نے مصباح القواعد کو بڑے شوق سے پڑھا مصنف مصباح القواعد نے دیگر اہلِ فن کی طرح سے اپنی کتاب کی ترتیب۔ عربی صرف و نحو کے اصول پر رکھی ہے لیکن استیعاب مسائل اور تلاش جزئیات میں بہت محنت اٹھائی ہے۔ بہت سے مسائل غیر مکمل اور غیر واضح کو واضح کیا ہے اور ہر مسئلے کی توضیح کے لئے کثرت سے شواہد نقل کئے ہیں۔ اِس میں کچھ شک نہیں کہ مختلف قسم کے اشعار آبدار کے درج ہونے سے صرف و نحو کا روکھا پن بہت کم ہو کر کتاب نہایت دلچسپ اور پُر لطف ہوگئی ہے اور میں بلا تامل کہہ سکتا ہوں کہ سردست جتنی کتابیں صرف و نحو اردو کی درسی یا غیر درسی ہماری زبان میں موجود ہیں اِن میں کوئی کتاب

له تبدیلیاں کردی گئی ہیں۔ مصنف ۲۲

بھی اُس تحقیق وجامعیت کے ساتھ نہیں لکھی گئی جو مصباح القواعد میں پائی جاتی ہے۔ یقین ہے کہ یہ کتاب پنجاب کے جملہ امتحانات کی ضرورتوں کے پورا کرنے کے لئے کافی ثابت ہوگی اور اہل علم میں مقبول ہوگی۔"

رائے بہادر لالہ پیارے لال صاحب دہلوی سابق انسپکٹر مدارس پنجاب تحریر فرماتے ہیں کہ

"جناب کی کتاب مصباح القواعد کی ایک نقل بذریعہ خط مورخہ ۲۶ ستمبر وصول ہوئی میں جناب کی اس عنایت کا شاکر ہوں۔

میں بلاتامل کہہ سکتا ہوں کہ اس کتاب کی تصنیف سے آپ نے زبانِ اردو پر بہت بڑا احسان کیا ہے۔ اردو کی ایسی جامع اور دلچسپ قواعد اب تک میری نظر سے نہیں گزری۔ اس کتاب کی تالیف میں جو لیاقت اور محنت صرف ہوئی ہے اُس کی داد وہی شخص خوب دے سکتا ہے جو ایسی کتاب تصنیف کر کے رکھدے۔ کالجوں کے طلبار کے واسطے اور اُن طالب علموں کے لئے جو انٹرنس کے امتحان کی تیاری کر رہے ہیں آپ کی کتاب نہایت مفید ثابت ہوگی۔"

شمس العلماء خان بہادر مولوی ذکاءاللہ صاحب دہلوی فیلو الٰہ آباد یونیورسٹی کی رائے

"مصباح القواعد مصنفہ خاں صاحب مولوی فتح محمد خاں جالندھری۔

میں نے نحو اردو کی بہت سی کتابیں پڑھی ہیں جن میں اب تک میں مولوی محمد احسن مرحوم کی صرف ونحو اردو کو سب سے اور اس قسم کی کتابوں سے بہتر سمجھتا تھا۔ یہ کتاب اس کی ہمسر ہے۔ اِس میں یہ فضیلت ہے کہ مثالوں میں مشہور اساتذہ کے اشعار لکھے ہیں جو اب تک کسی اور کتاب میں نہیں لکھے گئے جس کے سبب سے کتاب زیادہ دلچسپ ہوگئی ہے اور طلبہ کو قواعد کے یاد رکھنے میں آسانی ہوگئی ہے۔"

ترجمہ رائے شیخ محمد اقبال صاحب اسسٹنٹ پروفیسر گورنمنٹ کالج لاہور

"میں نے مولوی فتح محمد خاں صاحب کی کتاب مصباح القواعد اوّل سے آخر تک پڑھی مصنف نے مجھ سے فرمائش کی ہے کہ میں اس اثر کو جو اُن کی تصنیف نے میرے دل

کیا ہے معرض تحریر میں لاؤں اس لئے میں بڑی خوشی میں لکھتا ہوں کہ مولوی فتح محمد خاں صاحب نے اُس ضرورت کو جو مدّتِ مدید سے محسوس ہو رہی تھی پورا کر دیا ہے اور اردو داں پبلک پر بڑا احسان کیا ہے۔

مصنف کی استدلالات کی صحت کی نسبت رائے زنی تو اعلیٰ درجہ کی اہل زبان کا کام ہے مگر میں نہایت وثوق سے کہہ سکتا ہوں کہ اپنی قسم کی پہلی کتاب ہے۔ یہ صرف انہیں لوگوں کے لئے مفید نہیں جو اپنی زبان کو غور و توجہ سے مطالعہ کرنا چاہتے ہیں بلکہ آئندہ اِس میدان میں کام کرنے والوں کے لئے بھی یہ ایک بنیاد کا کام دیگی قواعد کے پڑھنے کی تکان اُن پاکیزہ اشعار سے بہت کچھ دُور ہو جاتی ہے جو مثالوں میں لکھے گئے ہیں۔ تمام طرزِ ادا برجستہ ہے۔ میری رائے میں یہ کتاب اُس کتاب سے کہیں بہتر ہے جو مولوی محمد احسن صاحب الہ آبادی نے غدر سے دو سال بعد شائع کی تھی جس کی طبع و اشاعت اب بند ہے۔

میں مولوی فتح محمد خاں صاحب سے شاید چند نہایت خفیف امور میں اختلاف کرتا مگر میں نے اِس کتاب میں ذرا سا بھی نقص نہیں دیکھا۔ بنا بر علیٰ ہذا میں بڑے زور سے اُن لوگوں کے لئے سفارش کرتا ہوں جو اردو زبان کو صحیح طور پر بولنا چاہتے ہیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ ٹکسٹ بک کمیٹی اِس عمدہ کتاب کی خوبیوں کی داد دیگی اور اِس کو داخل درس کر دے گی "

ریویو رقمزدہ مولوی خلیفہ عماد الدین صاحب اسسٹنٹ انسپکٹر مدارس حلقۂ لاہور۔

" مولوی فتح محمد خاں صاحب جالندھری کی تازہ تصنیف مصباح القواعد میں نے متفرق مقامات سے دیکھی اور اُسے اُردو سیکھنے والوں کے لئے نہایت مفید پایا حقیقت میں یہ ایک جامع کتاب ہے جس میں اردو صرف و نحو کے مسائل عربی گرامر کی ناواجب غلامی کے بغیر مفصل طور پر اور دلچسپ پیرائے میں بیان کئے گئے ہیں۔ اِس فن کی انگریزی کتابوں کی طرح اِس میں بھی روزمرہ کی صرفی نحوی غلطیوں کی تصحیح کا خاص خیال کیا گیا ہے اور طلبار کی مشق کے لئے مصادر اور اُن کے مشتقات کا ایک بڑا ذخیرہ جمع کیا گیا ہے۔ بڑی خوبی یہ ہے کہ تمثیلات کے لئے استادوں کے مناسب موقع اور دلکش

اشعار انتخاب کئے گئے ہیں۔ یقین ہے کہ لائق مصنف کی قدر کی جائے گی اور یہ مفید کتاب عام درس گاہوں کے کتب خانوں میں اور اعلیٰ طبقے کے اردو خوانوں کے پاس دیکھی جائے گی۔"

جناب مولوی سید کرامت حسین صاحب بیرسٹرایٹ لا فیلو الہ آباد یونیورسٹی۔ حافظ عبدالرحمٰن صاحب سیاح امرت سری کے نام کے خط میں اپنے خیالات یوں ظاہر فرماتے ہیں

"جناب خاں صاحب مولوی فتح محمد خاں جالندھری کا میں تہ دل سے شکر گزار ہوں کہ جناب موصوف نے مصباح القواعد کا ایک نسخہ مجھ کو عنایت فرمایا۔ کتاب کے دیکھنے سے ظاہر ہے کہ یہ کتاب اپنی قسم کی کم سے کم ایک ازبہترین ہے۔ اردو کو ایسی کتاب کی بڑی ضرورت تھی اور جناب مصنف نے اردو پر بڑا احسان فرمایا۔ اس کا ہر صفحہ اس بات کی شہادت دیتا ہے کہ کتاب کے مستند اور سودمند کرنے میں جناب مصنف نے بقدر امکان کوئی دقیقہ نہیں اٹھا رکھا۔ امید ہے کہ یہ کتاب بہت مفید ثابت ہوگی۔"

ترجمۂ تحریر لالہ شیولال صاحب بی۔اے انسپکٹر حلقۂ ملتان

جو انہوں نے جناب ڈبلیو بل صاحب ڈائرکٹر سررشتۂ تعلیم پنجاب کی خدمت میں لکھی اور جس کی نقل بنابر اطلاع مصنف کے پاس ارسال فرمائی:۔

"جناب عالی! میں نہایت ادب سے حضور کی خدمت میں اردو قواعد کی ایک نئی کتاب مسمیٰ بہ مصباح القواعد کا تذکرہ کرتا ہوں جس کو خاں صاحب مولوی فتح محمد خاں جالندھری نے تصنیف کیا اور جو ۱۹۱۲ء میں رفاہِ عام پریس لاہور میں طبع ہوئی ہے۔

(۲)، میں نے اِس کتاب کو ماہِ حال کی تیسری تاریخ سے پندرھویں تک نہایت غور کے ساتھ ملاحظہ کیا۔ میرے خیال میں یہ اپنی قسم کی تمام کتابوں سے بہتر ہے اور آج تک ایسی کوئی کتاب میری نظر سے نہیں گزری اگر تعلیم کی نئی اسکیم میں اردو گرامر کا مضمون ہائی ڈپارٹمنٹ کے لئے داخل کیا جانا ضرور ہو جیسا کہ میری رائے ناقص میں ضرور داخل کیا جانا چاہئے، تو میں بلاخوفِ تردید یہ گزارش کرنے کی جرأت کرتے

سے نہیں رہ سکتا کہ چوتھی اور پانچویں اعلیٰ جماعتوں کے لئے اِس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہوگی مڈل کی جماعتوں کے لیے تو یہ صریحاً ایک نہایت عمدہ کتاب ہے۔

(۳) قواعد منضبطہ مثالیں عموماً اخلاقی اور مفید اشعار میں دی گئی ہیں جن کے ازبر کرنے سے طالب علموں کی اُردو زباں دانی کی لیاقت یقیناً بڑھ سکتی اور جواب مضمون لکھنے میں اُن کو مدد مل سکتی ہے۔

(۴) میں بڑے زور سے سفارش کرتا ہوں کہ اِس کتاب کی ایک ایک کاپی پنجاب کے تمام افسران معائنہ کنندہ اور ٹریننگ انسٹی ٹیوشنوں اور سکنڈری سکولوں کی لائبریریوں کے لئے مُہیا کی جائے اور مصنف کو (جس سے میں بالکل واقف نہیں)، اس کی محنت اور جانفشانی کے صلے میں گورنمنٹ سے انعام عطا فرمایا جائے۔

(۵) صرف دس غلطیہائے کتابت مجھے اِس کتاب میں معلوم ہوئیں جو حاشئے پر لکھدی گئی ہیں۔"

اِن کے علاوہ اور صاحبوں نے بھی اِس پر اپنے خیالات ظاہر کئے ہیں اور اخبارات نے ریویو بھی لکھے ہیں مگر ہم بخوفِ طوالت انہیں پر کفایت کرتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ شائقین اُردو اِس کو شوق سے پڑھیں گے اور اس سے فائدہ حاصل کریں گے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

دیباچہ

زمانے کے انقلاب کی تاثیریں ہیں کہ ایک وقت میں ایک چیز رواج و شہرت کے آسمان پر آفتاب ہو کر چمکتی ہے اور دوسرے وقت میں ایسی معدوم ہو جاتی ہے کہ کوئی اُس کا نام بھی نہیں جانتا اور ایک وقت میں ایک چیز ایسی پستی و گمنامی کی حالت میں ہوتی ہے کہ اُس کی ترقی و عروج کا کبھی خیال بھی نہیں آتا۔ دوسرے وقت میں اوج کمال پر پہونچ کر شہرت اور رواج کا دُرۃ التاج بن جاتی ہے۔ ابھی کل ہی کی بات ہے کہ ہندوستان میں عَربی اور فارسی زبانوں کی تعلیم زوروں پر تھی اور ہونی چاہیئے تھی کیونکہ عَربی زبان مسلمانوں کی مذہبی زبان تھی اور فارسی زبان زبانِ حکومت۔ مسلمانوں کو دنیا اور دین دونوں کے اعتبار سے دونوں زبانوں کا سیکھنا ضرور تھا۔ جو لوگ کہ حکومت کا مذہب نہیں رکھتے تھے اور جن کے لئے معاش اور حصول تقرب شاہی کا ذریعہ صرف فارسی تھی اُن میں سے بھی بہت سے لوگ کسب کمال کی غرض سے عَربی پڑھتے تھے۔ سچ ہے۔ اَلنَّاسُ عَلٰی دِیْنِ مُلُوْکِھِمْ۔

اگرچہ عَربی کی حالت ہندوستان میں ابھی تک ایسی نہیں ہوئی کہ اس پر زبان مُردہ کا اِطلاق ہو سکے مگر اس میں بھی شک نہیں کہ وہ اس وقت نزع کی حالت میں ہے اور کچھ مدت سے مسلمانوں کی غفلت اور بے پروائی سے سسک رہی ہے۔ اگر مسیحا نفس بزرگوں نے اس کی جلد

خبر نہ لی اور خدا کرے کہ جلد خبر لیں، تو وہ وقت دکھائی دے رہا ہے کہ بیچاری مر کر رہ جائیگی اور اُس کا نام و نشان صفحۂ ہندوستان سے مٹ جائے گا۔

رہی فارسی سو جہاں حکومت گئی وہاں وہ گئی۔ اذا فات الشرط فات المشروط اُس کا تھوڑا بہت جس قدر نشان باقی ہے وہ صرف عہد گزشتہ کی یادگار ہے اور بس۔ پس اگر اُس کی حالت میں پہلی سی اوج موج نہیں رہی تو نہ کچھ محلِ تعجب ہے اور نہ مقامِ تاسف بلکہ سچ پوچھو تو ظاہرا اُس سے کسی قسم کا نفع بھی نہیں رہا[1]۔ ہاں اگر اُس سے کچھ فائدہ ہے تو یہ کہ اُس سے زبان اردو کی تکمیل کو تائید پہونچتی ہے۔

زمانۂ حال میں دیارِ ہند میں عربی اور فارسی کی جگہ انگریزی اور اردو کا رواج ہے۔ انگریزی کو تو جس قدر رواج ہو بجا ہے کیونکہ وہ زبانِ سلطنت ہے۔ مگر خدا جانے کیا بات ہے کہ اردو جو صرف ملکی زبان ہے اور جس کے شباب کا ہنوز ابتدائی زمانہ ہے یوماً فیوماً ترقی کرتی چلی جاتی ہے اس میں شک نہیں کہ شروع شروع میں گورنمنٹ نے اُس کی سرپرستی فرمائی اور اردو کے ادیبوں کو خاطر خواہ صلے اور معقول انعام دے دے کر کتابیں تصنیف کرائیں اور تصنیفات کا بیش بہا ذخیرہ مہیا کر دیا۔ مگر اب لوگوں میں ایسا مذاق پیدا ہو گیا ہے کہ اُس کو وسیع اور شستہ و شگفتہ کرنے میں خود بخود یعنی بے طمع انعام و بے خواہش صلہ کوشش کر رہے ہیں ؎

انصاف کے خواہاں ہیں نہیں طالبِ زر ہم　　تحسینِ سخن فہم ہے مومن صلہ اپنا

آج اردو زبان کی حلاوت و عذوبت کو دیکھو تو رشکِ قند و نبات ہے۔ اِس کی نظم و نثر کی دلکش ادائیں دلوں کو بے اختیار کھینچے لئے جاتی ہیں وہ زبانیں جو کبھی بلغائے فارس کے کلام سے چٹخارے بھرتی تھیں اب فصحائے ہند کی شیریں کلامیوں سے مزے لے رہی ہیں۔ اور

[1] اگر غور سے دیکھا جائے تو اس میں شک نہیں کہ ایران و افغانستان کے تعلقات جو ہندوستان کے ساتھ ہیں اُن کے لحاظ سے فارسی ہندوستان میں نہایت ضروری اور کارآمد چیز ہے اور اُس کو ہندوستان سے معدوم نہیں ہونا چاہیئے بلکہ ایران کی فارسی مروجۂ حال کا ہندوستان میں رواج پذیر ہونا نہایت ضرور ہے مگر معلوم نہیں کہ گورنمنٹ کو اس طرف کیوں توجہ نہیں (مصنف)

وہ کان جو پہلے فارسی ترانوں سے مست ہو ہو جاتے تھے اب اردو کی سُریلی آوازوں سے کیفیت لے رہے ہیں۔ کس کو معلوم تھا اور کون کہہ سکتا تھا کہ زبان اردو کبھی ترقی کی کُرسی پر بیٹھ کر قبولِ عام کی بارگاہ میں جلوہ گر ہوگی۔ مگر تعجّب اور نہایت تعجب ہے کہ اِس زبان کے قواعد جامعہ ابھی تک مدّون نہیں ہوئے! اہلِ زبان کو تو شاید قواعد کی چنداں ضرورت نہ بھی ہو کیونکہ جو لفظ اُن کی زبان سے نکلتا ہے قاعدے کے سانچے میں ڈھل کر نکلتا ہے۔ لیکن اہلِ پنجاب کے لئے سخت ضرورت ہے کہ فنِّ قواعد میں ایسی کتاب تصنیف کی جائے جو اُن کو صحیح اردو بولنی سکھائے۔

اہلِ پنجاب میں جہاں اور باتوں کی اُپج ہے اُردو بولنے کی بھی اُپج ہے۔ طبقۂ رجال میں شاذ و نادر ہی کوئی متنفس ہوگا جو اُردو نہیں بولتا ہوگا مگر عوام کی اُردو سن کر اس قدر افسوس آتا ہے کہ بیان نہیں ہو سکتا۔

پنجاب میں اُردو دو طرح کی بولی جاتی ہے۔ ایک تو تین حصّہ پنجابی ایک حصّہ ہندوستانی اور اگر خدانخواستہ اس طرح کی اُردو کی کہیں بنیاد قائم ہو گئی تو ایک دن ایک نئی زبان پیدا ہو کر رہیگی جس کو نہ پنجابی کہہ سکیں گے نہ ہندوستانی اور اگر کچھ کہہ سکیں گے تو پنجابی ہندوستانی۔ یہ اُردو جہلا اور نہایت کم استعداد شخصوں کی اُردو ہے۔ اس طرح کی اُردو بولنے والے نہ صرف اُردو کا ستیاناس کر رہے ہیں بلکہ پنجابی زبان کو بھی خراب کر رہے ہیں۔

اللہ اللہ ایک وہ لوگ تھے کہ زبان اُردو کی یہاں تک نگہداشت کرتے تھے کہ غیر فصیح کلام کا سننا بھی گوارہ نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ تذکرہ آبِ حیات میں افصح الفصحا میر محمّد تقی میرؔ کے حال میں لکھا ہے کہ جب دِلّی چھوڑ کر، لکھنؤ چلے تو ساری گاڑی کا کرایہ بھی پاس نہ تھا ناچار ایک شخص کے ساتھ شریک ہو گئے اور دِلّی کو خدا حافظ کہا۔ تھوڑی دور آگے چل کر اُس شخص نے کچھ بات کی یہ اُس کی طرف سے مُنھ پھیر کر ہو بیٹھے۔ کچھ دیر کے بعد اُس نے پھر بات کی۔ میر صاحب چیں بہ جبیں ہو کر بولے کہ صاحب قبلہ آپ نے کرایہ دیا ہے بے شک گاڑی میں بیٹھے مگر باتوں سے کیا تعلّق اُس نے کہا حضرت کیا مضائقہ ہے راہ کا شغل ہے باتوں میں ذرا جی بہلتا ہے۔ میر صاحب بگڑ کر بولے کہ "خیر آپ کا

شغل ہے میری زبان خراب ہوتی ہے"۔ ایک تو وہ لوگ تھے کہ صحت و فصاحت زبان کو اس قدر ملحوظ رکھتے تھے اور غیر فصیح الفاظ کے سننے تک سے احتراز کرتے تھے کہ غیر فصیح الفاظ سُنے نہیں اور زبان بگڑی نہیں اور اب بھی ہندوستان کے فصحا و بلغا زبان اردو کی ترقی و توسیع اور اس کی صفائی و شستگی میں تا بمقدور کوشش کر رہے ہیں اور جس قدر احسان اِن باکمالوں نے زبان اُردو پر کئے ہیں اور کر رہے ہیں وہ اُن کے ادائے شکر سے ہمیشہ قاصر رہیگی اور ایک وہ لوگ ہیں کہ اُس کو پیٹ بھر کر بگاڑ رہے اور اُس کی ایسی مٹی خراب کر رہے ہیں کہ خدا کی پناہ ع ببیں تفاوتِ رہ از کجاست تا بکجا۔ دوسری اُردو پڑھے لکھے لوگوں کی اُردو ہے اور یہی وہ اُردو ہے جس کو اُردو کہا جا سکتا ہے مگر یہ بھی قواعد کی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتی۔ کچھ شک نہیں کہ بعض پنجابی اُردو میں نہایت خوبی اور قابلیت سے گفتگو کر سکتے ہیں۔ مگر کہیں کہیں قواعد کی ایسی مکروہ غلطیاں کر جاتے ہیں کہ تعجب آتا ہے۔ ہم اُردو زبان کی واقفیتِ تامہ سے قطع نظر کرتے ہیں۔ کیونکہ کوئی شخص جب تک دِلی کا روڑہ نہ ہو جائے یا لکھنؤ میں عمر کا ایک بڑا حصہ صرف نہ کرے زبان اُردو سے پوری آگاہی حاصل کر ہی نہیں سکتا اور سچ تو یہ ہے کہ زبان غیر میں کمال حاصل کر کے بھی بعض اوقات انسان قواعد میں نہیں تو محاورہ روزمرہ میں غلطی کھا ہی جاتا ہے۔ صاحب قاموس جیسے أَطْفِئِ السِّرَاجَ کی جگہ اُقْتُلِ السِّرَاجَ بول اٹھے تو اور کسی کا کیا منہ ہے کہ دوسری زبان کے صحیح محاورات کے استعمال سے عہدہ برآ ہو سکے یا عہدہ برآ ہونے کا دعوی کرے۔[1]

---

[1] صاحب قاموس کی حکایت اس طرح پر ہے کہ علامہ مجد الدین یعنی جامع قاموس نسباً عجمی تھے۔ بچپن میں زبان عربی کی تکمیل کا شوق دل میں پیدا ہوا تو جہاں تک عجم میں ممکن تھا حاصل کیا۔ پھر عرب چلے گئے اور وہاں اس دھن میں خدا جانے کہاں کہاں اور کتنی مدت خاک چھانتے پھرے جب زبان عربی میں کمال حاصل کر لیا تو لغت عربی میں قاموس بنائی۔ قاموس کے معنی دریائے عظیم کے ہیں۔ یہ کتاب حقیقت میں اسم با مسمیٰ ہے۔ جو شخص عربی میں ایسی دستگاہ عالی حاصل کرے اُس کے عجمی اور عربی ہونے میں تمیز کیوں کر ہو۔ عرب میں ایک عربی عورت سے نکاح کر لیا اُس کو ان کا عجمی ہونا معلوم نہ تھا۔ رات کے وقت گھر کی خادمہ سے کہنے لگے کہ چراغ گل کر دے عربی محاورے کے مطابق کہنا چاہئے تھا۔ اطفائ السراج مگر چونکہ فارسی کا محاورہ ذہن میں بیٹھا ہوا اور زبان پر چڑھا ہوا تھا بے ساختہ زبان سے اقتلی السراج نکل گیا۔ فارسی میں کہتے ہیں چراغ بکش یعنی چراغ گل کر دے، اور کچھ شک نہیں کہ کشتن کا لفظی ترجمہ قتل ہے۔ مگر قتل اور اطفا میں تو زمین اور آسمان کا فرق ہے کہاں اطفا، بجھانا اور گل کرنا کہاں قتل، مار ڈالنا۔ بی بی نے یہ نئے قسم کا محاورہ سُنا تو متعجب ہوئی اور سمجھ گئی کہ ہو نہ ہو میاں عجمی ہیں۔ صبح اٹھ کچہری میں جا نالش کر دی اور عربی کے بے نظیر زبان داں کی زبان دانی کا بے ڈھب پردہ فاش ہوا ۱۲۔

پس اگر باشندگانِ پنجاب کو زبان اُردو سے کامل واقفیت نہ ہو کہ وہ ناممکن ہے تو معمولی گفتگو صحیح تو ہونی چاہیے۔

جن لوگوں نے مدارس سرکاری میں تعلیم پائی ہے اور جو تعلیم پاتے ہیں ضرور تھا کہ وہ صحیح اُردو بولتے مگر مڈل اور انٹرنس والوں کا تو مذکور ہی کیا ہے۔ بی۔اے اور ایم۔اے کی تقریریں اور تحریریں سُنی اور دیکھی جاتی ہیں تو کلام قواعد کی غلطیوں سے خالی نہیں ہوتا اور ہو تو کیوں کر ہو اُن کو قواعد سے واقفیت ہی نہیں اور قواعد کی کوئی ایسی کتاب مرتّب ہوئی نہیں جس کے پڑھنے سے پنجاب کے لوگ صحیح اُردو بولنے پر قادر ہو سکیں۔ اہلِ پنجاب کی غلط اُردو کی دو چار مثالیں سنو۔ پنجاب میں کہتے ہیں "میں روٹی کھانی ہے"۔ "میں سبق پڑھنا ہے"۔ "میں اوتھے[1] جانا ہے"۔ علیٰ ہذا القیاس اکثر پنجابی جب ایسے فقرات، اُردو میں بولنا چاہتے ہیں تو یوں کہتے ہیں "میں نے روٹی کھانی ہے"۔ "میں نے سبق پڑھنا ہے"۔ "میں وہاں جانا ہے"۔ کسی نے زیادہ فصاحت سے کام لیا تو تیسرے فقرے میں بھی "نے" علامت فاعل زیادہ کر کے میں نے کہہ دیا۔ مگر میں ہو تو اور میں نے ہو تو دونوں صورتوں میں تینوں فقرے غلط ہیں۔

اُردو کے اہلِ زبان حرفِ نفی (نہ) کے ساتھ لفظ "ہی" دبکسر ہائے ہوز، کبھی جمع نہیں کرتے ممکن نہیں کہ کسی ہندوستانی کی زبان سے جو الف کے نام (ب) نہیں جانتا نہ ہی کا لفظ نکلے۔ ناواقف پنجابی کہتے ہیں نہ زید آیا نہ ہی عمرو۔

ناممکن ہے کہ اہلِ زبان حرف عطف (اور) اور صفاتِ عددی کے ساتھ بیان کا کاف ملائیں "اور کہ" اور "اوّل کہ" اور "دوسرے کہ" کہیں مگر پنجاب میں اکثر انگریزی خواں یہ الفاظ اسی طرح بولتے اور لکھتے ہیں۔ غرض اس قسم کی بہت سی قبیح غلطیاں ہیں جو لوگ کرتے ہیں۔ چونکہ پنجاب میں تعلیم نسواں کا بھی رواج ہوتا جاتا ہے اس لئے عجب نہیں کہ مستورات نے بھی اُردو بولنا اختیار کیا ہو لیکن ہم کو معلوم نہیں کہ وہ کیسی اُردو بولتی ہونگی قیاس کریں تو کہہ

---

[1] بواوِ مجہول وہاں ۱۲۔

سکتے ہیں کہ اُن کی اُردو مردوں سے بھی بدتر ہوتی ہوگی۔

اس میں شک نہیں کہ جو شخص ذہنِ سلیم اور طبعِ مستقیم رکھتا ہے اُردو کی تصنیفات سے جن کا بہت سا ذخیرہ فراہم ہو چکا ہے قواعد صرف و نحو مستنبط کر سکتا اور صحیح اردو بول سکتا ہے مگر ہر شخص کو یہ سودا کب ہو سکتا ہے، کہ معانی و مطالب کے سوا الفاظ و عبارات کو بھی غور سے دیکھے اور اُن سے صرف و نحو کے مسائل مستنبط کرے۔

المختصر جب کہ پنجاب میں اُردو زبان کا مذاق پیدا ہو گیا اور روز بروز ترقی کرتا جاتا ہے اور جب کہ لوگ عموماً اُردو بولنے لگے ہیں اور جب کہ کثیر التعداد اخبار اور رسالے اُردو میں شائع ہو رہے ہیں اور جب کہ بے شمار کتابیں اُردو میں تصنیف و تالیف ہو چکی اور ہو رہی ہیں اور جب کہ اُردو کی کتابیں مدارس میں داخلِ تعلیم ہیں تو اہلِ پنجاب کے لئے ایک ایسی کتاب کی جو اُن کو صحیح اُردو بولنی سکھائے نہایت ضرورت ہے۔ مگر ایسی کتاب تصنیف کرے کون۔ ظاہر ہے کہ یہ کام اُن بزرگانِ اہلِ زبان کا ہے جو قلمروِ اُردو کے بادشاہ ہیں۔ مگر اُن کو اور مشاغل ہی سے کہاں فرصت ہے کہ قواعد کے جمع کرنے کی طرف متوجہ ہوں۔ یہ نہیں سمجھنا چاہئے کہ قواعد میں اب تک کوئی کتاب مطلقاً تصنیف ہی نہیں ہوئی یا پنجاب میں قواعد کی کوئی کتاب متداول ہی نہیں۔ جہاں تک ہم کو معلوم ہے پنجاب کے سرکاری مدارس میں ایک پچاس ساٹھ صفحے کا بہت چھوٹا سا رسالہ جس کا نام "قواعد اُردو" ہے داخلِ درس ہے مگر قطع نظر اس سے کہ وہ نہایت ناقص ہے اس کے مسائل بھی غلط ہیں۔ اس کے ناقص ہونے کی تو یہی کافی دلیل ہے کہ جس قسم کے غلط فقرات ہم نے تمثیلاً اوپر ذکر کئے ہیں وہ اُن کی تصحیح سے خاموش ہے کتاب مذکور الصدر اتنا تو بتا نہیں سکتی کہ "کہا ہو" اور "سنا ہو" کس قسم کے فعل ہیں پس جب کوئی اس کتاب سے اتنی بات معلوم نہیں کر سکتا تو ظاہر ہے کہ وہ کسی طرح مفید نہیں ہو سکتی۔ مسائل کی غلطیاں ایسی حیرت انگیز ہیں کہ کیا کہا جائے۔ مثلاً اردو میں امر کے بارہ صیغے پیدا کئے ہیں حالانکہ یہ صیغے آٹھ سے کسی صورت میں زیادہ نہیں ہو سکتے اور ان میں چار بھی کسی قدر تکلف کے ساتھ۔ مفعول پانچ قسم کے لکھے ہیں اور اس کے سوا اور بہت سی باتیں ہیں۔

چونکہ میں کسی اعلیٰ درجے کے اہلِ زبان کو اس طرف متوجہ ہوتے نہیں دیکھتا تھا اور ترتیب قواعد کی ضرورت معلوم ہوتی تھی اس لئے خیال کرتا تھا کہ اگر ضروری قواعد جن کا جاننا اہلِ پنجاب کو نہایت ضرور ہی جمع کر دئے جائیں تو اُن سے طلاب اور شائقین اُردو کو صحیح اُردو کے جاننے اور بولنے میں بہت مدد ملے گی - پس اس کتاب میں جو کچھ میں نے کیا ہی وہ یہی ہی -

اشعار و ابیات جن سے اس رسالے میں جابجا استشہاد کیا گیا ہی اُن کے پڑھنے سے معلوم ہوگا کہ میں نے اُن کے انتخاب کرنے میں کس قدر احتیاط کی ہی - کوئی شعر ایسا نہیں لکھا جس میں شاعر نے خلافِ تہذیب مضمون باندھا اور ناپاک خیال ظاہر کیا ہو جتنے شعر اِس کتاب میں لکھے گئے ہیں سب باستثنائے مبالغہ اُن عیوب سے پاک ہیں جن کے سبب سے ایشیائی شاعری بدنام ہو رہی ہے - اشعار کے لحاظ سے دیکھا جائے تو یہ کتاب ادبِ اُردو کے گلہائے رنگا رنگ کا ایک خوشنما گلدستہ نہیں بلکہ دلکش گلشنِ بے خار ہے -

ایک نئی بات میں نے یہ کی ہی کہ جس طرح تمام زبانوں کے قواعد کی کتابیں روکھی پھیکی اور سیٹھی ہوتی ہیں - اِس کتاب کو بے لطف نہیں رکھا - بلکہ مناسب مقام کہیں کہیں حکایاتِ شیریں اور لطائف و ظرائف نمکیں سے لذیذ کر دیا ہے -

فتح محمد خاں

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حروفِ تہجی

انسان کی زبان سے جو مختلف آوازیں نکلتی ہیں اُن کو لفظ[1] کہتے ہیں اور زبان و دہاں کے اختلافِ جنبش سے آوازوں میں جو فرق پیدا ہوتے ہیں اُن کا نام حرف ہے اُنہیں حرفوں کو جو منہ اور زبان اور گلے میں ذرا ذرا فرق سے نئے نئے پیدا ہو جاتے ہیں حروفِ تہجی یا حروفِ ہجا کہتے ہیں۔

اُردو میں حروفِ تہجی اکاون ہیں آ ب بھ پ پھ ت تھ ٹ ٹھ ث ج جھ چ چھ ح خ د دھ ڈ ڈھ ذ ر رھ ڑ ڑھ ز ژ س ش ص ض ط ظ ع غ ف ق ک کھ گ گھ ل لھ م مھ ن نھ و وھ ہ ء ی ے[2]

---

[1] لفظ کے لغوی معنی کسی چیز کے پھینک دینے یا منہ سے نکال ڈالنے کے ہیں! اصطلاحی معنوں میں جو متن میں بیان کئے گئے ہیں لفظ بمعنی ملفوظ ہے۔

[2] ان حرفوں میں سے جہاں تک ہم کو معلوم ہے حروف بھ پھ تھ ٹھ جھ چھ دھ ڈھ رھ ڑھ کھ گھ لھ مھ نھ جو بالترتیب اِس طرح کے لفظوں میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے بھائی۔ پھریرا۔ تھان ٹھٹھا۔ جھومر۔ چھاچھ دھادا۔ ڈھال۔ سرھانا۔ پڑھنا۔ لکھنا۔ گھر۔ چولھا۔ تمھارا۔ ننھا۔ اردو میں ابھی تک ان کے نام معین نہیں ہوئے ہمارے نزدیک اِن کے یہ نام ہونے چاہئیں بھے پھے تھے ٹھے جھا چھے دھا ڈھا رھے ڑھے کھے گھے لھا مھا نھا ان حروف کو آیندہ ہم کتاب میں ایسے حروف سے تعبیر کرینگے جن میں ہ کی آواز ملی ہوئی ہوتی ہے۔

بعض حرف ایسے ہیں کہ ایک زبان میں آتے ہیں دوسری میں نہیں آتے تو جس زبان میں وہ آتے ہیں خاص اُس زبان کے حرف کہلاتے ہیں، جیسے ث ح ذ[1] ص ض ط ظ ع ق۔ یہ تو حرف خاص عربی زبان کے ہیں۔ اس لئے کہ فارسی زبان میں نہیں آتے اور حروف پ چ ژ گ خاص فارسی کے حروف ہیں اس لئے کہ عربی میں نہیں بولے جاتے۔ مگر ہندوستانی زبان کے مقابلے میں حروف۔ تسعہ مختصۂ عربی میں سے (ق)، اور حروف اربعۂ مختصہ فارسی میں سے (پ چ گ ژ) ہماری زبان کو ان حرفوں کی کچھ خصوصیت نہیں اس لئے کہ یہ حرف جیسے عربی اور فارسی زبان میں بولے جاتے ہیں ویسے ہی ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں جیسے تڑاق پڑاق چلنا، گلنا۔ ژ البتہ فارسی سے مخصوص ہے، ٹ ڈ ڑ اور تمام وہ حرف جن میں ہ کی آواز ملی ہوئی ہوتی ہے خاص ہندوستانی زبان کے حروف ہیں اس لئے کہ یہ حروف نہ عربی میں آتے ہیں نہ فارسی میں صرف ہندوستانی زبان میں بولے جاتے ہیں۔

یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں پر جو حروف زبان عربی یا فارسی یا ہندوستانی سے مخصوص بیان کئے گئے ہیں وہ انہیں زبانوں کے لحاظ سے مختص ہیں۔ ورنہ یہ حروف اور زبانوں میں بھی آتے ہیں، مثلاً چ اور ق ترکی زبان میں بھی آتے ہیں اور ٹ ڈ انگریزی میں بھی۔

حروف شمسی اور قمری۔ عربی میں حروف تہجی دو طرح کے ہیں۔ ایک وہ کہ جس لفظ کے سرے پر اُن میں سے کوئی حرف ہوتا ہے اور اس پر عربی کا ال[2] آتا ہے تو لام پڑھنے میں نہیں آتا اور

[1] ذ کو دوسرے اہل قواعد خاص عربی کا حرف نہیں سمجھتے اور اسی لئے انہوں نے عربی کے مخصوص آٹھ حرف لکھے ہیں مگر ہمارے نزدیک ذ خاص عربی کا حرف ہے اور فارسی الفاظ کو ذ سے لکھنا غلط ہے۔ جو الفاظ فارسی ذ سے لکھے جاتے ہیں وہ اسی قبیل سے ہیں جیسے صد ص سے۔ حالانکہ صد فارسی کا لفظ ہے اور ص خاص عربی کا حرف ہے ۱۲۔

[2] ال میں لام ساکن تعریف (ضد تنکیر) کے واسطے ہے اور ہمزہ (جس کو فارسی اردو میں الف کی صورت میں لکھے جانے کے سبب الف کہتے ہیں) رفع ابتدا یا بالسکون کے لئے کیونکہ زبان عرب میں ابتدا بالسکون یعنی پہلے حرف کو سکون کے ساتھ ادا کرنا متعذر ہے (اور اکثر زبانوں کا یہی حال ہے) عربی میں جس جگہ ابتدا بالسکون لازم آئے اس کے دور کرنے کو ہمزہ ابتدا میں زیادہ کر دیتے ہیں جس کو ہمزۂ وصل کہتے ہیں۔ چونکہ ہمزۂ وصل ضرورت کے سبب زیادہ کیا جاتا ہے تو جب ضرورت نہیں رہتی گر جاتا ہے مگر صرف تلفظ میں نہ کہ کتابت میں لیکن جب اس پر لَ داخل ہو تو کتابت میں بھی گر جاتا ہے جیسے الصلوٰۃ شعر

نطق شیریں ترا دہ شہد کہ ہر دردکو راس ۔۔۔ شان ہے جس کی شہا فیہ شفاء الناس

وہ مشدد حرف ہوجاتا ہے ایسے حرفوں کو حروفِ شمسی کہتے ہیں اور وہ چودہ ہیں۔ ت ث د ذ ر ز س ش ص ض ط ظ ل ن۔ جیسے التّائب، الثّاقب، الدّلیل، الذّکر، الرّحیم، الزّجاج، السّلام، الشّمال، الصّباح، الضّیاء، الطّاہر، الظّل، اللّیل، النّوم، اِن حروف کا نام شمسی اس لئے رکھا گیا ہے کہ الشّمس کے پڑھنے میں لام نہیں پڑھا جاتا۔

دوسرے وہ کہ جن پر اَل آتا ہے تو لام پڑھا جاتا ہے۔ ایسے حروف کو حروفِ قمری کہتے ہیں اور وہ یہ ہیں۔ ا ب ج ح خ ع غ ف ق ک م و ہ ی جیسے الاسد، البحر، الجلیل، الحکیم، الخطیب، العالم، الغریق، الفاتح، القادر، الکریم، الملک، الواحد، الہادی، الیمین۔ اِن حرفوں کو قمری اس لئے کہتے ہیں کہ القمر کے پڑھنے میں لام تلفظ میں آتا ہے۔ [1]

حروفِ علت۔ وَ آ یَ

حرفِ صحیح ۔ جو علت کا حرف نہ ہو۔

بہت سے حرف ایسے ہیں جن کی صورت ایک دوسرے سے نہایت مشابہ ہے اور ان میں صرف نقطوں سے فرق ظاہر ہوتا ہے۔ ایسے حروف کو بعض اہلِ قواعد حروفِ متشابہ کہتے ہیں چونکہ لکھنے والے نقطہ دینے میں بہت بے پروائی کیا کرتے ہیں اور تحریر الفاظ یعنی ترکیب حروف میں بعض حروف کی صورت بالکل بدل جاتی ہے اور ایسے حروف سے مشابہ ہوجاتی ہے جن سے مفرد ہونے کی حالت میں بالکل مختلف ہوتی ہے۔ جیسے مَحَبَّت، محنت، تُرا، بُرا اس لئے بوقتِ ضرورت امتیازِ الفاظ اور رفع التباس کے لئے نقطوں کا شمار اور اُن کا موقع بھی ظاہر کرنا پڑتا ہے اور یہ بھی بتانا پڑتا ہے کہ حرف نقطہ دار ہے یا بے نقطہ۔

حرفوں اور نقطوں کے متعلق یہ اصطلاحیں ہیں :-

---

[1] بہت سے لوگ عبدالرحمٰن اور عبدالرحیم اور عبدالسلام کو عبدل رحمٰن اور عبدل رحیم اور عبدل سلام کہتے ہیں یعنی اُن کو معلوم نہیں کہ حرفِ شمسی پر الف لام آتا ہے تو لام تلفظ میں نہیں آتا اسی طرح بعض عبدالجبار اور عبدالجلیل میں لام نہیں پڑھتے اور جیم کو مشدد کر دیتے ہیں یعنی اس سے بے خبر ہیں کہ حروفِ قمری پر اَل آتا ہے تو لام پڑھا جاتا ہے۔ امید ہے کہ اس کتاب کے پڑھنے والے ایسی غلطیاں نہیں کریں گے۔

معجم[1] یا منقوط۔ نقطہ دار حرف۔ مگر معجم یا منقوط کی قید اُس حرف کے ساتھ لگاتے ہیں جس کی صورت کا کوئی بے نقطہ حرف بھی ہو تاکہ التباس رفع ہو جائے۔ جیسے ض معجم، چونکہ ص اور ض میں مشابہت ہے اِس لئے یہ قید لگائی گئی۔

مہمل یا غیر منقوط۔ بے نقطہ حرف۔ جس کی صورت کا کوئی نقطہ دار حرف بھی ہو جیسے ط مہمل یہ ظ سے مشابہ ہے اِس لئے مہمل کی قید لگائی گئی۔

فائدہ۔ ایسے منقوط یا غیر منقوط حروف جو اور حروف سے مشابہ نہیں ہیں اُن کے ساتھ معجم یا مہمل کی قید نہیں لگائی جاتی جیسے قؔ اور مؔ۔ اِن حرفوں کی صورت کسی حرف سے نہیں ملتی اس لئے نہ قؔ کو منقوط کہتے ہیں نہ مؔ کو مہمل۔

ب۔ با۔ موحدہ (ایک نقطہ والی ب)
پ۔ پائے فارسی
ت۔ تائے قرشت یعنی وہ تؔ جو لفظ قرشت میں آتی ہے اور چونکہ اس میں دو نقطے ہیں اور اوپر ہیں اس لئے اس کو تائے مثناۃ فوقانیہ بھی کہتے ہیں۔
ٹ۔ تائے ہندی (یا ہندی کی ت)
ث۔ ثائے مثلثہ۔ کیونکہ اس میں تین نقطہ ہیں ثؔ اور پؔ میں یہ فرق ہے کہ اِس میں نقطے اوپر ہیں۔ اُس میں نیچے اور اِن دونوں کے تفرقے کے لئے جو الفاظ بیان کئے گئے ہیں اُن سے فرق بخوبی ظاہر ہوتا ہے۔
ج۔ جیم عربی یا تازی
چ۔ جیم فارسی
ح۔ حائے حطی یعنی وہ حؔ جو لفظ حطّی میں آتی ہے۔ اس کو حائے مہملہ یا غیر منقوطہ بھی کہتے ہیں۔
خ۔ خائے معجمہ یا منقوطہ
د۔ دال مہملہ یا غیر منقوطہ
ڈ۔ ڈال ہندی (یا ہندی کی دال)
ذ۔ ذال معجمہ یا منقوطہ
ر۔ رائے مہملہ یا غیر منقوطہ

[1] اردو فارسی عربی کے تمام اہلِ قواعد نقطہ دار حرف کو معجمہ یا منقوطہ اور بے نقطہ حرف کو مہملہ یا غیر منقوطہ بتائے تانیث (جو بولنے میں ہ کی آواز دیتی ہے) لکھتے ہیں مگر ہم نے لفظ حرف کی رعایت سے جو مذکر ہے معجم و مہمل یا منقوط و غیر منقوط کہا ہے۔ ہاں جو حرف مؤنث ہوگا اُس کی صفت میں معجم اور منقوط اور مہمل اور غیر منقوط کے ساتھ تائے تانیث لگائیں گے جیسے زائے معجمہ یا منقوطہ اور رائے مہملہ یا غیر منقوطہ۔

ڑ۔ رائے ہندی (یا ہندی کی ڑے)،
ز۔ رائے معجمہ یا منقوطہ
ژ۔ زائے فارسی
س ش ص ض۔ ط ظ ع غ میں
بے نقطہ اور نقطہ دار ہونے کا فرق ہے۔
ف اور ق کے لئے کسی قید کی ضرورت
نہیں کہ اُن میں شائبہ اشتباہ نہیں

ک۔ کاف عربی (عربی کا کاف)،
گ۔ کاف فارسی (فارسی کا کاف)،
ل م ن و۔ ان حروف کے ساتھ کوئی
قید نہیں لگائی جاتی۔
ہ۔ ہائے ہوز یعنی وہ ہ جو لفظ ہوز میں آتی ہے۔
ی۔ یائے مثناۃ تحتانیہ اِس لئے کہ دو نقطے
رکھتی ہے اور نیچے۔

اعراب یا حرکات و سکنات

اور

ضروری اصطلاحات

جس آواز کے سہارے سے حرف ادا کئے جاتے اور جس کے ذریعے سے ایک دوسرے سے ملائے جاتے ہیں اُسے حرکت کہتے ہیں۔ حرکت تین طرح کی ہے۔

(۱) زبر۔ اس کی علامت (ـَ) ہے اور حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ عربی میں زبر کو فتح یا فتحہ اور زبر والے حرف کو مفتوح کہتے ہیں۔ جیسے قلم میں قَ اور لَ مفتوح ہیں۔

فائدہ۔ اُردو میں خاص حالت اور ضرورت کے سوا کوئی حرکت نہیں لکھی جاتی۔

(۲) زیر۔ اس کی علامت بعینہٖ وہی علامت فتح ہے۔ فرق اتنا ہے کہ علامتِ فتح حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے اور زیر کی علامت نیچے۔ زیر کو کسر یا کسرہ اور زیر والے حرف کو مکسور کہتے ہیں جیسے کریم میں رَ مکسور ہے۔

(۳) پیش۔ اِس کی علامت (ـُ) ہے اور یہ بھی حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ اِس کو ضم یا ضمہ اور پیش والے حرف کو مضموم کہتے ہیں۔ جیسے خُدا میں (خ) مضموم ہے۔

متحرک ۔ وہ حرف جس پر ان تینوں حرکتوں میں سے کوئی حرکت ہو۔

فائدہ ۔ عربی میں جو حرکت لفظ کے حرف اخیر پر ہو اُس کے دوسرے نام بھی ہیں۔ زبر کو نصب۔ زیر کو جر اور پیش کو رفع کہتے ہیں اور جس حرف پر نصب یا جر یا رفع ہو اُسے منصوب یا مجرور یا مرفوع کہتے ہیں

جزم ۔ حرف پر من جملہ حرکاتِ ثلٰثہ کے کسی حرکت کے نہ ہونے کو جزم کہتے ہیں ۔ اس کی علامت (ہ) ہے جو حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ عربی کی اصطلاح میں جزم کا نام سکون ہے اور جزم والے حرف کا نام ساکن ۔

وقف ۔ حرف ساکن کے بعد حرف غیر متحرک کے واقع ہونے کو وقف کہتے ہیں اور حرفِ غیر متحرک کو موقوف ۔ جیسے پیار میں ر موقوف ہے۔ دوست میں س اور ت دونوں موقوف ہیں۔

تشدید ۔ جو حرف پہلے ساکن اور پھر متحرک ہو کر بولا یا پڑھا جائے تو سکون و حرکت کی حالت کو تشدید کہتے ہیں۔ تشدید کی علامت (ّ) ہے اور حرف کے اوپر لکھی جاتی ہے۔ جس حرف پر تشدید ہو اُسے مشدّد کہتے ہیں۔ جیسے ابّا میں ب مشدّد ہے۔

مد ۔ حرف کو کھینچ کر پڑھنے کو کہتے ہیں۔ اس کی علامت (~) ہے جو اوپر لکھی جاتی ہے۔

ممدود ۔ وہ حرف جو کھینچ کر پڑھا جائے جیسے آلو میں الف ممدود ہے۔

تنوین ۔ کبھی عربی لفظ کے آخر میں حرف کی حرکت کے بعد نون ساکن لگایا جاتا ہے اُس کو تنوین کہتے ہیں۔ یہ نون کتابت میں نہیں آتا تلفظ میں آتا ہے اور اُس کی علامت یہ ہے کہ جس حرکت کے بعد تنوین آتی ہے وہ حرکت لکھنے میں مکرر ہو جاتی ہے اور تنوین فتح میں الف بھی بڑھا دیتے ہیں جیسے صریحاً قطعاً یقیناً دفعتاً فوقاً نسلاً بعد نسلٍ ۔ حیناً بعد حینٍ ۔ مشارٌ الیہ مگر جن الفاظ کے آخر میں رسم الخط عربی کے مطابق لمبی ۔ ت نہیں لکھی جاتی ۔ مختصر یا گول ت بصورت ۃ لکھی جاتی ہے وہاں تنوین فتح میں الف نہیں بڑھاتے ۔ جیسے دفعۃً ۔ تذکرۃً ۔ عادۃً ۔ اتفاقاً ۔ جس لفظ پر تنوین ہو اُسے منوّن کہتے ہیں۔

فائدہ ۔ تنوین کا نون بعض اوقات نظم میں متحرک ہو جاتا ہے یعنی لفظ مابعد کے حرف اوّل کی حرکت اُسکو دیدیتے ہیں[1]

---

[1] یہ فائدہ اگرچہ عروض سے متعلق ہے مگر بوجہ مفید ہونے کے یہاں بھی لکھدیا گیا۔

جیسے حالی ؎

جا نہ سکتی تھی بچ کے تیر سے وہ	تو نے دی قصداً اُس کی جان بچا

دوسرا مصرعہ جس میں قصداً کا لفظ منوّن ہی اس طرح پڑھا جاتا ہے ع

تو نے دی قصدن اُس کی جان بچا

یعنی اِس مصرع میں لفظ اُس کا ضمہ نون ساکن کو دیا گیا ہے۔ مولوی محمد حسین صاحب آزاد مثنوی گنج قناعت میں لکھتے ہیں۔ **بیت**

تھا جلوۂ رُخ سامنے اُس مردِ خدا کا	جو دفعتہً اک آگیا جھونکا سا ہوا کا

فائدہ۔ عربی لفظ کے سوا کسی دوسری زبان کا لفظ منوّن ہونے کی صلاحیت نہیں رکھتا بعض لوگ فارسی الفاظ کو بھی منوّن بولتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے اندازاً اور رسیداً یہ غلط ہی۔

فائدہ۔ بعض الفاظ جن کے آخر میں فتح تنوینی میں الف لکھا جاتا ہی اردو میں منوّن نہیں لئے جاتے بلکہ بجائے تنوین کے الف اپنی آواز دیتا ہی۔ جیسے ظاہرا۔ دائما کہ اصل میں ظاہراً اور دائماً ہیں۔

نونِ غنّہ۔ نون غیر متحرک کہ ناک میں آواز دے اور خوب ظاہر نہ پڑھا جائے۔ عام اس سے کہ حرف علت کے بعد واقع ہو یا حرف صحیح کے۔ جیسے ہوں ہاں غوں غاں، سنبھال، ہنسی۔

الف ممدودہ[۱]۔ جو مد کے ساتھ یعنی کھینچ کر پڑھا جائے۔ جیسے آج۔ آم۔ آدمی۔

الف مقصورہ۔ جو کھینچ کر نہ پڑھا جائے۔ جیسے اشرف۔ اب۔ اگر۔

واوٗ معروف۔ جس واوٗ سے پہلے پیش ہو اور خوب ظاہر پڑھا جائے۔ جیسے دور۔ نور۔ صورت۔

واوٗ مجہول۔ جس کے حرفِ ماقبل پر پیش ہو اور خوب واضح نہ پڑھا جائے جیسے ہوش، روز، لوٹ پوٹ۔

[۱] جو لوگ الف ممدود اور مقصور کو الف ممدودہ اور مقصورہ بہ تائے تانیث لکھتے ہیں عربی کی تقلید کرتے ہیں۔ کیونکہ عربی میں تمام حروف مؤنث بولے جاتے ہیں فارسی اور اُردو میں یہ بات نہیں۔ فارسی میں تو کوئی علامت تانیث ہے ہی نہیں۔ اُردو میں بعض حروف مذکر بولے جاتے ہیں بعض مؤنث۔ چونکہ الف مذکر بولا جاتا ہے اس لئے ہم نے ممدود اور مقصور بے تائے تانیث لکھا ہے ۱۲

بھی لامحالہ قادر ہوں[۱] گے۔"

[۱] یہ فقرہ ایک حکایت میں کا ہے۔ جو مولوی صاحب نے پیراں نمے پرند مُریداں مے پرانند کی تشریح کرتے ہوئے بیان کی ہے۔ چونکہ یہ حکایت لفظاً و معنےً نہایت دلچسپ ہے اِس لئے ہم بنابر تفریح طبع ناظرین اُس کو یہاں نقل کرتے ہیں۔

حکایت۔ کسی پلٹن میں سے ایک کمپنی کی کمپنی کے نام کاٹ دئے گئے۔ یہ غدر ۱۸۵۷ء سے پہلے کی بات ہے۔ ان دنوں مسلمانوں کی پلٹنوں میں ایک ملا قرآنی بھی ہوا کرتے تھے۔ مجکو معلوم نہیں کہ وہ خدمت سرکاری تھی یا نہیں۔ مگر سرکاری تو کیا ہو گی۔ ملا صاحب اپنے طور پر نمازی سپاہیوں کی امامت کر دیا کرتے اور مسئلے مسائل بتا دیا کرتے ہوں گے۔ غرض جس طرح گوروں کا پادری ہوا کرتا ہے اور سرکار سے تنخواہ پاتا ہے اُسی طرح ملا قرآنی مسلمانوں کے پادری ہوا کرتے تھے اور مذہبی خدمات اُن سے متعلق تھیں۔ لوگ اپنے طور پر اُن کے گزر اوقات کا انتظام رکھتے ہونگے۔ خیر تو جب اُس کمپنی کا نام کٹ گیا تو اُن کے ساتھ ملا قرآنی بھی پلٹن سے نکال دئے گئے۔ مگر یہ تھے بڑے چلتے پُرزے اُنھوں نے سپاہیوں کو تسکین دی کہ نام کٹ جانے کی مطلق پروا نہ کرو۔ میں ایسے بہت ہنر جانتا ہوں کہ تم سب کے سب زیادہ نہیں دو تین ہی برس میں امیر ہو جاؤ اور تمھاری نظر میں صوبہ داری کی بھی کوئی حقیقت باقی نہ رہے۔ یہ سُن کر سپاہی ملا صاحب کے گرداگرد اِس طرح سمٹ آئے جس طرح سنتری پر ہتھیار لینے کے لئے جمع ہو جاتے ہیں۔ تب ملا صاحب نے آہستگی سے راز کے طور پر اپنا منصوبہ ظاہر کیا کہ ہم میں سے ایک تو بنے فقیر مجذوب اور باقی اُس کے مُرید و معتقد۔ ملا صاحب نے یہ بھی کہا کہ اگرچہ فقیر بننے کی مجکو سب سے زیادہ قابلیت ہے۔ لیکن پیر بننا آسان ہے اور مُرید بننا مُشکل یعنی پریدن آسان ہے اور پرانیدن مُشکل۔ یہ کہکر ایک شخص کو متعین کیا جو آسانی سے مجذوب کی صورت بنا سکتا تھا۔ اور اُس کو سمجھا دیا کہ تم مطلقاً کسی سے بات چیت نہ کرو۔ یہاں تک کہ ہم لوگوں سے بھی نہیں اور رات کے وقت ہم سب جمع ہو کر اگلے دن کا پروگرام تجویز کر لیا کریں گے۔ چنانچہ وہ شخص شاہ خاموش بنا اور اُس نے نہ بولنے کا عہد کیا اور یہ ساری کمپنی اُس کے ساتھ ہوئی وہ شاہ صاحب کسی جگہ تنہا بیٹھ جاتے اور یہ لوگ اُن سے دور دور رہتے عوام کے دلوں میں فقیروں کی بھی ایک طرح کی ہیبت بیٹھی ہوتی ہے۔ کوئی شخص شاہ صاحب کے پاس جانا چاہتا تو پہلے اُن کے حواشی سے معرفت پیدا کرتا اور حواشی بڑی شدومد کے ساتھ شاہ صاحب کی کرامات اور خوارق عادت کا اس پر اظہار کرتے۔ کوئی کہتا کہ میں فلاں پلٹن کا صوبہ دار تھا ایکمرتبہ اتفاق سے شاہ صاحب کی مجھ پر نظر پڑ گئی

واوٴ معدول[1]۔ جو لکھنے میں آتا ہے بولنے میں نہیں آتا۔ جیسے خود، خوش۔ یہ واوٴ صرف فارسی زبان میں آتا ہے اور فارسی زبان میں اس کے ماقبل کا ضمہ خالص نہیں ہوتا۔ بلکہ آدھا ضمہ ہوتا ہے۔ آدھا فتحہ اس طرح کی آواز نہ عربی میں آتی ہے نہ اردو میں ایسے الفاظ میں جن میں واوٴ معدول آتا ہے۔ خالص ضمہ یعنی بے اشمام[2] فتحہ آتا ہے۔

ہائے ملفوظی یا اصلی۔ جو خوب کھُل کر پڑھی جائے جیسے آہ، واہ، یہ، وہ۔

ہائے مختفی۔ جو صرف حرفِ ماقبل کی حرکت کو ظاہر کرے جیسے پردہ، سایہ، پروانہ، نشانہ بےگانہ۔ نظم اردو میں یہ ہ بسا اوقات الف بن کر پڑھی جاتی ہے جیسے ذوق

جس انساں کو سگِ دنیا نہ پایا		فرشتہ اُس کا ہم پایا نہ پایا	

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہے۔ البتہ چند قسم کے تئیں ہیں جو فارسی اور اردو میں ہائے مختفی کا کام دیتی ہیں جیسے غلبہ، مباحثہ۔ مقابلہ۔

ہائے مخلوط التلفظ یا ہائے مخلوط۔ جو دوسرے حرف کے ساتھ مل کر پڑھی جائے جیسے انھیں تھیں وہ جو یک جان دو قالب کہا کرتے ہیں ٹھیک اس ہ اور اس کے حرف ماقبل کا حال ہے۔ صورت میں تو یہ ہ دوسرے حرف سے جدا ہوتی مگر صورت میں اُس کے ساتھ اس طرح مل جاتی ہے جیسے دودھ میں مصری لکھنے میں دو چشمی لکھی جاتی ہے۔[3]

یائے معروف۔ جس یَ سے پہلے زیر ہو اور خوب ظاہر پڑھی جائے جیسے امیر، فقیر، عجیب، غریب۔

یائے مجہول۔ جس یَ سے پہلے زیر ہو اور خوب ظاہر نہ پڑھی جائے۔ جیسے سیر۔ شیر۔ دلیر۔

تازی یا عربی۔ وہ حرف جو خاص عربی زبان میں آئے جیسے ث ح وغیرہ۔

فارسی۔ جو حرف زبانِ عربی میں نہ آئے۔ جیسے پ، چ وغیرہ۔

---

[1] جن وجوہ سے ہم نے الف ممدودہ کو الف ممدود لکھا ہے انھیں وجوہ سے واوٴ معدول اور انھیں وجوہ سے اُسے معروف اور مجہول، اور واضح ہو کہ واوٴ اردو میں اکثر مذکر بولا جاتا ہے [2] اشمام کے لغوی معنی سنگھانے کے ہیں یہاں مراد ہے آمیزش۔ [3] اس ہ کا ذکر بیان ہم نے بغرض زیادت بصیرت طلاب کیا ہے ورنہ اردو میں اس طرح کی ہ بہت کم آتی ہے جن حروف کی نسبت خیال کیا جاتا ہے کہ یہ اِن کے ساتھ مل کر پڑھی جاتی ہے وہ سب مفرد ہیں جیسا کہ ہم نے حروف تہجی کے بیان میں لکھ دیا ہے۔!!

ہندی۔ جو نہ عربی میں آئے نہ فارسی میں جیسے ٹ ڈ ڑ ۔

ماقبل ۔ وہ حرف جو کسی حرف سے پہلے آئے جیسے دل میں دٗ ماقبل ل کے ہے۔

مابعد ۔ وہ حرف جو کسی حرف سے پیچھے آئے جیسے سر میں رٗ مابعد س کے ہے۔

حذف ۔ لفظ میں سے کسی حرف یا عبارت میں سے کسی لفظ کے گرا دینے کو کہتے ہیں ۔

محذوف ۔ وہ حرف یا لفظ جس کو گرا دیں

ترخیم ۔ لفظ کے آخر سے حرف کے حذف کو کہتے ہیں جیسے جزو سے جز گواہ سے گوا شعر

جو برسرِ عروج ہیں اب فی زمانہ	اُن میں بھی جملہ فرد بشر بادشا نہیں

مُرَخَّم ۔ وہ لفظ جس میں ترخیم ہو۔

ملفوظ۔ وہ حرف یا لفظ جو بولنے میں آئے جیسے اسمٰعیل، رحمٰن، کہ اِن میں الف اگرچہ لکھا نہیں جاتا مگر بولنے میں آتا ہے۔ اس لئے ملفوظ ہے۔

غیر ملفوظ۔ جو لکھنے میں آئے بولنے میں نہ آئے جیسے عبدالرحیم میں الف لام کہ لکھا تو جاتا ہے مگر بولنے میں نہیں آتا۔

تخفیف۔ حرف کے ہلکا یا کم کرنے کو کہتے ہیں جیسے نظّارہ ظ کی تشدید اور نقّارہ قؔ کی تشدید سے ہے۔ اِن کو ہلکا کر کے نظارہ اور نقارہ کہتے ہیں یا جیسے دِوانہ، بچارہ کہ دیوانہ اور بےچارہ کا مخفف ہے۔ **ذوق** ۔

کیا شاد کو خفیف کرے ہے زبانِ خلق	شاباش جس کو کہتے ہیں وہ شاد باش ہے

نقل۔ دوسرے حرف کی حرکت پہلے حرف کو دینی۔ **استاد**۔

چاکِ دِل تو تجھ لے دستِ جنوں پردہ تھا	یہ کھلا اب تو کہ نوبت بہ گریباں آئی

پہلے مصرع میں لے سے الف کی حرکت یعنی فتحہ تجھ کی جیم کو دیا گیا ہے۔ **ذوق**

ایک دن بالکل نہ میں لے چارہ گر اچھا ہوا	داغ اِدھر تازہ ہوا گر زخم اُدھر اچّھا ہوا

نظم میں اکثر اِس اُس وغیرہ الفاظ کی حرکت جس کے شروع میں الف ہو پہلے حرف کو دیدیتے ہیں۔

فائدہ۔ بعض اوقات عربی الفاظ میں جن کے شروع میں الف ہو اور جن پر الِ تعریفی آئے نظم میں اصل کلمے کی حرکت الِ کے لام کو دیدیتے ہیں جیسے ناسخ کہتے ہیں۔ ع

دادرس کوئی بجز فالق الاصباح نہیں

اس مصرع میں اصباح کا کسرہ الِ کے لام کو دیدیا گیا ہے۔ اصل میں فالق الاصباح ہے اور یہاں فالق لصباح پڑھا جاتا ہے۔ **مولوی نذیر احمد**۔

ولے تم لوگ یوں بیگانہ وار آپس میں لڑلڑ کر ۔۔۔ بالآخر دق بنانا چاہتے ہو عارضی تپ کو

یہاں بالآخر بلِاخر پڑھا جاتا ہے۔

تحریک۔ ساکن کو متحرک کرنا۔ جیسے طرح کہ عربی میں رَ کے جزم سے ہے۔ شعرائے اردو اس کو متحرک بھی باندھتے ہیں۔ **ذوق**۔

عنقا کی طرح خلق سے عزلت گزیں ہوں میں ۔۔۔ ہوں اس طرح جہاں میں کہ گویا نہیں ہوں میں

دوسرے مصرع میں طرَح بحرکت را ہے۔ **مومن**

پامال ہم نہ ہوتے فقط جورِ چرخ سے ۔۔۔ آئی ہماری جان پہ آفت کئی طرح

تسکین۔ متحرک کو ساکن کرنا۔ جیسے شفقت کہ عربی میں فَ کے زبر سے ہے۔ اردو میں جزم سے بھی بولتے ہیں۔ **حالی**۔

جن کو خلقِ خدا پہ شفقت ہے ۔۔۔ خوں بہانا نہیں وہ رکھتے روا

یا جیسے حرَکت اور برَکت کہ دونوں لفظ عربی میں بفتح رَا ہیں۔ فی الحرکۃ برکۃٌ اردو میں بہ سکون رَا بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ **حالی**۔

وہ بھولے ہوئے ہیں یہ عادت خدا کی ۔۔۔ کہ حرکت میں ہوتی ہے برکت خدا کی

اشباع۔ حرکت کو اتنا کھینچنا کہ پیش سے واؤ اور زبر سے الف اور زیر سے یٰ پیدا ہو جیسے رستہ سے راستہ۔ **ذوق**۔

شمع نازاں نہ ہو اک رات بہا آنسو گرم ۔۔۔ برسوں یاں آنکھ سے ٹپکا ہے مری لوہو گرم

اس شعر میں لہو میں اشباع کرکے لوہو بنایا گیا ہی یا جیسے ناخن سے ناخون[۱] - مرزا رفیع سودا

بنئیے کا دیوال بند ایک قرض[۲] دار تھا	اس کے ادا کرنے میں سخت وہ لاچار تھا

اصل میں دوال بند ہی - یعنی سپاہی - اشباع سے دیوال بند ہو گیا -

امالہ - الف کو یائے مجہول سے بدل کر پڑھنا - جیسے اُکھاڑنا سے اُکھیڑنا -

ابدال - ایک حرف کو دوسرے حرف سے بدلنا جیسے ٹھہرنا - ٹھیرنا -

زیادت - کلمے میں ایک یا زیادہ حرفوں کا زیادہ کرنا جیسے بھیڑ چال سے بھیڑیا چال -
پرتو سے (جو فارسی ہی) پرتوہ[۳] - سکول سے اسکول - سپیچ سے اسپیچ -

فائدہ - بعض الفاظ ایسے ہیں کہ دلّی اور لکھنؤ کی زبان میں اُن میں ایک ایک حرف کی کمی بیشی ہی مثلاً دلّی میں اندھیرا کہتے ہیں - لکھنؤ میں اندھیارا[۴] - دلّی میں کواڑ کہتے ہیں - لکھنؤ میں کواڑا -

ادغام - دو ہم جنس یا ہم مخرج حرفوں کو ملا کر یعنی ایک کرکے پڑھنا جیسے بدتر کے پڑھنے میں تبّر آتا ہی

اشتقاق - ایک اصل لفظ سی اور لفظ یا صیغے نکالنا - جیسے ہونا سی ہوا - ہوگا - ہونے والا وغیرہ -

مشتق - وہ لفظ جو کسی اصل سے نکلا ہو -

مقدر - وہ لفظ جو عبارت میں نہ ہو مگر معنی دے جیسے "خدا کی قسم" یہاں میں کھاتا ہوں مقدر ہی -

[۱] الٰہی بخش خاں معروف کہتے ہیں شعر

غلط العام فصیح کی حنا کا معروف	رنگ ہی میرے اِن اشعار کے ناخونوں میں

[۲] صحیح لفظ قرض بہ سکونِ را ہے - یہاں بہ فتح را پڑھا جاتا ہے -

[۳] جیسے مثنوی داد انصاف میں ہی - بیت

غرض انصاف نے جب پرتوہ ڈالا اپنا	رنگ تب معنیٔ اصلی نے نکالا اپنا

[۴] مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے اسی طرح لکھا ہی مگر مولوی علی حیدر صاحب لکھنوی پروفیسر نظام کالج (حیدرآباد دکن) فرماتے ہیں کہ لکھنؤ والے بھی اندھیرا ہی کہتے ہیں - اندھیارا بھی صحیح مگر غیر فصیح ہی - سودا

ہوگی کب تک بچا خبرداری	چور جاتے رہے کہ اندھیاری

یعنی میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

مترادف۔ دو لفظ ہم معنی جیسے سدا اور نت۔ رکھنا اور دھرنا۔ ابا اور باپ۔

مشترک یا مشترک المعنی۔ ایک لفظ جس کے دو یا زیادہ معنی ہوں جیسے سونا اُس آرام کو بھی کہتے ہیں جو عموماً دن بھر کے تکان کے بعد رات کو کیا جاتا ہے اور جس میں دنیا و مافیہا کی کچھ خبر ہی نہیں رہتی اور اُس پیلی پیلی معدنی یا دھاتی چیز کو بھی کہتے ہیں جس کا زیور اور اشرفیاں وغیرہ بنتی ہیں۔

قیاسی۔ وہ لفظ جو قاعدۂ کلیہ کے بموجب نکلا ہو۔

سماعی۔ وہ لفظ جو کسی قاعدہ کے بموجب نہ بنا ہو۔ صرف اہل زبان کو بولتے سُنا ہو۔

تعریب۔ کسی غیر زبان کے لفظ کو عربی بنالینا جیسے پیل سے فیل۔ کان پور سے کان فور۔ اسپاناخ[1] سے اسفاناخ۔

جو لفظ عربی صورت اختیار کرے اُس کو معرب کہتے ہیں۔

تفریس۔ غیر زبان کے لفظ کو فارسی بنالینا جیسے چھپڑ سے چپر۔ جھگڑے سے جکرہ[2]

جو لفظ فارسی صورت بدل لے اُس کو مفرس کہتے ہیں۔

تہنید۔ کسی غیر زبان کے لفظ کو ہندی بنالینا جیسے عربی کے اَب اُم سے اَبا۔ امّا فارسی کے دہل سے ڈھول۔ انگریزی کے لارڈ سے لاٹ۔ سٹیمپ سے اسٹام۔

تہنید کئی طرح کی ہوتی ہے ایک یہ کہ دوسری زبان کے لفظ کو لفظاً و معناً دونوں طرح بدلیں۔ جیسے اَفراتفری کہ اصل میں افراط و تفریط ہے۔ عربی میں افراط کے معنی نہایت کثرت کے ہیں اور تفریط کے معنی نہایت کمی کے۔ اُردو میں کہتے ہیں عجب افراتفری پڑ رہی ہے۔ یعنی ہل چل پڑ رہی ہے۔

دوسرے صرف لفظ کو بدلیں جیسے پلید سے پلیت۔ میر تقی۔

ہزار شانہ و مسواک و غسل شیخ کرے	ہمارے عندیئے میں تو وہ ہے خبیث و پلیت

[1] اسپاناخ پالک کو کہتے ہیں جو ایک قسم کا مشہور ساگ ہے۔ [2] عرفی۔ آں بادکہ در ہند گر آید جگر آید

تیسرے صرف معنوں کو بدلیں جیسے روزگار کہ فارسی میں زمانے کو کہتے ہیں۔ ہندی میں روزگار کے معنی نوکری ہے یا خاطر کہ عربی میں خیال کو کہتے ہیں (جو دل میں گزرتا ہے) اور فارسی میں مطلق دل کو کہتے ہیں۔ اُردو میں کہتے ہیں ہماری خاطر سے ایسا کر دیجئے۔ یا حامد نے محمود کی بڑی خاطر کی۔

چوتھے حرکات کو بھی بدل دیں اور معنوں کو بھی جیسے مشّاطہ کہ عربی میں مبالغہ کا صیغہ ہے اور مشط سے جس کے معنی کنگھی کے ہیں مشتق ہے۔ فارسی میں مشّاطہ اُس عورت کو کہتے ہیں جو عورتوں کو بناؤ سنگار کرائے جیسے ہندوستان میں نائن اردو میں مُشّاطہ بضم میم و تخفیفِ شین اُس عورت کو کہتے ہیں جو زن و مرد کی نسبت تلاش کرے اور شادی کرائے۔

پانچویں جمع سے واحد کے معنی لیں جیسے اصُول، احوال، اشراف کہ اصل اور حال اور شریف کے معنوں میں بولے جاتے ہیں۔

چھٹے دوسری زبان کے مادہ ہائے الفاظ سے ایسے صیغے بنانا جو اُس زبان میں مستعمل نہ ہوں جیسے عفو اور عتاب سے معاف اور معتوب۔

مہنّد۔ جو لفظ ہندی صورت اختیار کرے اُس کو مہنّد کہتے ہیں۔

تصرّف۔ جب کسی غیر زبان کے لفظ میں کچھ کمی بیشی یا تغیّر و تبدّل کرکے اپنی زبان میں استعمال کرتے ہیں تو اُس کمی بیشی یا تغیّر و تبدّل کو تصرّف کہتے ہیں۔ تصرّف عام ہے اور تحریک اور تسکین اور حذف اور زیادت اور تخفیف اور تعریب اور تفریس اور تہنید وغیرہ سب اس کی قسمیں ہیں۔

یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ ان میں بہت سی مصطلحات جیسے اشباع اور ترجیم وغیرہ صرف عروض سے متعلق ہیں۔ صرف و نحو سے اُن کو کچھ تعلق نہیں۔ مگر چونکہ دوسرے اہل قواعد نے اپنی کتابوں میں اُن کا ذکر کیا ہے اِس لئے ہم نے بھی اُن کو خالی از نفع نہ دیکھ کر یہاں لکھ دیا ہے۔

پہلا حصّہ
علم صرف میں
صَرف

صَرف اُس علم کا نام ہے جس میں حروف و حرکات کے تغیّر و تبدّل سے مختلف طرح کے الفاظ اور مختلف قسم کے معانی پیدا ہوتے ہیں۔ مقصود اِس سے یہ ہے کہ بولنے والا صحیح لفظ بولے۔ تم کہتے ہو "یوں کرو"، "یوں مت کرو"، "اُس نے کیا"، "وہ کرتی ہے"، "ہم کرتے ہیں"، "تم کرو گے"، "میں نے کیا تھا"، "وہ کرنے والا ہے"، "یہ کیا ہوا ہے"۔ غور سے دیکھو تو ان فقرات میں ایک ایسا لفظ ہے جس نے حروف اور حرکات کے تغیّر و تبدّل سے کئی طرح کی صورتیں اختیار کی ہیں وہ لفظ کریا کرنا ہے اور ہم آگے چل کر بیان کریں گے کہ اِن دونوں لفظوں میں سے صورت بدلنے والا کون سا لفظ ہونا چاہیے تو جس علم میں لفظوں کے تغیّر و تبدّل اور کلمات کے بنانے کا طریق بیان ہو اُس کا نام علم صَرف ہے۔

لفظ۔ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ انسان کے مُنھ سے جو مختلف آوازیں یعنی طرح طرح کے حروف نکلتے ہیں اُن کو لفظ کہتے ہیں۔ رات۔ دن۔ صبح۔ شام۔ چاند۔ سورج۔ زمین۔ آسمان اُٹھنا۔ بیٹھنا۔ لکھنا۔ پڑھنا وغیرہ۔ غرض جو کچھ انسان بولتا ہے سب لفظ ہیں۔

لفظ کی قسمیں۔ لفظ دو طرح کا ہوتا ہے۔ بامعنی اور بے معنی۔ بے معنی مہمل کہلاتا ہے۔ تم بولتے ہو روٹی ووٹی۔ پانی وانی۔ روٹی اور پانی کے مفہوم کو سب جانتے ہیں مگر ووٹی اور وانی کے کچھ معنی نہیں ہیں بس اسی کا نام مہمل ہے (مہمل لفظ بہت کم بولنے میں آتا ہے)، بامعنی کو موضوع کہتے ہیں

کلمہ ۔ لفظ موضوع سے اگر اکیلے معنی سمجھے جائیں تو اس کا نام کلمہ ہے۔ چُپ رہنا۔ مار ڈالنا اور اسی قبیل کے اور الفاظ جن کے اجزا ایک سے زیادہ ہیں اگرچہ بجائے خود ہر ایک جزو کے جُداگانہ معنی ہیں مگر بحالت ترکیب چونکہ ان سے ایک معنی سمجھے جاتے ہیں اس لئے ہر ایک لفظ کلمہ ہے۔ کلمے کے لئے یہ ضرور نہیں کہ لفظاً مفرد ہو بلکہ اس کا معنیً مفرد ہونا ضرور ہے۔ ان تعریفات سے تم نے سمجھ لیا ہوگا کہ ہر کلمہ کو لفظ کہہ سکتے ہیں۔ ہر لفظ کو کلمہ نہیں کہہ سکتے۔

جس طرح لفظ اُن حروف کو کہتے ہیں جو انسان کی زبان سے نکلیں اسی طرح ان حرفوں کو بھی کہتے ہیں جو انسان کے قلم سے نکلیں۔ کیونکہ انسان قلم کے ذریعہ سے بھی اپنا مافی الضمیر دوسروں پر اسی طرح ظاہر کر سکتا ہے جس طرح زبان سے۔ اسی لئے اہل قواعد نے زبان[1] یا بولی کی دو قسمیں قرار دی ہیں۔ تقریری اور تحریری۔ تقریری وہ جو زبان سے بولی جائے۔ تحریری وہ جو لکھنے میں آئے۔ تم کہو گے کہ بولنے کو تو جانور بھی بولتے ہیں۔ چڑیاں چوں چوں کرتی ہیں۔ کوے کائیں کائیں کرتے ہیں۔ بلیاں میاؤں میاؤں کرتی ہیں اور طوطے مینا تو ایسی باتیں کرتے ہیں گویا انسان کا ننھا سا بچہ باتیں کرتا ہے اور نہ صرف باتیں کرتے ہیں بلکہ پڑھاؤ تو پڑھتے بھی ہیں۔ بے شک تمہارا یہ کہنا صحیح ہے مگر چونکہ جانور معدودے چند الفاظ کے سوا بول نہیں سکتے اور انسان کی طرح مسلسل گفتگو نہیں کر سکتے اور ہر طرح کے ادائے مطلب پر قدرت نہیں رکھتے اس لئے جو کچھ وہ بولتے ہیں اُس کو زبان کہتے ہیں نہ لفظ۔

لفظ کی قسمیں پہلے بیان ہو چکیں اب کلمے کے اقسام سنو۔

کلمے کی قسمیں

اسم ۔ کلمہ تین قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اکیلا اپنے معنی تو دیتا ہے مگر اس میں وقت کا شمول نہیں ہوتا۔ آدمیوں اور چیزوں کے ناموں مثلاً حامد، محمود، اونٹ، گھوڑا، ہاتھی، زمین و آسمان وغیرہ

[1] زبان یا بولی اُس کو کہتے ہیں جس کے ذریعہ سے انسان اپنے دل کی بات ظاہر کر سکے۔

کو دیکھو کہ ان کے معنوں میں وقت مطلق نہیں پایا جاتا۔ لیکن یہ الفاظ اپنے معنوں کو بخوبی ظاہر کر رہے ہیں۔ اسی طرح وہ الفاظ جن سے انسان وغیر انسان کے افعال اور حرکات بیان کئے جائیں جیسے اُٹھنا، بیٹھنا، چلنا، پھرنا، سونا، جاگنا، اُچھلنا، کودنا، اُڑنا، دوڑنا وغیرہ کہ اِن کے معنی بالاستقلال بے انضمامِ[۱] وقت سمجھے جاتے ہیں اس قسم کے کلمے کو اسم[۲] کہتے ہیں۔

وقت (جس کا دوسرا نام زمانہ ہے) تین قسم کا ہے۔ ایک وہ جو گزر گیا اس کو ماضی کہتے ہیں دوسرا جو بالفعل گزر رہا ہے اُس کا نام حال ہے۔ تیسرا آنے والا وہ مستقبل کہلاتا ہے۔ مصرع

	وہ کرتے ہیں اب جو نہ کیا تھا نہ کریں گے	

اس مصرع میں تینوں زمانوں کی مثالیں ہیں۔

فعل۔ دوسرا کلمہ جو اکیلا اپنے معنی دیتا ہے اور اس میں منجملہ ازمنۂ ثلاثہ کے ایک زمانہ بھی پایا جاتا ہے اس کو **فعل** کہتے ہیں۔ اسم اور فعل میں اتنا ہی فرق ہے کہ اُس میں وقت نہیں ہوتا اس میں وقت کا ہونا ضرور ہوتا ہے۔ جب ہم صرف آنا کہتے ہیں تو اس میں کسی زمانہ کا تعین نہیں ہوتا اور اسی لئے یہ اسم ہے۔ لیکن جب آیا یا آتا ہے یا آئیگا کہتے ہیں تو وقت لازم ہو جاتا ہے اس لئے کہ اُن میں کام یا تو زمانِ گزشتہ میں ہو چکا ہوتا ہے یا وقت موجودہ میں ہو رہا ہوتا ہے یا زمانِ آیندہ میں ہونے والا ہوتا ہے۔ مثلاً تم کہو زید آیا۔ کوئی پوچھے کب؟ تو جواب ہوگا گزرے ہوئے زمانہ میں۔ آتا ہے کب؟ گزرتے ہوئے زمانہ میں۔ آئے گا کب؟ آنے والے زمانہ میں۔

حرف۔ تیسرا وہ جو اکیلا کچھ معنی نہیں دیتا۔ اس کو **حرف** کہتے ہیں۔ حرف الفاظ میں صرف ربط اور تعلق کے لئے آتا ہے۔ سے۔ میں۔ پر۔ تک۔ کو۔ سے (جو حروف ہیں)، تم کچھ نہیں سمجھ سکتے کہ کہنے والے کی اِس سے کیا مُراد ہے۔ لیکن جب کہا جائے کہ حامد صبح سے دوپہر تک اپنے گھر میں سبق یاد کرتا رہا تو تم سمجھ لوگے کہ حامد کا سبق یاد کرنا صبح سے شروع ہو کر دوپہر کو ختم ہوا اور اِس عرصہ میں وہ اپنے گھر رہا۔

---

[۱] شمول۔ [۲] لغتہً اسم کے معنی نام کے ہیں۔

مختصر اور سلیس لفظوں میں کلمے کی تینوں قسم کی تعریف یہ ہے۔ اَسم وہ کلمہ ہے جو اکیلا اپنے معنی دے اور اُس میں کوئی زمانہ نہ پایا جائے۔ فِعل وہ ہے جو اکیلا معنی دے اور اس میں کوئی زمانہ پایا جائے۔ حرف وہ ہے کہ جب تک اُس کے ساتھ اور لفظ نہ ملے اپنے معنی نہ ظاہر کرے۔

اسم کی اوّلی قسمیں

اسم کی پہلی دیعنی بناوٹ کے لحاظ سے، تین قسمیں ہیں۔ جامد۔ مشتق۔ مصدر۔

جامد۔ جس سے کوئی دوسرا لفظ نہ نکلے اور نہ وہ کسی سے نکلتا ہو۔ جیسے ہاتھی گھوڑا۔ چاقو قلم۔ ڈھال۔ تلوار۔

مشتق۔ جو کسی اور کلمہ سے نکلا ہو جیسے لکھنے والا (اسم فاعل)، لکھا ہوا (اسم مفعول)، وغیرہ لکھنے سے مشتق ہیں۔ مگر مت سمجھنا کہ تمام مشتقات اسم ہی ہوتے ہیں کیوں کہ افعال بھی مشتق ہوتے ہیں چونکہ مشتقات دونوں قسم کے ہوتے ہیں اسم بھی اور فعل بھی، اس لئے اسم کے اعتبار سے مشتق بھی اسم کی ایک قسم قرار دیا گیا ہے۔

مصدر۔ جس سے اور الفاظ نکلیں جیسے کھانا سے کھایا۔ کھاؤ۔ ہم کھائیں گے۔ وہ کھاتے ہیں۔ تم نہیں کھاتے وغیرہ۔

مصدر
اور اُس کے مشتقات کا بیان
اس میں فعل کی مفصّل بحث لکھی جائے گی

جو کلمہ کسی کام یا حرکت کا بیان ہو اور اُس میں زمانہ نہ پایا جائے یعنی اس کام یا حرکت کا کوئی وقت معیّن نہ ہو اُس کو مصدر کہتے ہیں۔

مصدر کی تعریف اِس طرح بھی کی جاتی ہو کہ مصدر وہ اسم ہے جس میں ہونا یا کرنا یا سہنا بلا تعلق زمانے کے سمجھا جاتا ہے مگر جتنے کام ہیں سب میں یا تو ہونا پایا جاتا ہے جیسے ہو جانا۔ اُٹھنا۔ بیٹھنا۔

آنا۔ جانا وغیرہ یا کرنا جیسے کھانا پینا۔ لکھنا۔ پڑھنا وغیرہ۔ یا سہنا جیسے پٹنا۔ لٹنا۔ مارا جانا وغیرہ
مصدر کی علامت یہ ہے اُس کے آخر میں ہمیشہ نا آتا ہے جیسے کہنا۔ سُننا۔ چلنا۔ پھرنا وغیرہ۔

مصدر کی جو تعریف اوپر کی گئی ہے اُس سے وہ الفاظ مصدر سے خارج ہو جاتے ہیں جن کے آخر میں نا تو ہے مگر وہ کسی کام یا حرکت کا بیان نہیں ہوتے۔ جیسے گھرانا۔ نانا۔ پرانا۔ چُونا۔ سُونا۔ (بواؤ معروف بمعنی ویران)۔ سونا (بواؤ مجہول بمعنی زر) تانا۔ بانا وغیرہ۔

مصدر کی ایک بڑی شناخت یہ بھی ہے کہ علامتِ مصدر (نا) کے ساقط کرنے سے امر کا صیغہ رہ جاتا ہے۔ جیسے کرنا سے کر۔ ہونا سے ہو۔ کھانا سے کھا۔ پینا سے پی۔ مگر گھرانا۔ پرانا وغیرہ اسمار مذکورہ سے نا گرا دیا جاوے تو دیکھو باقی کیا رہ جاتا ہے۔

اصل اشتقاق مصدر ہے یا امر۔ مصدر کا لفظ جو عربی ہے اور جس کے معنی ہیں جائے صدور اِس امر کی دلیل ہے کہ علمائے عرب مصدر کو اشتقاق کی اصل مانتے ہیں یعنی جائے صدورِ افعال۔ بعض ادبائے اردو کے کلام سے بھی تراوش ہوتا ہے کہ وہ مصدر ہی کو اصل اشتقاق خیال کرتے ہیں۔ مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں۔

دنیا نہ ہو تو دین کی رونق کہاں سے ہو — اعلائے شانِ قادرِ مطلق کہاں سے ہو
ایثار و بذل وجودِ محقق کہاں سے ہو — مصدر ہی جب نہیں ہے تو مشتق کہاں سے ہو

چوتھا مصرع بطور تمثیل واقع ہوا ہے اور اِس سے صاف ظاہر ہے کہ مولوی صاحب کے نزدیک مصدر ہی محلّ اشتقاق ہے۔ ہر چند اس شعر میں صراحت نہیں کہ وہ کس زبان میں مصدر کو اصل اشتقاق سمجھتے ہیں مگر چونکہ وہ اردو کے اہل زبان ہیں اور ہندوستانی ہی اُن کے مخاطب ہیں اس لئے کون کہہ سکتا ہے کہ انہوں نے ہم وطنوں کے خطاب میں زبانِ عرب کے مسئلہ کو بطور تمثیل کے بیان کیا ہے اہل فارس بھی مصدر ہی کو اصل اشتقاق مانتے ہیں۔ مگر حقیقت یہ ہے کہ امر بہ اعلیٰ ندا پکار رہا ہے کہ اصل اشتقاق میں ہوں۔ کیونکہ مجھ سے مضارع حال۔ استقبال۔ اسم فاعل اسم حالیہ متعدد صیغے مشتق ہوتے ہیں۔ کر امر ہے۔ کرے مضارع۔ کرتا ہے حال۔ کرے گا استقبال۔ کرنے والا اسم فاعل۔ کرتا ہوا اسم حالیہ

دیکھو سب کے شروع میں کر آتا ہے۔ مگر جس طرح امر سے یہ صیغے بن جاتے ہیں اسی طرح مصدر سے علامت مصدر کے حذف کرنے سے یہ صیغے نکل آتے ہیں۔ اس لئے ہم بھی اردو میں مصدر ہی کو اصل اشتقاق قرار دیتے ہیں۔

مصدر اصلی اور جعلی ۔ مصدر باعتبار وضع یعنی بناوٹ کے دو طرح کا ہوتا ہے ایک وہ جو خاص معنی مصدری کے لئے وضع کیا گیا ہو۔ جیسے لینا دینا۔ آنا۔ جانا۔ دوڑنا۔ بھاگنا وغیرہ۔ ایسا مصدر مصدر اصلی کہلاتا ہے۔ دوسرے وہ جو الفاظ عربی یا فارسی وغیرہ پر۔ (خواہ وہ مصدر ہوں یا اسم جامد یا حاصل مصدر) مصدر یا علامت مصدر زیادہ کر کے مصدر بنائیں۔ جیسے شروع کرنا۔ تشریف لانا۔ روشن کرنا۔ خوش ہونا۔ آزمائش کرنا۔ ایکٹ کرنا۔ لکچر دینا۔ قبولنا۔ بدلنا۔ بخشنا۔ محاورے میں کہتے ہیں وہ کسی طرح نہیں قبولتا۔ **شعر**۔

اس جنگِ زرگری سے خبردار ہم بھی ہیں	اس سیم تن سے تو نہ عبث اے رقیب بحث

ایسے مصدر مصدرِ جعلی کہلاتے ہیں۔

کبھی اردو یا فارسی لفظ میں کسی قدر تغیّر و تبدّل یا کوئی حرف زیادہ کر کے نشانِ مصدر آخر میں لگاتے ہیں جیسے ٹھوکر سے ٹھکرانا۔ اُجلاسے اُجلوانا۔ لالچ سے للچانا۔ ٹکّی سے ٹکیّانا۔ جوتی سے جتیانا۔ شرم سے شرمانا۔ گھن سے گھنانا۔ ساٹھ سے سٹھیانا[1]۔ کفن سے کفنانا۔ دفن سے دفنانا۔ پتّھر سے پتھرانا۔ چکّر سے چکرانا۔ **ذوق**

چاک آتا ہے نظر پیراہنِ صبحِ بہار	کس شہیدِ ناز کو دیکھا ہے کفناتے ہوئے

مقتول

وہ نہ آئیں گے یونہی ہو گی مری مٹی خراب	ہمدمو تم کیوں مرے لاشے کو دفناتے نہیں؟

ذوق

پتھرا دیا جلوہ نے ترے چشمِ صنم کو	چکرا دیا غمزے نے ترے طوفِ حرم کو

کبھی فارسی مصدر سے اردو مصدر بناتے اور اس سے فعل مشتق کرتے ہیں جیسے لرزیدن سے لرزنا۔

[1] جب آدمی بڈھا ہو جاتا ہے اور حواس بجا نہیں رہتے تو کہتے ہیں کہ سٹھیا گیا ہے۔

نواختن سے نوازنا۔ فرمودن سے فرمانا۔ بخشیدن سے بخشنا۔ آزمودن سے آزمانا۔ مرزا غالب۔

لرزتا ہے مرا دل زحمتِ مہرِ درخشاں پر   میں ہوں وہ قطرۂ شبنم کہ ہو خارِ بیاباں پر۔

مولوی حالیؔ اُمید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں شعر

نوازا بہت بے نواؤں کو تو نے		تو انگر بنا یا گداؤں کو تو نے	

کبھی اِس طرح سے مصدر بنایا جاتا ہے کہ فارسی کے دو جزوی مصدر کے جزو اوّل کو قائم رکھ کر جزو ثانی کا ترجمہ کر دیتے ہیں۔ جیسے برآمدن سے برآنا۔ فارسی۔

امید بستہ برآمد و لے چہ فائدہ زاں کہ		اُمید نیست کہ عمرِ گزشتہ باز آید	
	اُردو		
وہ بھی ہو گا کوئی اُمید برآئی جس کی		اپنے مطلب تو نہ اِس چرخِ کہن سے نکلے	

مصدرِ مُرکّب۔ مصدر جعلی جو مصدر سے عربی یا فارسی یا انگریزی یا اُردو مصدر یا اسم جامد یا حاصل مصدر ترکیب دے کر بنائے جاتے ہیں (جن کی مثالیں اوپر گزر چکی ہیں)، اُن کو مصدر مرکّب بھی کہتے ہیں۔ محاورے میں کبھی کبھی دو دو مصدر استعمال کئے جاتے ہیں خواہ اُن کے معنی باہم ملتے جلتے ہوں یا بالکل مختلف ہوں جیسے چلنا۔ پھرتا۔ دیکھنا۔ بھالنا۔ رونا۔ دھونا۔ وغیرہ ایسے مصادر میں دوسرا مصدر پہلے کا تابع کہلاتا ہے اور پہلا دوسرے کا متبوع۔ تابع و متبوع کا مفصّل حال ہم علم نحو میں لکھیں گے۔

مصدر کبھی دوسرے الفاظ کی ترکیب سے فعل حال کے معنی دیتا ہے جیسے۔ مومن خاں

دوست کرتے ہیں ملامت غیر کرتے ہیں گلہ		کیا قیامت ہے مجھی کو سب بُرا کہنے کو ہیں	

یعنی سب مجھی کو بُرا کہتے ہیں۔

کبھی مصدر سے صیغۂ مستقبل کے معنی لئے جاتے ہیں۔ شعر

ہم صفیرو ہو مبارک تم کو گلشن کی بہار		پھر نہ ہم آئیں گے اب کچھ اس طرح جانے کو ہیں	

یعنی اب ایسے جائیں گے کہ پھر نہیں آئیں گے۔ شعر

شکوہ حرفِ تلخ کا یا شورِ بختی کا گلہ　　ہم جو کچھ کہنے کو ہیں سو بے مزہ کہنے کو ہیں

مولوی نذیر احمد صاحب لوگوں کے بگڑے ہوئے مذاقوں کے موافق نظم لکھنے کا ارادہ ظاہر کرتے اور لکھتے ہیں ؎

نظم قومی کی تو اب ہوتی نہیں لوگوں میں قدر　　ہم بھی کوئی دن میں اک اندر سبھا کہنے کو ہیں
جب پڑھی جائیگی یاروں میں غزل تب دیکھنا　　جتنے منھ ہیں اُن میں کتنے واہ واہ کہنے کو ہیں

مقام نفی میں کہتے ہیں ۔" میں تو یہ کام نہیں کرنے کا " آتش

زندگانی سے دِل محزوں عبث ہوتا ہے تنگ　　دیکھنے کا پھر نہیں عمرِ رواں کو خواب میں

مصحفی

آنے دو اُسے جس کے لئے چاک کیا ہے　　ناصح سے گریباں کو سِلانے کے نہیں ہم

اس صورت میں مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر کا واحد مذکر کے لئے اور کے بیائے مجہول جمع مذکر کے لئے اور کی بیائے معروف واحد مؤنث کے لئے اور کیں بہ نونِ غنہ جمع مؤنث کے لئے بڑھاتے ہیں ۔

فائدہ ۔ کبھی مصدر بہ زیادت لفظ ہے بھی استقبال کے معنی دیتا ہے ۔ اُس وقت اُس کا فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے ۔ ناسخ ۔

اے اجل ایک دن آخر تجھے آنا ہے ولے　　آج آتی شبِ فرقت میں تو احساں ہوتا

اکثر لوگ جو زبان اردو سے اچھی طرح واقفیت نہیں رکھتے ۔ اِس طرح کے کلام میں غلطی کرتے ہیں اُردو کے اہلِ زبان کہتے ہیں "تم کو کیا کرنا ہے " " مجھے سبق یاد کرنا ہے " اہل پنجاب کہتے ہیں ۔ " تم نے کیا کرنا ہے " " میں نے سبق یاد کرنا ہے [۱] ۔

[۱] یہاں پر ایک بات یاد آئی سنہ ۱۸۹۲ء میں انجمن حمایت اسلام لاہور کے سالانہ اجلاس پر مولوی نذیر احمد صاحب دہلوی نے ایک صغیر السن لڑکے کو جلسے میں پڑھنے کے لئے ایک پانچ بند کا مسدس لکھ دیا جس کا پہلا بند یہ ہے ؎

ناظم کو دو نہ شاعرِ شیریں سخن کو دو　　بھوکے کے پیٹ کو نہ برہنہ کے تن کو دو
شہری کو اور نہ مردِ غریب الوطن کو دو　　نے طفل کو نہ پیر کو نے مرد و زن کو دو

بقیہ صفحہ ۲۹

کبھی مصدر ماضی ناتمام کے معنی دیتا ہے۔ جیسے مثنوی میر حسن میں ہے ؎

جہاں بیٹھنا پھر نہ اٹھنا اُسے	محبّت میں دن رات گھُٹنا اُسے
کہا گر کسی نے کہ بیوی چلو	تو اُٹھنا اُسے کہہ کے ہاں جی چلو
جو پوچھا کسی نے کہ کیا حال ہے	تو کہنا یہی ہے جو احوال ہے

یعنی جہاں بیٹھتی تھی پھر نہ اُٹھتی تھی اور دن رات محبّت میں پڑی گھُٹتی تھی۔ اگر کوئی کہتی تھی کہ بیوی چلئے تو یہ کہہ کے اُٹھتی تھی کہ ہاں جی چلو اور اگر کوئی حال پوچھتی تھی تو یہ کہتی تھی کہ جو حال ہے بس یہی ہے۔

تنبیہ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ جب مصدر ماضی ناتمام کے معنی دیتا ہی تو اُس صورت میں بھی فاعل مفعول کی صورت میں آتا ہے جیسا کہ ابیاتِ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

کبھی مصدر امر کا فائدہ دیتا ہی مگر اس کا حکم فوراً زمانہ حال پر نہیں پڑتا جیسے شعر۔

کچھ میری بے خودی سے تمہارا زیاں نہیں	تم جاننا کہ بزم میں ایک خستہ جاں نہ تھا

کبھی مصدر کے اوّل مت یا نہ لگا کر نہی کا کام لیتے ہیں۔ جیسے خبردار پھر ایسا مت کرنا۔ ناسخ۔

کوئی پروانہ جلے گا تو جلوں گا غم سے میں	دوستو ہرگز نہ رکھنا تم سر مدفن چراغ

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۴۸) کہتا ہی کون تم سے کہ تم مادّ من کو دو ؏ جو کچھ کہ تم کو دینا ہی اِس انجمن کو دو
لڑکے نے تو اسی طرح پڑھا ہوگا جس طرح اُس کو لکھ دیا ہوگا مگر یا تو انجمن کے ممبروں نے یا کاتب رسالۂ انجمن نے ٹیپ کے شعر میں "تم کو" کو شاید غلط سمجھ کر بجائے اُس کے "نے" کر دیا۔ چنانچہ رسالہ انجمن میں اسی طرح چھپا ہوا موجود ہی۔ ۱۸۹۵ء میں جب مولوی صاحب انجمن کے سالانہ اجلاس پر تشریف لائے تو راقم کو بھی لاہور جانے اور مولوی صاحب سے ملنے کا اتفاق ہوا۔ اتفاقاً مولوی صاحب نے مسدّس مذکور اور اس کے سبب تصنیف کا ذکر کیا اور اس کا دوسرا بند بھی پڑھا ؎

اِس انجمن میں بیسیوں بچے یتیم ہیں ۔۔۔ دل جن کے دردِ بے پدری سے دونیم ہیں
بے کس شکستہ حال ہیں زار و سقیم ہیں ۔۔۔ سیلی خورِ طمانچۂ امید و بیم ہیں

چوتھے مصرع کو دو تین دفعہ دوہرا کر پڑھا جب ٹیپ کا شعر پڑھا ؎

کہتا ہے کون تم سے کہ تم مادّ من کو دو ؏ جو کچھ کہ تم کو دینا ہی اِس انجمن کو دو

تو میں نے کہا جناب اِس شعر میں کسی نے اصلاح بھی دی ہی "جو کچھ کہ تم نے دینا ہے اِس انجمن کو دو" یہ اصلاح سنکر مولوی صاحب بے ساختہ ہنس پڑے۔

فائدہ۔ جب مصدر امر یا نہی کے معنی دیتا ہے تو فاعل کے ساتھ نے علامتِ فاعل نہیں آتی۔ مت کہنا تم نے کرنا۔ یا تم نے مت کرنا۔ کہ اس طرح بولنا خلاف محاورۂ اہلِ زبان ہے۔

جب مصدر کے ساتھ ایسا مؤنث لفظ واقع ہو جو اُس کا اور اُس کے مشتقات کا مفعول ہو سکے تو علامتِ مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے روٹی کھانی کتاب پڑھنی کوشش کرنی۔ بعض اوقات اس کو نہیں بھی بدلتے اور روٹی کھانا۔ اور کتاب پڑھنا اور کوشش کرنا وغیرہ بولتے ہیں۔ اور اہلِ لکھنؤ تو اس میں مطلق تصرف نہیں کرتے۔

قابلیت کے معنوں میں بھی علامتِ مصدر کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے جیسے ہونی[1]۔ اَن ہونی رُباعی۔

دنیا ہم نے سرائے فانی دیکھی	ہر چیز یہاں کی آنی جانی دیکھی
جو آکے نہ جائے وہ بڑھاپا دیکھا	جو جاکے نہ آئے وہ جوانی دیکھی

کبھی نا۔ (علامتِ مصدر) حذف کر دیتے ہیں جیسے شعر۔

ایک ہم ہیں کہ لیا اپنی بھی صورت کو بگاڑ	ایک وہ ہیں جنھیں تصویر بنا آتی ہے

مرزا غالب

ہے کچھ ایسی ہی بات جو چُپ ہوں	ورنہ کیا بات کر نہیں آتی[2]

معنوں کی رو سے مصدر کی دو قسمیں ہیں

لازم اور مُتعدّی۔ جس فعل کے وقوع میں آنے کے لئے کرنے والے کے سوا دوسرے شخص یا چیز کا ہونا ضروری نہ ہو اُس کو فعل لازم کہتے ہیں۔ اور جس مصدر سے ایسا فعل مشتق ہو اُس کو مصدر لازم

[1] مولوی حیدر علی صاحب لکھتے ہیں کہ یائے قابلیت فارسی میں البتہ ہوتی ہے جیسے کشتنی و دیدنی و ناگفتنی وغیرہ اُردو میں ہرگز نہیں ہے۔ یہ جو کہتے ہیں مجھے بات کرنی ہے یا شکوے کرنے ہیں۔ یہ علامتِ تانیث و جمع کی ہے جیسے اکثر فصحا ترک بھی کرتے ہیں اور یوں بولتے ہیں کہ مجھے بات کرنا ہے یا شکوے کرنا ہیں کہتے ہیں۔ یہ بات شدنی سمجھتا ہوں۔ اس میں شدنی کے مقام پر ہونی پڑھئے تو خلاف محاورہ ہو گا یا کوئی کہے کہ بار عمر جانی ہے رفتنی کے معنی پر تو غلط ہو گا۔

[2] اصل میں یوں ہی لکھا ہے مگر مولوی صاحب کا مقصود یہاں کرنا معلوم ہوتا ہے۔

جیسے اٹھنا بیٹھنا۔ اچھلنا کودنا۔ سونا، جاگنا یہ سب کام تنہا ایک شخص کے کرنے سے پورے ہوسکتے ہیں اور جس کام کے پورا کرنے کو دوسرے شخص یا چیز کی بھی حاجت ہو اُس کو فعل متعدی کہتے ہیں اور جس مصدر سے فعل متعدی نکلے اُس کو مصدر متعدی جیسے پڑھنا لکھنا مارنا دینا، پالنا یہ سب کام ایسے ہیں کہ جب تک پڑھنے والے، لکھنے والے، مارنے والے، پالنے والے کے سوا ایک اور چیز یا شخص نہ ہو وقوع میں نہیں آسکتے یعنی پڑھنے کے لئے ضرور ہے کہ ایک پڑھنے والا ہو۔ اور ایک وہ چیز ہو جو پڑھی جائے۔ لکھنے کے لئے بھی لکھنے والے کے سوا ایک ایسی چیز کا ہونا ضروری ہے جو لکھی جائے۔ مارنے کے لئے ایک تو مارنے والا چاہئے ایک مار کھانے والا۔ کیونکہ جب تک مار کھانے والا نہ ہوگا مارنا وقوع میں نہیں آسکتا۔ اِسی طرح دینے کے لئے دینے والے کے سوا ایک ایسی چیز کا ہونا ضرور ہے جو دی جائے اور ایک ایسے شخص کا ہونا بھی ضرور ہے جس کو چیز دی جائے کیونکہ اگر چیز اور شخص دونوں نہ ہوں تو دینے والا دے گا کیا اور دے گا کس کو؟

فاعل اور مفعول ۔ جو شخص کام کو پورا کرتا ہے اُس کو فاعل کہتے ہیں اور کام کے پورا کرنے کے لئے فاعل کے سوا جس دوسرے شخص یا چیز کا ہونا ضرور ہوتا ہے وہ مفعول کہلاتا ہے جیسے زید کتاب پڑھتا ہے۔ اس جملہ میں پڑھنے والا (یعنی پڑھنے کے فعل کو پورا کرنے والا زید ہے) تو زید کو فاعل کہیں گے اور جو چیز پڑھی جاتی ہے یعنی کتاب وہ مفعول ہے۔

لازم اور متعدی کی مختصر طور پر اس طرح بھی تعریف کی جاتی ہے کہ جو فعل صرف فاعل کو چاہے وہ لازم ہے اور جو فاعل اور مفعول دونوں کو چاہے وہ متعدی ہے

فعل متعدی کی ایک یہ بھی شناخت ہے کہ کلام میں ماضی مطلق کے فاعل کے بعد "نے" آتا ہے جیسے زید نے عُمرو[1] کو مارا۔ خالد نے بکر کو سبق پڑھایا۔ مگر لانا، لے جانا، بولنا مستثنیٰ ہیں اور پکارنا اور سیکھنا اور پڑھنا ایسے فعل ہیں کہ اُن کے فاعل کے ساتھ "نے" آتا بھی ہے اور نہیں بھی آتا جیسے شعر

تم نے یہ جانا گئے ہم تم کو بھول		ہم نے یہ سمجھا کہ تم سمجھے غلط	

[1] عمرو اور عمر میں امتیاز کتابت کے لئے عمرو میں واؤ زیادہ کر دیتے ہیں۔

اِس شعر میں سمجھا اور سمجھے سے ساتھنے کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کی مثالیں ہیں مصرع کہ راعی نے للکار کر غضب پکارا۔
توبۃ النصوح میں ہے "یہ کہکر صالحہ اندر مکان میں گھستے ہی پکاری۔ کیوں بی میری آپا کہاں ہیں" غالب

سیکھے ہیں مہ رُخوں کے لئے ہم مصوّری	تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہیے

مولوی نذیر احمدؒ

واں مدرسوں کے واسطے چندوں کی ریل پیل	یاں یہ سبق کوئی متنفّس پڑھا نہیں

فعلِ لازم کے فاعل کے ساتھ نے کبھی نہیں آتا جیسے حامد چلا۔ محمود گیا۔ احمد دوڑا۔ بعض مصدر لازم بھی ہوتے ہیں اور متعدّی بھی جیسے شرمانا۔ حالی۔

زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر	مَلَک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ذکر بچپن کا جو فرماتے ہیں آپ	اپنے احسانوں سے شرماتے ہیں آپ

بعض مصدر ایسے ہیں کہ ہیں تو لازم، مگر بعض اوقات اُن کا مفعول بھی آجاتا ہے۔ جیسے آنا۔
ذوق کہتے ہیں شعر

ہم روتے پہ آجائیں تو دریا ہی بہا ئیں	شبنم کی طرح سے ہمیں رونا نہیں آتا

اس شعر میں نہیں آتا فعلِ منفی۔ رونا فاعل۔ ہمیں مفعول ہے شعر

کیا ہنسی آتی ہے مجھ کو حضرتِ انسان پر	کارِ بد تو خود کریں لعنت کریں شیطان پر

یہاں مجھکو آتی ہے کا مفعول ہے۔

فعل متعدّی کے لئے جس طرح ایک مفعول کا ہونا ضرور ہے اِسی طرح کبھی دو مفعول کا ہونا بھی ضرور ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھِلایا۔

مصدر متعدّی کی قِسمیں

اُردو میں مصدر متعدّی تین طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو اصل میں متعدّی ہی وضع کیا گیا ہو

جیسے کھانا، پینا، لکھنا، پڑھنا۔ ایسے مصدر کو متعدی بنفسہٖ کہتے ہیں۔ دوسرے جو لازم سے متعدی بنا لیا ہو۔ جیسے جلنا سے جلانا۔ ڈرنا سے ڈرانا۔ رونا سے رُلانا۔ ایسے مصادر کا نام متعدّی بلاواسطہ ہے۔ تیسرے جو متعدّی سے متعدّی بنا لیا ہو اور اُس کی دو قسمیں ہیں ایک یہ کہ متعدّی ایک مفعول کو چاہتا تھا متعدّی المتعدّی بنانے سے دوسرے مفعول کو چاہنے لگا جیسے کھانا سے کھِلانا۔ پینا سے پلانا۔ اِس قسم کے مصدر میں وقوعِ فعل کے لئے کسی دوسرے شخص کا ذریعہ درمیان میں نہیں ہوتا۔ دوسرے یہ کہ متعدّی ایک مفعول کو چاہتا ہو یا دو کو متعدّی المتعدّی بننے کی حالت میں وقوعِ فعل کے لئے کسی اور شخص کا ذریعہ درمیان میں واقع ہو جیسے کرنا سے کرانا کروانا۔ لکھنا سے لکھانا۔ لکھوانا۔ اُٹھانا سے اُٹھوانا۔ دینا سے دلوانا۔ سینا سے سِلانا سِلوانا۔ اِن ہر دو اقسام مصدر میں سے ہم مصدر قسم اوّل کو متعدّی المتعدّی کہتے ہیں اور مصدر قسم ثانی کو متعدّی بالواسطہ

متعدّی بنانے کے طریقے

مصدر لازم سے متعدّی بنانے کا کوئی قاعدہ کُلیّہ نہیں۔ کبھی تو علامت مصدر کے پہلے الف زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے بڑھنا۔ بڑھانا۔ چلنا۔ چلانا۔ ہنسنا۔ ہنسانا۔ بسنا۔ بسانا۔ ہلنا۔ ہلانا۔ بننا۔ بنانا۔ تڑپنا۔ تڑپانا۔ چمکنا۔ چمکانا۔ اُڑنا۔ اُڑانا۔ ڈرنا۔ ڈرانا۔ لٹکنا۔ لٹکانا۔ کبھی دوسرے حرف کے بعد الف زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے اُچھلنا۔ اُچھالنا۔ اُکھڑنا۔ اکھاڑنا۔ کبھی حرف اوّل کی حرکت کے موافق حرفِ علت زیادہ کیا جاتا ہے۔ یعنی پہلے حرف پر اگر پیش ہو تو واوٗ زیادہ کرتے ہیں۔ یہ واوٗ بعض مصادر میں مجہول ہوتا ہے بعض میں معروف جیسے رُکنا۔ روکنا۔ کھُلنا۔ کھولنا۔ پُجنا۔ پوجنا۔ لُٹنا۔ لوٹنا۔ اور اگر پہلا حرف مکسور ہو تو یے زیادہ کرتے ہیں۔ یہ یے بعض مصادر میں مجہول ہوتی ہے۔ اور بعض میں معروف جیسے پھرنا۔ پھیرنا۔ پسنا۔ پیسنا۔ اور اگر پہلا حرف مفتوح ہو تو الف زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے مرنا۔ مارنا۔ ٹلنا۔ ٹالنا۔ پلنا۔ پالنا۔ بندھنا۔ باندھنا۔ کٹنا۔ کاٹنا۔ پھٹنا کے متعدّی میں ٹ کو ڑ سے بھی بدلتے ہیں اور پھاڑنا کہتے ہیں۔ کبھی ایک مصدر کو دو طرح متعدّی بناتے ہیں۔ جیسے دبنا۔ دابنا۔ دبانا۔ کبھی مصدر مشترک المعنی کو اختلاف معنی کے سبب مختلف طور پر متعدّی بناتے ہیں۔ جیسے گھُلنا سے گھولنا

دملانا) گھُلانا۔ دتحلیل کرنا مصرع۔ گھول کر شہد میں دشمن مجھے سم دیتے ہیں۔ حالیؔ

کھپاتے ہیں کوشش میں تابِ تواں کو   گھُلاتے ہیں محنت میں جسم اور جاں کو

کبھی دوسرے حرف کے بعد یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے پلٹنا۔ پلیٹنا۔ سِمٹنا۔ سمیٹنا۔ اُدھڑنا۔ اُدھیڑنا۔ بِکھرنا۔ بکھیرنا۔ کبھی یائے معروف جیسے گھسٹنا۔ گھسیٹنا۔

کبھی دوسرے حرف کو واوٗ مجہول سے بدل دیتے ہیں جیسے دھُلنا۔ دھونا۔

کبھی علامت مصدر سے پہلے واوٗ مجہول زیادہ کرتے ہیں جیسے۔ چھُنا۔ چھونا۔

بعض مصدر ایسے ہیں کہ لازم کچھ ہیں۔ متعدی کچھ جیسے رہنا۔ رکھنا۔ پڑنا۔ ڈالنا۔ ٹوٹنا۔ توڑنا

بعض مصادر لازم سے متعدّی اور متعدّی سے متعدی المتعدی ایک ہی طرح بنائے جاتے ہیں

یعنی اگر مصدر چار حرفی ہو اور دوسرا حرف حرفِ علت[1] ہو۔ تو حرفِ علّت کو ساقط کرکے اُس کی جگہ لام اور الف دیعنی لَا) زیادہ کردیتے ہیں۔ جیسے رونا۔ رُلانا۔ سونا۔ سُلانا۔ کھانا۔ کھلانا۔ پینا۔ پلانا۔ اور اگر پانچ حرفی ہو اور دوسرا حرف حرفِ علت ہو تو اُس کو گرا کر علامت مصدر سے پہلے الف زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے تیرنا۔ ترانا[2]۔ جاگنا۔ جگانا۔ بھاگنا۔ بھگانا۔ کودنا۔ کُدانا۔ ہارنا۔ ہرانا۔ چاٹنا۔ چٹانا۔

بعض مصادر میں سے حرفِ علت کو ساقط کرکے علامتِ مصدر سے پہلے الف یا لام الف دیعنی لا) بڑھاتے ہیں۔ جیسے دیکھنا۔ دِکھانا۔ دِکھلانا۔ بیٹھنا۔ بٹھانا۔ بٹھلانا۔ سیکھنا۔ سِکھانا۔ سِکھلانا۔ مگر دوسری طرح کے مصدر بیشتر نظم میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی مصدر لازم کے پہلے لفظ لے زیادہ کرکے متعدّی بناتے ہیں۔ جیسے بھاگنا۔ لے بھاگنا۔ چلنا۔ لے چلنا۔ جانا۔ لے جانا۔ اُڑنا۔ لے اُڑنا۔ ڈوبنا۔ لے ڈوبنا۔ کوئی کہتا ہے۔ ع

ہم تو ڈوبے ہیں وِلے تم کو بھی لے ڈوبیں گے

اب مصدر بالواسطہ کے بنانے کا طریق سُنو:۔

اُردو میں مصدر بالواسطہ کی دو صورتیں ہیں اِس لئے اُس کے بنانے کے طریق بھی دو ہیں:۔

---

[1] یہاں حرفِ علت سے وہ حرفِ علت مراد ہے جو علامتِ مصدر کے الف کے علاوہ ہو۔

[2] ترانے میں تائے مثناۃ فوقانیہ کو مکسور کرکے تِرانا بولتے ہیں۔

ایک یہ کہ علامتِ مصدر سے پہلے صرف الف زیادہ کیا جاتا ہی۔ جیسے کرنا۔ کرانا۔ دوسرے یہ کہ علامتِ مذکور سی پہلے واؤ اور الف (یعنی لفظِ وا) زیادہ کیا جاتا ہی اور مصدر کا دوسرا حرف حرفِ علّت ہو تو گر جاتا ہی۔ جیسے بھیجنا۔ بھجوانا۔ کھولنا۔ کھلوانا۔ ڈالنا۔ ڈلوانا۔ چھاپنا۔ چھپوانا۔ روکنا۔ رکوانا۔ پینا۔ پِسوانا۔ ہانکنا۔ ہنکوانا۔ پیٹنا۔ پِٹوانا۔ اُٹھانا۔ اُٹھوانا۔ بچھانا۔ بچھوانا۔ مگر بیچنا کا متعدّی بالواسطہ بِچوانا نہیں آتا بِکوانا آتا ہی۔ یعنی چ ک سے بدل جاتی ہی۔ یہاں پر یہ بات یاد رکھنے کے لائق ہی کہ عموماً مصدر بالواسطہ کے لئے علامتِ مصدر سے پہلے لفظِ وا ہی زیادہ کرتے ہیں صرف زیادتِ الف ہی کا کام نہیں دیتی جیسے بھیجنا۔ ڈالنا۔ روکنا۔ پیٹنا وغیرہ سے بھجانا۔ ڈلانا۔ رُکانا۔ پِٹانا نہیں آتا۔ بھجوانا۔ ڈلوانا۔ رُکوانا۔ پِٹوانا آتا ہی۔ اور اگر مصدر میں تیسرا حرف حرفِ علّت ہو تو وہ ساقط ہو جاتا ہے۔ جیسے کمانا۔ کموانا۔ نچوڑنا۔ نچڑوانا اور چوتھا حرف حرفِ علّت ہو تو اسکو بھی حذف کر دیتے ہیں۔ جیسے پہچاننا۔ پہچنوانا۔ چو آنا میں علامتِ مصدر سے پہلے کا وا اصلی ہی تعدیے کا نہیں۔ حالی۔

ہو رہے تھے دودمانِ علم و دولت جاں بلب ؎ تو نے اِک اِک کے چوایا حلق میں آبِ بقا

یہ بھی معلوم رہے کہ ہر مصدر لازم سے متعدّی اور ہر متعدّی سے متعدّی المتعدّی یا متعدّی بالواسطہ نہیں آتا۔ جیسے آنا[1] جانا۔ لیجانا۔ گھبرانا۔ لڑکھڑانا۔ بلبلانا۔ تلملانا۔ پانا۔ لینا وغیرہ یہ مصادر جیسے ہیں ہمیشہ ایسے ہی رہتے ہیں۔

اجزا کی کمی بیشی یعنی لفظ اور خواص کی رو سے مصدر کی قسمیں مجرّد اور مزید فیہ

اُردو میں مصدر اجزائے الفاظ کی کمی بیشی اور خواص کی رو سے دو قسم کا ہوتا ہی ایک وہ کہ اگر اِس میں سے کوئی حرف کم کر دیا جائے تو مصدر کی صورت بدل جائے یعنی مصدر۔ مصدر

---

[1] بعض زبانوں میں آنا کا متعدی لانا آتا ہے مثلاً عربی میں جاءَ کے معنی ہیں آیا۔ جاء بِہٖ کے معنی ہیں اُس کو لایا صرف حرفِ بِ نے فعل لازم متعدی کر دیا۔

نہ رہے۔ جیسے آنا جانا۔ لکھنا پڑھنا۔ اُٹھنا بیٹھنا وغیرہ اِس قسم کے مصدر کا نام ہم مجرّد رکھتے ہیں۔
دوسرے وہ کہ مصدر مجرّد پر کچھ حروف زیادہ کر کے بنایا گیا ہو جیسے ہونا سے ہو چکنا۔ ہو لینا۔
ہو جانا۔ ہوتا رہنا۔ ہوا کرنا۔ ایسے مصدر کو ہم مزید فیہ کہتے ہیں۔ اسی طرح اور مصادر و افعال
کی بھی طرح طرح کی صورتیں ہیں اور پہلی اور دوسری اقسام کے مقاماتِ استعمال بھی جُدا جُدا
ہیں۔ مثلاً ہو چکا اور ہو لیا۔ یہ افعال اور جگہ استعمال ہوتے ہیں۔ ہوا اور جگہ مستعمل ہوتا ہے۔
ہوا کو ہو چکا اور ہو لیا کی جگہ استعمال کرنا کلام کو غلط اور خوبی کلام کو غارت کر دینا ہے۔
شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں **شعر**

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا ؎ تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

اِس شعر میں اگر ہو ہی چکا تھا کی جگہ ہوا تھا کہیں تو شعر میں جان نہیں رہتی۔
اُردو میں قسمِ دوم کے مصادر اور افعال کی نہایت خوشنما اور لطیف ترکیبیں ہیں جن سے
کلام میں شگفتگی اور برجستگی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی صورتوں کے افعال میں علاوہ اس کے کہ ان سے
کلام میں زور اور لطافت و خوش نمائی پیدا ہو۔ جُداگانہ خواص بھی ہوتے ہیں مثلاً آیا میں د جو
مصدر قسمِ اوّل کی ماضی ہے، مطلق آنا یعنی کلام کا وقوع پایا جاتا ہے۔ آنے لگا میں د جو مصدر قسم
دُوم کی ماضی ہے، کام کا آغاز۔ آ چکا میں کام کا اختتام۔ آیا کیا میں عادت و دوام۔ آ تا رہا میں
استمرار۔ آنے دیا میں اجازت و اختیار۔ اشعار ذیل میں افعال مزید فیہ دیکھو۔

ضبط گریہ نے تماشا طرفہ تر دکھلا دیا ؎ چشم کے کوزے میں دریا بند کر دکھلا دیا

عزیز احباب ساتھی دم کے ہیں پھر چھوٹ جاتے ہیں ؎ جہاں یہ تار ٹوٹا سارے رشتے ٹوٹ جاتے ہیں

دیکھ لے حالِ شمع و پروانہ ؎ گھر جہنم ہے زن مریدوں کو

پھینک دو کاٹ کے جڑ نخلِ تمنا کی امیر — پھول کم بخت میں آئے نہ کبھی پھل آئے

※

روزِ روشن تیرہ بختی سے نہ دیکھا عمر بھر — شب کی شب گویا میں اس محفل میں مہماں رہ گیا

※

ہم نے ہر ادنٰے کو اعلٰے کر دیا — خاکساری اپنی کام آئی بہت

※

فکرِ فردا کی گلے پڑ گئی عادت کیسی — جان کو ہم نے لگا لی ہے یہ علت کیسی

※

ہزل ہو یا جد نصیحت لیجئے ہر بات سے — کہ گئے ہیں اہلِ دل دَعْ مَاکَدَرْ خُذْ مَاصَفَا

※

جس کم سخن سے کیجئے تقریر بول اُٹھے — ہے ہم میں وہ کمال کہ تصویر بول اُٹھے

※

میرے نالوں سے نہیں خوشتر نوائے عندلیب — بندھ رہی ہے پر گلستاں میں ہوائے عندلیب

※

جس بات کی چاہو قسم اک مرتبہ لے لو — ہر بار تو قرآن اُٹھایا نہیں جاتا

※

اتنا ہوں تری تیغ کا شرمندۂ احساں — سر میرا ترے سر کی قسم اُٹھ نہیں سکتا

※

دونوں جہان دے کے وہ سمجھے یہ خوش رہا — یاں آ پڑی یہ شرم کہ تکرار کیا کریں

مسدس حالی

رہِ راست پر ہیں وہ کچھ آتے جاتے — تعلی سے اپنی ہیں شرماتے جاتے

تفاخر سے ہیں اپنے بچھاتے جاتے
سُراغ اپنا کچھ کچھ ہیں وہ پاتے جاتے

بزرگی کے دعووں سے پھرنے لگے ہیں
وہ خود اپنی نظروں سے گرنے لگے ہیں

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اَڑ بیٹھتے تھے
سُلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے
جو دو شخص آپس میں لڑ بیٹھتے تھے
تو صَدہا قبیلے بگڑ بیٹھتے تھے

بلند ایک ہوتا تھا گر واں شرارا
تو اُس سے بھڑک اٹھتا تھا ملک سارا

پتا اصل مقصود کا پا گیا جب
نشاں گنج و دولت کا ہاتھ آگیا جب
محبّت سے دل اُن کا گرما گیا جب
سماں اُن پہ توحید کا چھا گیا جب

سکھائے معیشت کے آداب اُن کو
پڑھائے تمدّن کے سب باب اُن کو

جو گرتے ہیں گر کر سنبھل جاتے ہیں وہ
پڑے زد تو بچ کر نکل جاتے ہیں وہ
ہر اک سانچے میں جاکے ڈھل جاتے ہیں وہ
جہاں رنگ بدلا بدل جاتے ہیں وہ

ہر اک وقت کا مقتضا جانتے ہیں
زمانہ کے تیور وہ پہچانتے ہیں

مصادر مزید فیہ اور اُن کے افعال کا عجب حال ہے۔ بعض مصادر ایسے دو مجرد مصدروں سے بنتے ہیں جن میں پہلا لازم ہوتا ہے دوسرا متعدی۔ جیسے سُونے دینا۔ اُٹھنے دینا۔ بیٹھنے دینا وغیرہ اِن میں سونا اور اُٹھنا اور بیٹھنا لازم ہیں اور دینا متعدّی۔ آتش ؎

رات بھر کیں دلِ بے تاب نے باتیں مجھ سے
رنج و محنت کے گرفتار نے سونے نہ دیا

بعض افعال ایسے دو اجزا سے بنتے ہیں جن میں پہلا جزو متعدّی ہوتا ہے۔ دوسرا لازم

جیسے کرنا پڑا۔ لینا پڑا۔ دینا پڑا وغیرہ۔ اِن میں کرنا اور لینا اور دینا متعدی ہیں اور پڑا لازم **شعر**

رہا دوستی پر نہ تکیہ کسی کا   بس اب دل سے شکووں کو دھونا پڑیگا

کبھی دونوں اجزا لازم ہوتے ہیں۔ جیسے مرگیا۔ جل اُٹھا اور کبھی دونوں متعدی جیسے کرنے دیا۔

بعض افعال میں دو متضاد اجزا جمع ہو جاتے ہیں جیسے اُٹھ بیٹھ۔ آجا۔

بعض میں ایک ہی فعل کی تکرار ہوتی ہے جیسے لے لے۔ دے دے۔

نظم میں بعض اوقات افعال مزید فیہ کا ایک جزو کہیں جا پڑتا ہے۔ دوسرا کہیں جیسے **حالیؔ**

سپر بھی دی تو نے تیغ بھی دی مگر دیئے ہاتھ باندھ سب کے   جنھیں تھا یاں اختیار سب کچھ اُنھیں بھی بے اختیار دیکھا

ناسخ

قیس پیغام ہی کہتا ہوا اللہ رے شوق   ساتھ قاصد کے گیا تھا کئی منزل دوڑا

بعض افعال مزید فیہ ایسے ہیں کہ اِن کے مصادر مستعمل نہیں اور اُن کے صیغے بھی معدودے چند ہیں۔ جیسے کرنا پڑا۔ کرنا پڑتا ہے۔ کرنا پڑے گا۔ اِن افعال کا مصدر (کرنا پڑنا) نہیں آتا نہ اُن سے امر و نہی کے صیغے آتے ہیں اور نہ اسم فاعل و اسم مفعول وغیرہ مشتق ہوتے ہیں۔

بعض مصدر ایسے ہیں کہ اُن سے ہر قسم کے فعل نہیں آتے مثلاً آچکنا آچکا اور آچکے اور آچک تو آتا ہے۔ لیکن مت آچک نہیں آتا۔

معلوم رہے کہ مصدر کے بیان سابق میں جو علامات اور قاعدے بیان کئے گئے ہیں وہ مصدر قسم اوّل سے متعلق ہیں۔ مصدر قسم ثانی کا حال دوسرا ہے اِس لئے ضرور نہیں کہ وہ علامت دقواعد اِس مصدر پر منطبق ہوں۔ مثلاً مصدر لازم کی ایک یہ شناخت لکھی ہے کہ اُس کی ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا جیسے وہ رویا۔ لیکن رو دینا جو مصدر مزید فیہ ہے اُس کی ماضی کے فاعل کے ساتھ نے آتا ہے۔ جیسے **شعر**

شبنم[۱] نے رو دیا کہ میں اشک چکیدہ ہوں   گل ہنس پڑا کہ میں بھی گریباں دریدہ ہوں

[۱] نے کبھی نہیں بھی آتا جیسے بحر سہ

آجکل جس نے ذرا چھیڑا مجھے میں رو دیا   غم کے ہاتھوں دل ہتھیلی کا پھپھولا ہو گیا

یا مثلاً مصدر متعدی کی ایک یہ علامت لکھی ہو کہ اس کی ماضی مطلق کے فاعل کے ساتھ ہمیشہ "نے" آتا ہو لیکن مزید فیہ میں یہ ضرور نہیں کہ سب جگہ یہ علامت پائی جائے جیسے کرنا کی ماضی کیا میں فاعل کے بعد "نے" ضرور آئے گا اور دوسری قسم میں کرلیا کے بعد بھی۔ مگر کر بیٹھا اور کر چکا اور کر چکا کے فاعل کے ساتھ کبھی نہیں آتا۔

اب مشتقات مصدر کا حال سنو۔

مشتقات

یاد رکھو کہ مشتقات جو بہت سے ہیں اور حروف و حرکات و سکنات کے تغیر و تبدل کی وجہ سے سب کی صورتیں جدا گانہ ہیں صیغے کہلاتے ہیں اور اشتقاق صیغ[1] کو تصریف باگردان کہتے ہیں۔

صیغہ لغت میں ڈھلی ہوئی چیز کو کہتے ہیں اور اصطلاح صرف میں حروف اور حرکات سکنات کی تعداد اور ترتیب کے لحاظ سے لفظ کی جو صورت ہو اُس کا نام صیغہ ہے۔

فعل کا بیان

فعل کی تعریف تم پہلے سُن چکے ہو کہ جس کلمے میں منجملہ ازمنۂ ثلثہ کے ایک زمانہ پایا جائے وہ فعل ہی۔ فعل میں زمانہ کے ساتھ کام کا وقوع بھی پایا جاتا ہے۔ صبح، شام، رات، دن، کل، پرسوں میں بھی زمانہ پایا جاتا ہے مگر یہ فعل نہیں ہیں کیونکہ ان میں کام کا صدور نہیں پایا جاتا وہ آتا ہی میں جاتا ہوں، تم لاؤ گے، یہ فعل ہیں اس لئے کہ ان میں کام کا وقوع بھی ہو اور زمانہ بھی ہی۔ مگر یہ مت سمجھنا کہ ہر فعل میں کام کا ثبوت یعنی ہونا پایا جانا ضرور ہی۔ بلکہ کام کا عدم ثبوت یعنی نہ ہونا پایا جائے تو وہ بھی فعل ہی۔ جیسے میں نے سبق پڑھا۔ اس سے سبق کا پڑھنا یعنی ایک کام کا ہونا پایا جاتا ہے۔ اُس نے سبق نہیں پڑھا۔ اس سے نہ پڑھنا یعنی ایک کام کا نہ ہونا مفہوم ہوتا ہے تو پڑھا اور نہیں پڑھا دونوں ہی فعل ہیں۔

[1] صیغ صیغے کی جمع ہے۔ ۱۲

فعل کی قسمیں

فعل کی چھ قسمیں ہیں۔ ماضی[1]۔ مضارع[2]۔ حال[3]۔ مستقبل[4]۔ امر[5]۔ نہی[6]

ماضی کی تعریف اور اُس کی قسمیں

(۱) **ماضی مطلق** ماضی جس سے گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے چونکہ کائنات کی پیدائش سے اسوقت تک تمام زمانہ گزرا ہوا ہے اور اس میں قرب و بُعد پایا جاتا ہے یعنی تھوڑی دیر کا گزرا ہوا ہے۔ یا بہت مدت کا اس لیئے اگر ماضی میں زمانہ کے قرب و بُعد کا لحاظ نہ ہو اور مطلق گزرنا سمجھا جائے تو اس کو ماضی کہتے ہیں۔ جیسے آیا۔ گیا۔ **شعر**

کسی کو ہم نے یاں اپنا نہ پایا	جسے پایا اُسے بیگانہ پایا

(۲) **ماضی قریب**۔ اور اگر پاس کا گزرا ہوا زمانہ مفہوم ہو تو ماضی قریب۔ جیسے زید آیا ہے۔ **شعر**

پھونکا ہے فصل گل نے صُور آکے پھر چمن میں	اِک حشر سا ہے برپا مرغانِ نغمہ زن میں

(۳) **ماضی بعید**۔ اور اگر مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے تو ماضی بعید جیسے آیا تھا۔ **غالب**

ہائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا	لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

اِن تین قسموں کے علاوہ ماضی کی تین قسمیں اور ہیں۔

(۴) **ماضی استمراری یا ماضی ناتمام** ایک ماضی استمراری (جس کو ماضی ناتمام بھی کہتے ہیں) اس سے زمانۂ گزشتہ میں فعل کی تکرار یا عدم انقطاع یعنی پورا نہ ہونا پایا جاتا ہے۔ جیسے کرتا تھا۔

حقیقت میں ماضی استمراری اور ناتمام معنوں کے لحاظ سے دو جُدا جُدا قسمیں ہیں مگر چونکہ دونوں کا صیغہ ایک ہے اس لیئے دونوں کی ایک ہی قسم قرار دی جاتی ہے لیکن اس بات کا خیال رکھنا کہ جس ماضی میں فعل کی تکرار سمجھی جائے اس کو ماضی استمراری کہنا اور جس سے فعل کا

پورا نہ ہونا سمجھا جائے اُس کو ناتمام۔ جیسے حامد ہر روز محمود سے ملتا تھا۔ اس فقرے میں فعل کی تکرار سمجھی جاتی ہے۔ یعنی ہر روز ملا کرتا تھا۔ اس لیئے ملتا تھا کو ماضی استمراری کہنا چاہیئے۔

مُؤمن

راحت وطن کی یاد کریں کیا سفر میں ہم	پاتے تھے چین کب غم دُوری سے گھر میں ہم

اس شعر میں پاتے تھے ماضی ناتمام ہی۔ کیونکہ اس میں فعل کا پورا نہ ہونا پایا جاتا ہی۔

(۵) **ماضی احتمالی یا شکّی** دوسری ماضی احتمالی یا شکّی جس میں فعل کے واقع ہو چکنے یا نہ ہو چکنے کا شک و احتمال ہو۔ جیسے زید آیا ہو گا۔ اس جملہ میں زید کے آنے میں شک پایا جاتا ہے۔ خالد نہیں گیا ہو گا۔ اس جملہ میں خالد کے نہ جانے میں شک پایا جاتا ہے۔

(۶) **ماضی شرطی یا تمنّائی** تیسری ماضی شرطی یا تمنّائی جس میں شرط یا آرزو پائی جائے جیسے اگر آتا۔ کاش آتا۔ ناسخ۔

اگر میں حالِ نزع میں بھی جام شربت مانگتا	ہے یقیں زہرِ ہلاہل مجھ کو دیتے آشنا

ہمارے زمانہ کے شاعر نامور خواجہ حالی ہضماً للنفس[1] اپنے تئیں ہیچ قرار دیتے اور اپنے جیسے چند اور شاعروں کے ہونے کی تمنا کرتے ہیں۔ **شعر**

کاش ہوتے ملک میں ایسے ہی اب دو چار ہیچ	گو کہ حالی اگلے اُستادوں کے آگے ہیچ ہے

مضارع - ایک ایسا فعل ہے جو حال اور استقبال دونوں زمانوں پر دلالت کرتا ہی۔ جیسے آپ اجازت دیں تو میں حاضر ہوں یعنی میرا حاضر ہونا آپ کی اجازت پر موقوف ہی۔ اگر آپ اجازت دیں تو اب آؤں اور اگر پرسوں تو پرسوں۔ شیخ امام بخش ناسخ کہتے ہیں **شعر**

شرم آتی ہی جو کہتے ہیں مسلماں مجھ کو	گبر نفرت کرے آگاہ اگر حال سے ہو

یعنی اگر اب حال سے واقف ہو تو اب نفرت کرے اور اگر اب سے بعد ہو تو اُس وقت۔

فعل حال میں صرف بالفعل کا یعنی گزرتا ہوا زمانہ پایا جاتا ہے۔ جیسے زید میں تم کو نصیحت

[1] بطور کسر نفسی - فروتنی سے۔

کرتا ہوں یعنی اب نصیحت کرتا ہوں۔

فعل مستقبل سے صرف زمان آیندہ سمجھا جاتا ہے جیسے آئے گا۔ **شعر**

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور	اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

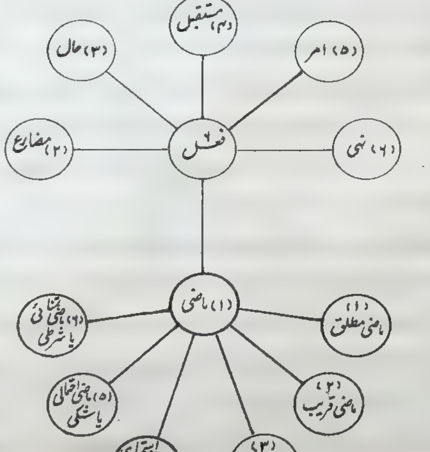
فعل امر میں حکم یا فرمایش ہوتی ہے۔ جیسے حامد! یہاں آؤ۔ **شعر**

کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہے	مَثل ہے کہ کرتے کی سب بدیا ہے

فعل نہی میں کسی کام کے نہ کرنے کا حکم ہوتا ہے۔ جیسے نہ کرو۔ مت جاؤ۔ **سید انشا**

نہ چھیڑ اے نکہتِ بادِ بہاری راہ لگ اپنی	تجھے اٹھکھیلیاں سوجھی ہیں ہم بیزار بیٹھے ہیں

ان سب اقسام فعل کو اچھی طرح ذہن نشین کرنے کے لئے یہ شجرہ دیکھو۔



معروف و مجہول

فعل اپنے فاعل کے لحاظ سے بھی دو طرح کا ہوتا ہے۔ معروف، مجہول، جس فعل کا فاعل مذکور و معلوم ہو اُس کو معروف[1] کہتے ہیں اور جس کا فاعل معلوم نہ ہو اُس کو مجہول[2] فعل مجہول ہمیشہ متعدی ہوتا ہے کیونکہ اس میں مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے جس کو مفعول مالم یسم فاعلہ بھی کہتے ہیں۔ فعل معروف کی مثال **شعر**

اک یہاں جینے سے بیزار ہیں ہیں رب	یا اسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

اس شعر میں بسر کرتے ہیں کا فاعل "سب" یعنی سب لوگ معلوم ہے تو بسر کرتے ہیں فعل معروف فعل مجہول مثال **شعر**

کاش اِک جام بھی سالک کو پلایا جاتا	اِک چراغ اور سرِ راہ جلایا جاتا

اس شعر میں یہ معلوم نہیں ہوتا کہ سالک کو جام پلانے والا اور سرِ راہ چراغ جلانے والا کون شخص ہوتا۔ صرف پلائے جانے اور جلائے جانے کا ذکر ہے۔ پس پلایا جاتا اور جلایا جاتا فعل مجہول ہیں اور جام اور چراغ اُن کے مفعولِ مالم یسم فاعلہ۔

مثبت و منفی

اثبات اور نفی کے لحاظ سے بھی فعل کی دو قسمیں ہیں یعنی فعل میں یا تو کام کا ثبوت یعنی ہونا پایا جاتا ہے یا عدم ثبوت یعنی نہ ہونا۔ پہلی صورت میں فعل کو مثبت کہتے ہیں۔ دوسری میں منفی، جیسے میں نے سبق پڑھا۔ یہ فعل مثبت ہے۔ احمد نے کھانا نہیں کھایا یہ منفی ہے۔ لیکن جب کسی کو کام سے نہ کرنے کے لئے کہیں یعنی منع تو اس صورت میں فعل کو نہی کہتے ہیں جیسے **شعر**

رندِ خراب حال کو زاہد نہ چھیڑ تو	تجھکو پرائی کیا پڑی اپنی نبیڑ تو

[1] معروف کے لغوی معنی ہیں جانا پہچانا ہوا۔ چونکہ فعل معروف میں فاعل معلوم ہوتا ہے اسلیئے اسکو معروف الفاعل کہتے ہیں۔۱۲

[2] مجہول لغت میں اسکو کہتے ہیں جو معلوم نہ ہو چونکہ فعل مجہول میں فاعل معلوم نہیں ہوتا اسلیئے اسکو مجہول الفاعل کہتے ہیں۔۱۲

اُردو میں صیغوں کی تعداد | اب معلوم کرنا چاہیئے کہ فعل کی چھیوں قسموں میں جس میں ماضی کی اقسام ششگانہ ملا کر گیارہ ہوتی ہیں۔ کتنے کتنے صیغے ہوتے ہیں۔ سو صیغوں کا شمار فاعل کی حالت کے شمار پر منحصر ہے اور وہ تین حالتیں ہیں۔

تذکیر و تانیث فاعل | ایک حالت تذکیر و تانیث ہے یعنی فاعل فعل دو حال سے خالی نہیں مرد اور نر ہے تو مذکر ہے۔ عورت اور مادہ ہے تو مؤنث مرد کو کہتے ہیں لایا۔ عورت کو لائی۔ مرد کو بھیجا گیا۔ عورت کو بھیجی گئی۔

وحدت و جمعیت فاعل | دوسری حالت وحدت و جمع ہے یعنی فاعل ایک ہی یا ایک سے زیادہ۔ ایک ہو تو اسکو واحد کہتے ہیں۔ ایک سے زیادہ ہو تو جمع۔ جیسے وہ لایا، وہ لائے عربی میں واحد اور جمع کے علاوہ دو کے واسطے "تثنیہ" کا صیغہ بھی ہوتا ہے لیکن فارسی اور اُردو میں ایک سے زیادہ داخل جمع ہیں۔

غائب۔ حاضر۔ متکلم | تیسری حالت اُس کے غائب یا حاضر یا متکلّم ہونے کی ہے یعنی فاعل تین حال سے خالی نہیں یا تو خود بات کرنے والا ہوتا ہے۔ اس کو متکلّم کہتے ہیں۔ جیسے میں کرتا ہوں یا وہ ہوتا ہے جس سے خطاب کریں اُس کو حاضر کہتے ہیں اور مخاطب بھی جیسے تم لاتے ہو۔ تیسرا جو نہ متکلّم ہو نہ مخاطب بلکہ مخاطب سے اُس کا ذکر کیا جائے اُس کو غائب کہتے ہیں جیسے زید لایا۔ یہاں زید متکلّم ہے نہ مخاطب بلکہ غائب ہے۔

قیاس اس امر کا مقتضی تھا کہ فاعل کی ان حالتوں کے لحاظ سے گیارہ افعال مذکورۂ بالا کے بارہ بارہ صیغے ہوتے ہیں۔ واحد مذکر غائب۔ جمع مذکر غائب۔ واحد مؤنث غائب۔ جمع مؤنث غائب۔ واحد مذکر حاضر۔ جمع مذکر حاضر۔ واحد مؤنث حاضر۔ جمع مؤنث حاضر۔ واحد مذکر متکلّم۔ جمع مذکر متکلّم۔ واحد مؤنث متکلّم۔ جمع مؤنث متکلّم۔ اس حساب سے کُل صیغے ایک سو بتیس (۱۳۲) ہوتے تھے یعنی بہتّر صیغے ماضی کی چھیوں قسموں کے اور ساٹھ صیغے مضارع اور حال اور مستقبل اور امر اور نہی کے مگر امر اور نہی میں متکلّم کے صیغے بالکل نہیں آتے۔ اس لئے کہ متکلّم اپنے

اوپر آپ کیا حکم کرے گا۔ یا اپنے تئیں کیا منع کرے گا تو چار صیغے امر میں سے اور چار نہی میں سے کم ہو کر ایک ۱۲۱ سو بیس صیغے رہ گئے۔ یہ ایک سو چوبیں صیغے فعل لازم میں آتے ہیں فعل متعدی میں اس کا دوچند یعنی ۲۴۸ دو سو اڑتالیس آنے چاہئیں اس لیے کہ فعل متعدی میں جب مفعول قائم مقام فاعل ہو جاتا ہے تو صیغے کی صورت بدل جاتی ہے۔ مثلاً لایا ماضی مطلق معروف کا صیغہ ہے تو لایا گیا مجہول کا۔ پس فعل متعدی میں معروف و مجہول کے اعتبار سے صیغوں کی تعداد دوگنی ہونی چاہیے لیکن مجہول میں امر حاضر اور نہی حاضر کے پورے صیغے نہیں آتے صرف چار چار صیغے غائب کے آتے ہیں۔ اس لیے امر حاضر مجہول اور نہی حاضر مجہول کے آٹھ صیغے کم ہو کر کل دو سو چالیس صیغے رہے یعنی ایک سو چوبیں معروف کے اور ایک سو سولہ مجہول کے فعل منفی میں معروف ۱۰۴ یا مجہول صرف ایک سو آٹھ آٹھ صیغے آتے ہیں کیونکہ اس میں امر و نہی کے صیغے نہیں آتے۔

فائدہ۔ جس طرح عموماً صیغوں کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع فاعل کے لحاظ سے ہوتی ہے یعنی فعل اس لیے مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہوتا ہے کہ فاعل مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہوتا ہے۔ جیسے زید لایا۔ حمیدہ بولی، مرد دوڑے، عورتیں ہنسیں یا جیسے بادل گرجا۔ بجلی چمکی۔ اولے پڑے۔ بوندیں برسیں۔ اسی طرح افعال متعدی کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ مفعول ہوتی ہے یعنی متعدی بیک مفعول میں بلحاظ پہلے مفعول کے اور متعدی بدو مفعول میں باعتبار دوسرے مفعول کے جیسے کھانا کھایا۔ روٹی کھائی۔ کھانے کھائے۔ روٹیاں کھائیں۔ پانی پلایا روپیہ دلوایا۔ روٹی کھلائی۔ روپے دلوائے۔ کتاب پڑھائی۔ کتابیں پڑھائیں۔ اشرفی دلوائی اشرفیاں دلوائیں۔ لیکن جب علامت مفعول (کو) مذکور ہو تو فعل ہمیشہ واحد اور مذکر آتا ہے جیسے گھوڑے کو دیکھا۔ گھوڑوں کو دیکھا۔ گھوڑی کو دیکھا۔ گھوڑیوں کو دیکھا[۱]۔

مگر یاد رکھو کہ ایسے افعال میں ہر چند صیغے کی صورت بلحاظ تذکیر و تانیث و وحدت و جمعیت مفعول بدل جاتی ہے لیکن چونکہ ان میں فاعل مذکور رہتا ہے اس لیے جب صیغے کو واحد یا جمع یا

[۱] یہ فائدہ علم نحو سے بھی تعلق رکھتا ہے۔ صرف سے جو اس کا تعلق ہے وہ زیادہ تر گردانوں سے معلوم ہوگا۔ ۱۲

مذکر یا مؤنث کہیں گے تو باعتبار فاعل کہیں گے۔ مثلاً اس نے کتابیں پڑھیں۔ یہاں پڑھیں۔ واحد مذکر غائب کا صیغہ بھی ہی اور واحد مؤنث غائب کا بھی۔ کیونکہ اس نے مرد کو بھی کہتے ہیں عورت کو بھی۔ اسی طرح۔ تم نے گھوڑے دیکھے جمع مذکر حاضر کا صیغہ بھی ہی اور جمع مؤنث حاضر کا بھی

یہ بھی معلوم رہے کہ جن افعال متعدّی میں تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ مفعول ہوتی ہی ان کے متعدّی المتعدّی اور متعدّی بالواسطہ میں دوسرے مفعول کے لحاظ سے ہوتی ہی۔ جیسے میں نے خالد کو پانی پلوایا۔ حامد نے محمود کو روپئے دلوائے۔ زید نے عمرو کو کتاب پڑھائی۔ احمد نے نصیر کو اشرفیاں دلوائیں۔

ماضی مطلق

جس میں بلا لحاظِ قرب و بُعد مطلق زمانے کا گزرنا پایا جائے

قاعدہ صیغہ ماضی مطلق مصدر سے بنتا ہی۔ اس طرح سے کہ علامتِ مصدر (نا) گرا کر اگر الف یا واوٗ مجہول رہے تو لفظ یا (یائے مثناۃِ تحتانی و الف) زیادہ کرتے ہیں۔ ورنہ صرف الف جیسے آیا۔ لایا، کھایا، آنا، لانا۔ کھانا سے۔ رویا، دھویا، کھویا، رونا، دھونا، کھونا سے۔ اُٹھا، بیٹھا، لیٹا، اُٹھنا، بیٹھنا، لیٹنا سے لیکن تین چار صیغے خلاف قاعدہ بنائے گئے ہیں جیسے کرنا سے کیا، ہونا سے ہوا۔ مرنا سے مُوا[1]۔ اگرچہ قاعدہ کے مطابق مرا بھی آتا ہی۔ واوٗ معروف رہنے کی صورت میں الف زیادہ کرنے کے علاوہ واوٗ کو ہمزے سے بھی بدل دیتے ہیں۔ مگر صرف بولنے میں نہ لکھنے میں جیسے چھونا سے چھوا۔

[1] مُوا نہیں ہے مری صیبتِ شعر کو سُن کر   زمیں میں شرم سے اب گڑ گیا ہے خاقانی

[2] اس کتاب میں بات دیگر کتبِ قواعد کے خلاف نظر آئے گی کہ افعالِ ماضی و حال و مستقبل میں صیغہائے جمع مؤنث متکلم کے بنانے کے وہی قاعدے لکھے گئے ہیں جو جمع مذکر متکلم کے بنانے کے ہیں اور ایسا کرنا اس لئے ضروری سمجھا گیا کہ ان صیغوں میں امتیاز خلاف محاورہ اہلِ دہلی و لکھنؤ ہی۔ دہلی اور لکھنؤ میں جس طرح مرد ہم آئے، ہم آتے ہیں، ہم آئیں گے بولتے ہیں، اسی طرح عورتیں بولتی ہیں ۱۲

ماضی بنانے کا قاعدہ جو بیان کیا گیا ہے صرف واحد مذکر کے لیے ہے۔ دوسرے صیغے صیغۂ واحد مذکر میں کسی قدر تصرف کرنے سے بنائے جاتے ہیں جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم کے لیے دوسری صورت میں یعنی اگر واحد مذکر میں الف زیادہ کیا ہوا ہو تو الف کو یائے مجہول سے بدل دیتے ہیں جیسے اٹھا، بیٹھا، لیٹا سے اٹھے، بیٹھے، لیٹے اور واحد مؤنث کے لیے الف کو یائے معروف سے بدلتے ہیں۔ جیسے، اٹھی، بیٹھی، لیٹی۔ لیکن اگر الف سے پہلے ی ہو تو صرف الف کو گرا دینے سے واحد مؤنث کا صیغہ بن جاتا ہے۔ جیسے کی[1]، لی، دی۔ کیا، لیا، دیا سے اور جمع مؤنث غائب و حاضر کے لیے واحد مؤنث کے آخر میں نونِ غنہ بڑھا دیتے ہیں جیسے اٹھیں، بیٹھیں اور اگر واحد مذکر میں لفظ یا زیادہ کیا ہوا ہو تو جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم کے لیے یا کو ئے (یعنی ہمزہ اور یائے مجہول سے بدلتے ہیں) جیسے روئے اور واحد مؤنث میں یا کو ئی (یعنی ہمزہ اور یائے معروف) سے بدلتے ہیں۔ جیسے آئی، لائی اور جمع مؤنث غائب و حاضر کے لیے واحد مؤنث میں نونِ غنہ بڑھاتے ہیں۔ جیسے آئیں۔ لائیں۔

اگر ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آئے تو کسی صیغے میں کچھ تغیر و تبدل نہیں کیا جاتا۔

ذیل کے نقشہ میں تینوں قسم کی گردانیں دیکھو۔ ایک چوتھی گردان اُن صیغوں کی ہے جن کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے لیکن فاعل کی تذکیر و تانیث یا وحدت و جمع کے اعتبار سے اُن کو مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع کہتے ہیں۔

یاد رکھو کہ فعل خواہ فاعل کے اعتبار سے مذکر یا مؤنث یا واحد یا جمع ہو خواہ مفعول کے لحاظ سے دونوں کے بنانے کا قاعدہ ایک ہی ہے۔

[1] اکثر لوگ خصوصاً پچھم کے منشی بجائے کی، کری بولتے اور لکھتے ہیں۔ جیسے درخواست کری اور غلطی کری۔ یہ صحیح نہیں ۱۲

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی مطلق مثبت معروف		ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لایا	وہ بیٹھا	اُس نے کہا	اُس نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مذکر غائب	وہ لائے	وہ بیٹھے	اُنھوں نے کہا	اُنھوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مؤنث غائب	وہ لائی	وہ بیٹھی	اُس نے کہا	اُس نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مؤنث غائب	وہ لائیں	وہ بیٹھیں	اُنھوں نے کہا	اُنھوں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مذکر حاضر	تو لایا	تو بیٹھا	تو نے کہا	تو نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مذکر حاضر	تم لائے	تم بیٹھے	تم نے کہا	تم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مؤنث حاضر	تو لائی	تو بیٹھی	تو نے کہا	تو نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مؤنث حاضر	تم لائیں	تم بیٹھیں	تم نے کہا	تم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مذکر متکلم	میں لایا	میں بیٹھا	میں نے کہا	میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مذکر متکلم	ہم لائے	ہم بیٹھے	ہم نے کہا	ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
واحد مؤنث متکلم	میں لائی	میں بیٹھی	میں نے کہا	میں نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں
جمع مؤنث متکلم	ہم لائے	ہم بیٹھے	ہم نے کہا	ہم نے کھانا کھایا۔ کھانے کھائے۔ کتاب پڑھی۔ کتابیں پڑھیں

مصدر متعدی المتعدّی بالواسطہ کی ماضی مطلق بنانے کے لئے علامت مصدر حذف کر کے لفظ "یا" لگاتے ہیں جیسے کرایا۔ لکھایا۔ دلایا۔ اُٹھوایا۔ ڈلوایا۔ بچھوایا وغیرہ اور باقی صیغوں میں اُسی طرح تصرّف کیا جاتا ہے جس طرح ماضی لازم یا متعدّی بنفسہ یا بلاواسطہ میں جس میں لفظ "یا" زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے کھلایا۔ کھلوایا وغیرہ۔

بعض مقامات میں ماضی مطلق فعل مستقبل کا کام دیتی ہے۔ جیسے **حالی**

رہ رَوِ تشنہ لب نہ گھبرانا
اب لیا چشمۂ بقا تو نے

شعر

دلِ پُردرد سے کچھ کام لونگا
اگر فرصت ملی مجھکو جہاں میں

کبھی ماضی مصدر کے معنی دیتی ہے۔ **ناسخ**

اِنتہائے لاغری سے جب نظر آیا نہ میں
ہنس کے وہ کہنے لگے بستر کو جھاڑا چاہیئے

یعنی بستر کو جھاڑنا چاہیئے۔ **مومن**

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہا نہ کرتے ہم
تو اب یہ لوگوں کی باتیں سُنا نہ کرتے ہم

کبھی اسم مفعول کے معنی دیتی ہے جیسے اُسکا کیا اُسکے آگے آیا۔ حامد پڑھا لکھا آدمی ہے **شعر**

جی میں کیا ہے جو بخشوایا آج
حالی اپنا کہا سُنا تو نے

کبھی مکرّر ہو کر بھی اسم مفعول کا کام دیتی ہے جیسے وہ صبح کا بیٹھا بیٹھا شام کو اُٹھا
کبھی ماضی بعید کی جگہ مستعمل ہوتی ہے۔ **مدّ و جزر اسلام**

کسی نے یہ بقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

کبھی حال کے موقع پر استعمال کرتے ہیں۔ **ناسخ**

خانۂ عاریتی میں جو درم بھرتے ہیں
عقل سے مجھ کو نظر آئے وہ انساں خالی

یعنی ایسے لوگ مجھ کو عقل سے خالی نظر آتے ہیں۔

کبھی مکرّر لاکر اور بیچ میں "کا یا کے یا کی" زیادہ کرکے اسم فاعل یا اسم مفعول کے معنی لیتے ہیں

(اسم فاعل کی مثال)، **بیت**

یہ بوسیدہ گھر اب گرا کا گرا ہے	سُتوں مرکزِ ثقل سے ہٹ چکا ہے

(اسم مفعول کی مثال)، **بیت**

یکایک جو برق آکے چمکی عرب کی	کھلی کی کھلی رہ گئی آنکھ سب کی

کبھی دعا کے موقع پر ماضی کے آخر لفظ ہو زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے خدا کرے وہ تندرست ہو گیا ہو"۔

ماضی قریب

جس سے تھوڑی مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے۔

قاعدہ۔ اِس کے صیغے ماضی مطلق سے بنتے ہیں۔ اس طرح سے کہ واحد غائب اور واحد حاضر پر لفظ ہے اور واحد متکلم پر ہوں۔ بواؤ معروف اور جمع غائب اور جمع متکلم پر ہیں اور جمع حاضر پر ہو، بواؤ مجہول زیادہ کیا جاتا ہے۔ جمع مؤنث غائب اور حاضر کے صیغوں میں فعل ماضی مطلق کا صیغہ بدستور واحد ہی رہتا ہے یعنی جس طرح ماضی مطلق میں جمع مؤنث غائب اور حاضر بنانے کے لئے واحد مؤنث پر نون غنہ زیادہ کیا جاتا ہے ماضی قریب میں ماضی مطلق پر یہ زیادتی نہیں کی جاتی۔ جیسے لائی ہیں، لائی ہو اور جن صیغہائے ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہے۔ اُن سے ماضی قریب بنانے میں سب صیغوں میں صرف لفظ ہے زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے کیا ہے اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی وحدت و جمع و تذکیر و تانیث سے بدلتی ہے۔ اُن میں اگر مفعول واحد ہے تو صیغے میں ہے زیادہ کرو اور جمع ہے تو ہیں (گردانیں دیکھو)

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی قریب مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہے یا لایا ہے	اُس نے کہا ہے	اُس نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہیں یا لائے ہیں	اُنھوں نے کہا ہے	اُنھوں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئی ہے یا لائی ہے	اُس نے کہا ہے	اُس نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
جمع مؤنث غائب	وہ آئی ہیں یا لائی ہیں	اُنھوں نے کہا ہے	اُنھوں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہے یا لایا ہے	تو نے کہا ہے	تو نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہو یا لائے ہو	تم نے کہا ہے	تم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
واحد مؤنث حاضر	تو آئی ہے یا لائی ہے	تو نے کہا ہے	تو نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
جمع مؤنث حاضر	تم آئی ہو یا لائی ہو	تم نے کہا ہے	تم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوں یا لایا ہوں	میں نے کہا ہے	میں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہیں یا لائے ہیں	ہم نے کہا ہے	ہم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
واحد مؤنث متکلم	میں آئی ہوں یا لائی ہوں	میں نے کہا ہے	میں نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئے ہیں یا لائے ہیں	ہم نے کہا ہے	ہم نے کھانا کھایا ہے۔ کھانے کھائے ہیں۔ کتاب پڑھی ہے۔ کتابیں پڑھی ہیں

قُدما رجمع مؤنث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ بولتے تھے ۔ جیسے تاباں

سُن فصلِ گُل خوشی ہو گلشن میں آئیاں ہیں
کیا بُلبلوں نے دیکھو دھومیں مچائیاں ہیں

کبھی ماضی قریب ماضی بعید کے معنی دیتی ہے ۔ جیسے " داناؤں نے کہا ہے "

ماضی بعید

جس سے مدت کا گزرا ہوا زمانہ سمجھا جائے ،

بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ ماضی مطلق کے صیغہ واحد مذکر پر لفظ تھا اور جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم پر تھے اور واحد مؤنث غائب وحاضر پر تھی زیادہ کرتے ہیں اور صیغہ ماضی مطلق جمع مؤنث غائب وحاضر میں واحد مؤنث کی طرح واحد ہی رہتا ہے اور جن صیغہ ہائے ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے آتا ہے اُن پر لفظ تھا بڑھاتے ہیں اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی تذکیر وتانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے اُن میں اگر مفعول واحد مذکر ہے تو تھے واحد مؤنث ہے تو تھی جمع مؤنث ہے تو تھیں ۔

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی بعید مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا تھا - لایا تھا	اُس نے کہا تھا	اُس نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
جمع مذکر غائب	وہ آئے تھے - لائے تھے	اُنھوں نے کہا تھا	اُنھوں نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئی تھی - لائی تھی	اُس نے کہا تھا	اُس نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
جمع مؤنث غائب	وہ آئی تھیں - لائی تھیں	اُنھوں نے کہا تھا	اُنھوں نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
واحد مذکر حاضر	تو آیا تھا - لایا تھا	تو نے کہا تھا	تو نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
جمع مذکر حاضر	تم آئے تھے - لائے تھے	تم نے کہا تھا	تم نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
واحد مؤنث حاضر	تو آئی تھی - لائی تھی	تو نے کہا تھا	تو نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
جمع مؤنث حاضر	تم آئی تھیں - لائی تھیں	تم نے کہا تھا	تم نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
واحد مذکر متکلم	میں آیا تھا - لایا تھا	میں نے کہا تھا	میں نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
جمع مذکر متکلم	ہم آئے تھے - لائے تھے	ہم نے کہا تھا	ہم نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
واحد مؤنث متکلم	میں آئی تھی - لائی تھی	میں نے کہا تھا	میں نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئے تھے - لائے تھے	ہم نے کہا تھا	ہم نے کھانا کھایا تھا - کھانے کھائے تھے - کتاب پڑھی تھی - کتابیں پڑھیں تھیں

کہنے کو تو یہ ماضی بعید ہے مگر بعض اوقات اس میں نہایت قریب کا زمانہ پایا جاتا ہے مثلاً احمد ابھی ابھی یہاں آیا تھا۔ میں نے ابھی میز پر کتاب رکھی تھی۔

ماضی استمراری یا ناتمام

جس سے زمانہ گزشتہ میں کام کی تکرار یا اُس کا پُورا نہ ہونا سمجھا جائے۔

یہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں کہ استمراری اور ناتمام حقیقت میں ماضی کی دو جُدا جُدا قسمیں ہیں اگر گزرے ہوئے زمانہ میں کام کی تکرار سمجھی جائے تو استمراری ہے اور اگر کام کا پورا نہ ہونا پایا جائے تو ناتمام۔

یہ ماضی ماضی مطلق سے نہیں بنتی بلکہ مصدر سے نا (علامت مصدر) گرا کر لفظ تا تھا زیادہ کرتے ہیں اور جس طرح ماضی مطلق کے واحد مذکر کا الف جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلّم میں یائے مجہول سے اور واحد مؤنث میں یائے معروف سے اور جمع مؤنث غائب وحاضر میں یائے معروف اور نون غُنّہ سے بدل جاتا ہے۔ اسی طرح تا، تھا کے الف بدل جاتے ہیں لیکن جمع مؤنث غائب وحاضر میں تا کا الف یائے معروف سے اور تھا کا الف یائے معروف اور نون غنّہ سے بدلتا ہے۔

اس ماضی میں مفعول کی تذکیر وتانیث اور وحدت وجمع سے صیغے کی صورت نہیں بدلتی یعنی مفعول مذکر ہو یا مؤنث واحد ہو یا جمع سب کے لئے ایک ہی صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے وہ کھانا کھاتا تھا۔ وہ کھانے کھاتے تھے۔ وہ کتاب پڑھتا تھا وہ کتابیں پڑھتا تھا۔

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی استمراری یا ناتمام مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لاتا تھا	وہ کہتا تھا	وہ کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کھاتا تھا۔ کتاب پڑھتا تھا۔ کتابیں پڑھتا تھا۔
جمع مذکر غائب	وہ لاتے تھے	وہ کہتے تھے	وہ کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے
واحد مؤنث غائب	وہ لاتی تھی	وہ کہتی تھی	وہ کھانا کھاتی تھی۔ کھانے کھاتی تھی۔ کتاب پڑھتی تھی۔ کتابیں پڑھتی تھی
جمع مؤنث غائب	وہ لاتی تھیں	وہ کہتی تھیں	وہ کھانا کھاتی تھیں۔ کھانے کھاتی تھیں۔ کتاب پڑھتی تھیں۔ کتابیں پڑھتی تھیں
واحد مذکر حاضر	تو لاتا تھا	تو کہتا تھا	تو کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کھاتا تھا۔ کتاب پڑھتا تھا۔ کتابیں پڑھتا تھا
جمع مذکر حاضر	تم لاتے تھے	تم کہتے تھے	تم کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے
واحد مؤنث حاضر	تو لاتی تھی	تو کہتی تھی	تو کھانا کھاتی تھی۔ کھانے کھاتی تھی۔ کتاب پڑھتی تھی۔ کتابیں پڑھتی تھی
جمع مؤنث حاضر	تم لاتی تھیں	تم کہتی تھیں	تم کھانا کھاتی تھیں۔ کھانے کھاتی تھیں۔ کتاب پڑھتی تھیں۔ کتابیں پڑھتی تھیں
واحد مذکر متکلم	میں لاتا تھا	میں کہتا تھا	میں کھانا کھاتا تھا۔ کھانے کھاتا تھا۔ کتاب پڑھتا تھا۔ کتابیں پڑھتا تھا
جمع مذکر متکلم	ہم لاتے تھے	ہم کہتے تھے	ہم کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے
واحد مؤنث متکلم	میں لاتی تھی	میں کہتی تھی	میں کھانا کھاتی تھی۔ کھانے کھاتی تھی۔ کتاب پڑھتی تھی۔ کتابیں پڑھتی تھی
جمع مؤنث متکلم	ہم لاتے تھے	ہم کہتے تھے	ہم کھانا کھاتے تھے۔ کھانے کھاتے تھے۔ کتاب پڑھتے تھے۔ کتابیں پڑھتے تھے

فائدہ ۔ بعض شعرائے متاخرین بجائے آتا تھا ۔ جاتا تھا کے آئے تھا ۔ جائے تھا ۔ بولتے تھے ۔ مثلاً مومن خاں کہتے ہیں ۔ **شعر**

سُن کے میری مرگ بولے مرگیا اچھا ہوا ۔ کیا بُرا لگتا تھا جس دم سامنے آجائے تھا

مگر ہمارے زمانے کے شاعر اس قسم کے صیغے مطلق استعمال نہیں کرتے ۔

فائدہ ۔ پہلے زمانہ میں ماضی استمراری کے صیغے جمع مؤنث میں دونوں فعل جمع لاتے تھے ۔ مثلاً لڑکیاں جاتیاں تھیں اور پڑھتیاں تھیں ۔ اب صرف پہلے فعل کو واحد لاتے ہیں ۔ جیسے لڑکیاں جاتی تھیں اور پڑھتی تھیں ۔

ماضی شکّی یا احتمالی

جس میں کام کے ہونے یا نہ ہونے میں شک واحتمال پایا جائے ۔

قاعدہ ۔ ماضی مطلق کے صیغہائے واحد مذکر غائب اور حاضر پر لفظ ہوگا اور واحد متکلم پر ہونگا اور جمع غائب اور جمع متکلم مذکر و مؤنث پر ہوں گے (بیائے مجہول) اور جمع حاضر مذکر پر ہوگے (بیائے مجہول) اور واحد مؤنث غائب اور واحد مؤنث حاضر پر ہوگی (بیائے معروف) اور واحد متکلم مؤنث پر ہوں گی (بواوٗ معروف ویائے معروف) اور جمع غائب مؤنث پر لفظ ہوں گی (بواوٗ مجہول ویائے معروف) زیادہ کرو ۔ لیکن جس ماضی کے فاعل کے ساتھ نے آتا ہے ۔ اُس پر صرف لفظ ہوگا بڑھاؤ اور جن صیغوں کی صورت مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع سے بدل جاتی ہے اُن میں اگر مفعول واحد مذکر ہے تو صیغے میں ہوگا زیادہ کرو ۔ جمع مذکر ہے تو ہوں گے (بواوٗ مجہول ویائے مجہول) ، واحد مؤنث ہے تو ہوگی (بیائے معروف) جمع مؤنث ہے تو ہوں گی (بواوٗ مجہول ویائے معروف)

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی شکی یا احتمالی مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ لایا ہوگا	اُس نے کہا ہوگا	اُس نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
جمع مذکر غائب	وہ لائے ہونگے	اُنھوں نے کہا ہوگا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
واحد مؤنث غائب	وہ لائی ہوگی	اُس نے کہا ہوگا	اُس نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
جمع مؤنث غائب	وہ لائی ہونگی	اُنھوں نے کہا ہوگا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
واحد مذکر حاضر	تو لایا ہوگا	تو نے کہا ہوگا	تو نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
جمع مذکر حاضر	تم لائے ہونگے	تم نے کہا ہوگا	تم نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
واحد مؤنث حاضر	تو لائی ہوگی	تو نے کہا ہوگا	تو نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
جمع مؤنث حاضر	تم لائی ہونگی	تم نے کہا ہوگا	تم نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
واحد مذکر متکلم	میں لایا ہونگا	میں نے کہا ہوگا	میں نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
جمع مذکر متکلم	ہم لائے ہونگے	ہم نے کہا ہوگا	ہم نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
واحد مؤنث متکلم	میں لائی ہونگی	میں نے کہا ہوگا	میں نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی
جمع مؤنث متکلم	ہم لائے ہونگے	ہم نے کہا ہوگا	ہم نے کھانا کھایا ہوگا۔ کھانے کھائے ہونگے۔ کتاب پڑھی ہوگی۔ کتابیں پڑھی ہونگی

ماضی شرطی یا تمنّائی

جس سے شرط یا آرزو سمجھی جائے۔ اگر شرط کے معنی پائے جائیں تو شرطی کہو۔ تمنا سمجھی جائے تو تمنّائی۔

یہ ماضی تین طریق سے بنائی جاتی ہے۔

طریق اوّل۔ مصدر سے نا ساقط کرکے تا (بتائے مثناۃ فوقانیہ) زیادہ کرتے اور صیغہائے جمع اور مؤنث میں تا کے الف کو اسی طرح بدل دیتے ہیں جس طرح ماضی مطلق کا الف بدل جاتا ہے۔

گردان

صیغہ	ماضی شرطی یا تمنائی فعل معروف
جمع مونث متکلم	ہم آتے یا لاتے
واحد مونث متکلم	میں آتی یا لاتی
جمع مذکر متکلم	ہم آتے یا لاتے
واحد مذکر متکلم	میں آتا یا لاتا
جمع مونث حاضر	تم آتیں یا لاتیں
واحد مونث حاضر	تو آتی یا لاتی
جمع مذکر حاضر	تم آتے یا لاتے
واحد مذکر حاضر	تو آتا یا لاتا
جمع مونث غائب	وہ آتیں یا لاتیں
واحد مونث غائب	وہ آتی یا لاتی
جمع مذکر غائب	وہ آتے یا لاتے
واحد مذکر غائب	وہ آتا یا لاتا

طریق دوم۔ ماضی مطلق پر ہوتا لگانے سے مرزا غالب فرماتے ہیں۔ **شعر**

تیری قسمت میں غم گر اتنا تھا　　دل بھی یارب کئی دئے ہوتے

حالی

جو دل پہ گزرتی ہے کیا تجھ کو خبر ناصح
کچھ ہم سے سنا ہوتا پھر تو نے کہا ہوتا

تانیث اور جمع میں ہوتا کا الف بدلتا رہتا ہے۔ جیسا کہ گردانوں سے معلوم ہوگا۔

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہوتا یا لایا ہوتا	اُس نے کہا ہوتا	اُس نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہوتے یا لائے ہوتے	اُنھوں نے کہا ہوتا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
واحد مؤنث غائب	وہ آئی ہوتی یا لائی ہوتی	اُس نے کہا ہوتا	اُس نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
جمع مؤنث غائب	وہ آئی ہوتیں یا لائی ہوتیں	اُنھوں نے کہا ہوتا	اُنھوں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہوتا یا لایا ہوتا	تو نے کہا ہوتا	تو نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	تم نے کہا ہوتا	تم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
واحد مؤنث حاضر	تو آئی ہوتی یا لائی ہوتی	تو نے کہا ہوتا	تو نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
جمع مؤنث حاضر	تم آئی ہوتیں یا لائی ہوتیں	تم نے کہا ہوتا	تم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوتا یا لایا ہوتا	میں نے کہا ہوتا	میں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	ہم نے کہا ہوتا	ہم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
واحد مؤنث متکلم	میں آئی ہوتی یا لائی ہوتی	میں نے کہا ہوتا	میں نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئے ہوتے یا لائے ہوتے	ہم نے کہا ہوتا	ہم نے کھانا کھایا ہوتا۔ کھانے کھائے ہوتے۔ کتاب پڑھی ہوتی۔ کتابیں پڑھی ہوتیں

طریق سوم - ماضی شکی سے گا - گے - گی - حذف کرنے سے۔

گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت معروف	ایضاً	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آیا ہو یا لایا ہو	اُس نے کہا ہو	اُس نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
جمع مذکر غائب	وہ آئے ہوں یا لائے ہوں	اُنھوں نے کہا ہو	اُنھوں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
واحد مؤنث غائب	وہ آئی ہو یا لائی ہو	اُس نے کہا ہو	اُس نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
جمع مؤنث غائب	وہ آئی ہوں یا لائی ہوں	اُنھوں نے کہا ہو	اُنھوں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
واحد مذکر حاضر	تو آیا ہو یا لایا ہو	تو نے کہا ہو	تو نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
جمع مذکر حاضر	تم آئے ہو یا لائے ہو	تم نے کہا ہو	تم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
واحد مؤنث حاضر	تو آئی ہو یا لائی ہو	تو نے کہا ہو	تو نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
جمع مؤنث حاضر	تم آئی ہو یا لائی ہو	تم نے کہا ہو	تم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
واحد مذکر متکلم	میں آیا ہوں یا لایا ہوں	میں نے کہا ہو	میں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم آئے ہوں یا لائے ہوں	ہم نے کہا ہو	ہم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
واحد مؤنث متکلم	میں آئی ہوں یا لائی ہوں	میں نے کہا ہو	میں نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم آئے ہوں یا لائے ہوں	ہم نے کہا ہو	ہم نے کھانا کھایا ہو۔ کھانے کھائے ہوں۔ کتاب پڑھی ہو۔ کتابیں پڑھی ہوں

فائدہ - ماضی شرطی یا تمنائی بسا اوقات ماضی استمراری کا کام دیتی ہے -
کبھی یہ ماضی مستقبل کی جگہ آتی ہے - جیسے **مومن**

اچھی ہے وفا مجھ سے جلتے ہیں جلیں دشمن
تم آج ہوا سمجھو جو روزِ جزا ہوتا

یعنی تم مجھ سے وفا کئے جاؤ - دشمن اگر جلتے ہیں تو جلنے دو - اور یوں سمجھو کہ ان کمبختوں کے ساتھ جو قیامت کے دن ہونا ہے کہ پڑے آگ میں جلیں گے وہ آج ہو رہا ہے -

فعل مضارع

جس میں حال اور استقبال دونوں زمانے پائے جائیں -

قاعدہ - مضارع مصدر سے بنتا ہے - اس طرح سے کہ علامت مصدر گرا کر حرف اخیر کو دیکھو اگر الف یا واؤ ہو تو ہمزہ اور یائے مجہول آخر میں زیادہ کرو - جیسے لائے - سوئے - متقدمین ہمزہ کی جگہ واؤ زیادہ کر کے لاوے اور سووے کہتے تھے - مگر متاخرین لاوے اور سووے نہیں بولتے اور حقیقت میں لاوے اور سووے کی نسبت لائے اور سوئے فصیح ہے لیکن ہونا کے مضارع میں بجائے ہمزہ واؤ ہی زیادہ کرتے ہیں اور ہووے کہتے ہیں، مگر صرف نظم میں اور وہ بھی بہت کم یعنی بہ ضرورت شعری - ورنہ عموماً بحذف واؤ دیا بولتے ہیں - **ذوق**

آدمیت سے ہے بالا آدمی کا مرتبہ   پست ہمت یہ نہ ہووے پست قامت ہو تو ہو

دیکھ لو اسی شعر میں ہووے ایک دفعہ آیا ہے - تو ہو دو دفعہ -

اور اگر حرف اخیر یائے مجہول ہو تو بس اسی لفظ کو مضارع سمجھو - جیسے دے اور لے "خدا دے اور بندہ لے" مگر جس طرح متقدمین الف اور واؤ کی حالت میں واؤ اور یائے مجہول بھی بڑھاتے تھے اسی طرح یائے مجہول کی حالت میں بھی یہ حرف بڑھا کر دے کو دیوے اور لے کو لیوے کہتے تھے - **مصرع** - خدا دیوے تو بندہ کیوں نہ لیوے -

متاخرین نے بھی بہ ضرورت ایسے صیغے استعمال کئے ہیں۔ ذوق ایک قصیدے میں لکھتے ہیں۔

تقویت دیوے اگر پاسِ حفاظت تیرا   شعلۂ شمع کو صرصر سے نہ ہو اضمحلال

اور اگر ان حرفوں میں سے کوئی حرف نہ ہو تو صرف یائے مجہول بڑھاؤ۔ جیسے پڑھنا سے پڑھے، کرنا سے کرے یا واحد غائب اور واحد حاضر کے صیغے بنے۔ جمع میں نون غنّہ زیادہ کرو۔ واحد متکلم میں واؤ معروف اور نون غنّہ یعنی اگر علامت مصدر کے حذف کرنیکے بعد حرف صحیح یا یائے معروف رہے تو اُس پر ضمّہ دیکر واؤ معروف اور نون غنّہ زیادہ کرو جیسے کرنا سے کروں۔ پینا سے پیوں اور اگر الف یا واؤ باقی رہے تو ایک ہمزہ بھی زیادہ کرو جیسے لاؤں۔ کھوؤں اور اگر یائے مجہول رہے تو حذف کردو۔ جیسے دینا سے دوں۔ لینا سے لوں صیغہائے جمع حاضر میں حرف صحیح اور یائے معروف کی حالت میں صرف واؤ مجہول زیادہ کرو جیسے کرو۔ پیو۔ الف یا واؤ کی حالت میں ایک ہمزہ اور واؤ مجہول۔ جیسے کھاؤ۔ سوؤ اور اگر یائے مجہول باقی رہے تو اُس کو واؤ مجہول سے بدل دو۔ جیسے دو۔ لو۔

گردانیں

صیغہ / فعل	مضارع یا مضارع مطلق معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ آئے یا لائے	وہ کہے
جمع مذکر غائب	وہ آئیں یا لائیں	وہ کہیں
واحد مونث غائب	وہ آئے یا لائے	وہ کہے
جمع مونث غائب	وہ آئیں یا لائیں	وہ کہیں
واحد مذکر حاضر	تو آئے یا لائے	تو کہے
جمع مذکر حاضر	تم آؤ یا لاؤ	تم کہو
واحد مونث حاضر	تو آئے یا لائے	تو کہے
جمع مونث حاضر	تم آؤ یا لاؤ	تم کہو
واحد مذکر متکلم	میں آؤں یا لاؤں	میں کہوں
جمع مذکر متکلم	ہم آئیں یا لائیں	ہم کہیں
واحد مونث متکلم	میں آؤں یا لاؤں	میں کہوں
جمع مونث متکلم	ہم آئیں یا لائیں	ہم کہیں

مضارع میں جمع متکلم کے صیغے اور طریقوں سے بھی بنائے جاتے ہیں یعنی علامت مصدر رکے حذف کرنے کے بعد اگر حرف صحیح ہے تو لفظ یئے بجائے مثناۃ تحتانی ویائے مجہول بڑھاتے ہیں۔ جیسے دیکھئے۔ لکھئے۔ کہئے۔ مگر کیجئے میں زیادہ تصرف کیا گیا ہے۔ **آزاد**

قسمت میں جو لکھا ہی سو دیکھا ہی اب ملک   اور آگے دیکھئے ابھی کیا کیا ہیں دیکھتے

یعنی دیکھیں کہ آگے کیا کیا دیکھتے ہیں۔ **غالب**

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھئے   ناطقہ سر بہ گریباں کہ اِسے کیا کہئے

یعنی کیا لکھیں اور کیا کہیں۔

اور اگر الف یا واوٗ مجہول رہے تو ایک ہمزہ مکسور بھی زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے لائیے کھوئیے مگر ہوجئے[۱] میں بجائے ہمزہ جیم بڑھایا گیا ہی اور واوٗ مجہول کو معروف کیا گیا ہی۔ **ہدہد**[۲]

جز ترے شاہنشہا کس کے آگے روئیے   کس سے جاکے کہئے یہ غم کو ہمارے کھوئیے

سنگلاخ ایسی زمیں ہی سوچ اے دل تا کجا   فکر کیجے صرف اس میں اور پتھر ڈھوئیے

---

۱ شعر ہی یہی اہل الکتاب ہوجئے سب سے مستفید   زک ملے یا ہنر ملے درس ملے ادب ملے

۲ ہدہد کا تھوڑا سا حال بیان کردینا خالی از لطف نہ ہوگا۔ یہ ایک عجیب شخص تھا ان کے حالات پڑھ کر اور ان کا کلام سُن کر ظرافت بیساختہ ہنس پڑتی ہے۔ اُن کا نام عبدالرحمان تھا طبقہ پنجم کے شعرا یعنی غالب و ذوق و مومن وغیرہ کے زمانہ میں (جیسا کہ مولوی محمد حسین صاحب آزاد نے لکھا ہے) پورب سے دلی میں آئے اور حکیم آغا جان عیش کے پاس (جو بادشاہی اور خاندانی طبیب زیور علم اور لباس کمال سے آراستہ نہایت خوش مزاج شیریں کلام شگفتہ صورت اور شاعر لطیفہ سنج تھے) ایک مکان میں مکتب تھا اس میں لڑکے پڑھانے لگے حکیم صاحب کے خویش و اقارب میں سے بھی بعض لڑکے وہاں پڑھتے تھے اُن میں ایک لڑکا سکندر نامہ پڑھا کرتا تھا حکیم صاحب کا معمول تھا کہ آٹھویں ساتویں دن رات کو ایک لڑکے کا سبق سُنا کرتے تھے سکندر نامہ کا سبق جو سُنا تو عجائب و غرائب مضامین سننے میں آئے۔ فرمایا کہ اپنے مولوی کو کسی وقت ہمارے پاس بھیجنا وہ دوسرے ہی دن تشریف لائے حکیم صاحب آخر حکیم تھے ملاقات ہوئی تو اوّل قیافے سے پھر گفتگو سے نبض دیکھی معلوم ہوا کہ شدھ بدھ سے زیادہ مادہ نہیں مگر بہ طرز معجون انسان تھوڑی سی ترکیب میں دونق مخل ہو سکتا ہی اچھا کہ آپ شعر کا بھی شوق رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب نے کہا کیا مشکل بات ہی ہو سکتا ہی حکیم صاحب نے کہا کہ ایک جگہ مشاعرہ ہوتا ہی آٹھ نو دن

اور اگر یائے معروف یا مجہول رہے تو ہو جیے کی طرح (یے زائد پر) ایک جیم بڑھاتے اور یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے پیجیے۔ دیجیے۔ لیجیے۔ **حالی**

یاد اُس کی یہاں وِردِ مدام اپنا ہے
کس طرح نہ لیجیے کہ ہے نام اُس کا
خالی نہ ہو جو کبھی وہ جام اپنا ہے
کس طرح نہ پیجیے کہ کام اپنا ہے

بقیہ حاشیہ صفحہ ۶۴ - باقی ہیں یہ طرح کا مصرع ہے۔ آپ بھی غزل کہیے تو مشاعرے میں لے چلیں۔ وہ شاعری کو بھی نہ جانتے تھے۔ اُس کی صورت بیان کی۔ مولوی صاحب نے کہا کہ اس عرصے میں بہت کچھ ہو سکتا ہے غزل کہکر لائے تو سبحان اللہ اور مولوی صاحب ہی تخلص رکھا۔ حکیم صاحب کی طبع ظریف کے مشغلے کو ایسا اُلّو خدا دے بہت تعریف کی۔ غزل کو جا بجا اصلاحیں دے کر خوب نون، مرچ چھڑکا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے یہ دیکھکر حکیم صاحب کو اطمینان ہوا۔ مولوی صاحب کی چگّی ڈاڑھی - اس پر لمبی اور نکیلی - سر منڈا ہوا - اس پر کو عمامہ فقط کھُٹ بڑھئی نظر آتے تھے۔ حکیم صاحب نے کہا کہ شعرا کو تخلص بھی ایسا چاہیے کہ ظریفانہ و لطیفانہ اور خوشنما ہو اور شان و شکوہ کی عظمت سے تاجدار ہو بہتر ہے کہ آپ ہُدہُد تخلص کریں کہ حضرت سلیمان کا رازدار تھا اور قاصد خجستہ کام وغیرہ وغیرہ۔ مولوی صاحب نے اس تخلص کو بہت خوشی سے منظور کیا۔

مشاعرے کے دن جلسے میں گئے جب اُن کے سامنے شمع آئی تو حکیم صاحب نے اُن کی تعریف میں چند فقرے مناسبِ وقت فرمائے۔ سب متوجہ ہوئے جب انھوں نے غزل پڑھی تو مسخرنے تالیاں بجائیں ظرافت نے ٹوپیاں اُچھالیں اور قہقہوں نے اتنا شور و غل مچایا کہ کسی کی غزل پر اتنی تعریف کا جوش نہ ہوا تھا۔ مولوی صاحب بہت خوش ہوئے۔ چند روز اس طرح مشاعرے کو اور بعض امرا کے جلسوں کو رونق دیتے رہے۔ مگر مکتب کے کام سے جاتے رہے۔ حکیم صاحب نے سوچا کہ ان کے گزارے کے لیے کوئی نسخہ تجویز کرنا چاہیے۔ ان سے کہا کہ بادشاہ کی تعریف میں ایک قصیدہ کہو تو تمھیں دربار میں لے چلیں دیکھو رزاقِ مطلق کیا سامان کرتا ہے۔ قصیدہ تیار ہوا تو حکیم صاحب نے ہُدہُد کو اُڑا کر دربار میں پہنچا دیا اُس قصیدے کا مطلع یہ ہے ؎

جو تیری مدح میں میں چونچ اپنی وا کر دوں
تو رشکِ باغِ اِرَم اپنا گھونسلا کر دوں

بادشاہوں اور امیروں کو مسخراپن بلکہ زمانے کی طبیعت کو یہ غذا مرغوب و موافق ہے ظفر تو خود شاعر تھے

کبھی بجائے بجیئے کے بجے یعنی جیم اور صرف یائے مجہول زیادہ کرتے ہیں اور پیجے ، دیجے ، لیجے کیجے وغیرہ بولتے ہیں۔لیکن ہوجیئے بدستور رہتا ہے۔

یہ صیغے ہمیشہ وہاں استعمال کئے جاتے ہیں جہاں فاعل مُقدّر ہوتا ہے یعنی ان کے ساتھ فاعل کبھی مذکور نہیں ہوتا۔مت کہنا ہم لکھیئے اور ہم پڑھیئے۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ٦٥۔خطاب عطا فرمایا۔ طائرالاراکین۔شہپرالملک۔ہدہدالشعرا۔منقار جنگ بہادر۔ اور سات روپئے مہینہ بھی کر دیا کہ ان کی شاعری کی بنیاد قائم ہو گئی۔

حکیم صاحب کے اشارے پر ہُدہُد بُلبلانِ سخن کو ٹھونگیں بھی مارتا تھا۔چنانچہ بعض غزلیں سرِ مشاعرہ پڑھتا جس کے الفاظ نہایت شُستہ اور رنگین ہوتے لیکن شعر بالکل بے معنی اور کہہ دیتا کہ غالب کے انداز میں غزل لکھی ہے غالب مرحوم تو بہتے دریا تھے۔ سُنتے تھے اور ہنستے تھے۔غالب کے انداز کا بھی ایک مطلع سُنو ؎

مرکزِ محورِ گردوں بہ لبِ آب نہیں — ناخنِ قوسِ قزح شبہہٗ مضراب نہیں

ظریف الطبع شعرا نے ہُدہُد کے شکار کو ایک باز طیار کیا اور مشاعرے میں خوب جھپٹے ہوئے اُس شاعرے کی غزل کے تین شعر یہ ہیں ؎

جسے کہتے ہیں ہُدہُد وہ تو نر شیروں کا دادا ہی — مقابل تیرے کیا ہو تُو تو اِک چڑے کی مادہ ہی
گر اب کے باز ہی میداں میں آئی سامنے میرے — تو دُم میں پر نہ چھوڑوں گا یہی میرا ارادہ ہی
ادب لے بے ادب اب تک نہیں تجھ کو خبر اس کی — کہ ہُدہُد سب جہاں کے طائروں کا پیرزادہ ہی

چند روز کے بعد باز اُڑ گیا تو لوگوں نے ایک کوّا تیار کیا اور زاغ تخلّص رکھا انھوں نے اُس کے بھی پر نوچے۔

جَون آیا ہے بَدَل اب کے عدو کوّے کی — اُس کی ہی پاؤں سے تا سر وہی خو کوّے کی
وہی کاں کاں وہی کیں کیں وہی ٹاں ٹاں اُس کی — بات چھوڑی نہیں ہاں اک سرِ مو کوّے کی

مقطع میں کہتا ہی ؎ جن کے کوّا جو یہ آیا ہی تو اے ہُدہُد شاہ — دُم کتر دینے کو کچھ کم نہیں تو کوّے کی

عیش چونکہ شاعر تھے ہمیشہ فکرِ سخن میں رہتے۔ اس میں جو ظرافت کے مضامین خیال میں آتے۔اُن کو موزوں کر کے ہُدہُد کی چونچ میں دیتے ان کے بھی دو چار شعر سُنو۔ **رُباعی**

ہُدہُد کا مذاق ہے نرالا سب سے — انداز ہے اِک نیا نکالا سب سے

اس قسم کے صیغے مقامِ تعظیم میں امر کا کام بھی دیتے ہیں۔ اور ان پر گا بھی زیادہ کیا جاتا ہے جیسے آئیے گا۔ لائیے گا۔ بیٹھیے گا۔ کیجیے گا۔ بھیجیے گا۔ دیجیے گا۔ لیجیے گا۔ **شعر**

خوش خرامی ادھر بھی کیجیے گا	میں بھی جوں نقشِ پا ہوں چشمِ براہ

کبھی ایسے صیغے فعل مستقبل کا کام دیتے ہیں۔

فعل مضارع کبھی خالص حال کے معنی دیتا ہے کبھی خالص استقبال کے دونوں کی مثالیں نیچے کے دونوں شعروں میں دیکھو ؎

چوٹ دل کو جو لگے آہِ رسا پیدا ہو	صدمہ شیشے کو جو پہنچے تو صدا پیدا ہو

یعنی جب دل کو چوٹ لگتی ہے تو آہِ رسا پیدا ہوتی ہے اور شیشے کو صدمہ پہنچتا ہے تو صدا پیدا ہوتی ہے۔ **شعر**

کشتۂ تیغِ جدائی ہوں یقیں ہے مجھ کو	عضو سے عضو قیامت کو جدا پیدا ہو

یعنی پیدا ہوگا۔

فعل حال

اس سے بالفعل کے زمانہ میں کام کا ہونا سمجھا جاتا ہے

قاعدہ۔ پہلے مصدر سے نا حذف کرکے تا (بتائے مثناۃ فوقانیہ) زیادہ کرو اور جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم کے لیئے۔ تا کے الف کو یائے مجہول سے اور باقی صیغہائے مؤنث کے لیئے یائے معروف سے بدل دو۔ پھر ان الفاظ کے ساتھ صیغہائے واحد مذکر غائب ہے واحد مذکر حاضر میں ہے اور واحد متکلم میں ہوں (بواو معروف) اور جمع متکلم میں ہیں اور جمع حاضر میں ہو زیادہ کرو۔

ہُدہُدِ مرحوم	سرو دفتر لشکرِ سلیماں ہے یہ	اُڑتا بھی ہے دیکھو بالا بالا سب سے
	راست آئینوں کو نفرت ہی کج آئینوں سے	تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا
	آشیاں سے جو غزل پڑھنے کو ہُدہُد آیا	غل پڑا پیش رو ملکِ سلیماں نکلا

(آبِ حیات بہ اختصار و تصرف یسیر)

ہم نے ہُدہُد کے کلام سے اس لیئے استناد کیا ہے کہ وہ یا تو مشق کا اپنا نتیجہ طبع ہوتا تھا یا اُن کا اصلاح کیا ہوا ہوتا تھا۔

گردان

صیغہ	فعل حال قریب معروف
واحد مذکر غائب	وہ آتا ہے یا آرہا ہے
جمع مذکر غائب	وہ آتے ہیں یا آرہے ہیں
واحد مؤنث غائب	وہ آتی ہے یا آرہی ہے
جمع مؤنث غائب	وہ آتی ہیں یا آرہی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو آتا ہے یا آرہا ہے
جمع مذکر حاضر	تم آتے ہو یا آرہے ہو
واحد مؤنث حاضر	تو آتی ہے یا آرہی ہے
جمع مؤنث حاضر	تم آتی ہو یا آرہی ہو
واحد مذکر متکلم	میں آتا ہوں یا آرہا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم آتے ہیں یا آرہے ہیں
واحد مؤنث متکلم	میں آتی ہوں یا آرہی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم آتے ہیں یا آرہے ہیں[۱]

پہلے جمع مؤنث کے فعلوں کو الف نون کے ساتھ بولتے تھے جیسے **شعر**

وہ صورتیں الٰہی کس ملک بستیاں ہیں | اب جن کے دیکھنے کو آنکھیں ترستیاں ہیں

اب متروک ہے۔

فعل حال مضارع سے بھی بنا لیتے ہیں۔ اس طرح سے کہ فعل مضارع پر واحد غائب اور واحد حاضر کے صیغوں کے لیئے لفظ ہے اور جمع غائب اور جمع متکلم کے لیئے ہیں اور جمع حاضر کے لیئے ہو اور واحد متکلم کے لیئے ہوں زیادہ کر دیتے ہیں۔ **ذوق**

دانہ خرمن ہی ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو | آئے ہی جزو میں نظر کل کا تماشا ہم کو

غالب

اُدھر وہ بدگمانی ہے اِدھر یہ ناتوانی ہے | نہ پوچھا جائے ہے اُس سے نہ بولا جائے ہے مجھ سے

مصحفی

سمجھوں ہوں اُسے مُہرۂ بازیچۂ طفلاں | کس کام کا ہے گنبدِ گردوں مرے آگے

ع مستانہ طے کروں ہوں رہِ وادیِ خیال

مگر مولوی محمد حسین صاحب نے آبِ حیات میں لکھا ہے کہ "اساتذۂ دہلی کے کلام میں آئے ہے اور جائے ہے اکثر ہے۔ مگر اخیر کی غزلوں میں اُنھوں نے بھی بچاؤ کیا ہے" اور حال کے شعرا تو

[۱] دہلی و لکھنؤ میں جمع مؤنث متکلم میں بھی جمع مذکر متکلم کی طرح ہم آتے ہیں اور ہم لاتے ہیں بولا جاتا ہے اسی واسطے ہم نے جیسا کہ پہلے ماضی کی بحث میں لکھا ہے دیگر کتب قواعد کے خلاف یہاں ہم آتے ہیں یا لاتے ہیں لکھا ہے۔

ایسے صیغے مطلق استعمال نہیں کرتے۔

فعل حال ایک اور طریقہ سے بھی بناتے ہیں۔ کہ مصدر سے علامتِ مصدر یعنی "نا" دور کر کے واحد مذکر غائب اور حاضر کے لیئے رہا ہے اور جمع مذکر و مؤنث متکلم کے لیئے رہے ہیں اور واحد مؤنث غائب اور حاضر کے لیئے رہی ہیں اور جمع مؤنث غائب کے لیئے رہی ہیں اور جمع مذکر حاضر کے لیئے رہے ہو۔ اور جمع مؤنث حاضر کے لیئے رہی ہو۔ اور واحد متکلم مذکر کے لیئے رہا ہوں اور واحد مؤنث متکلم کے لیئے رہی ہوں زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے وہ کر رہا ہے وہ کر رہے ہیں وہ کر رہی ہے وہ کر رہی ہیں۔ تو کر رہا ہے تم کر رہے ہو۔ تو کر رہی ہے۔ تم کر رہی ہو۔ میں کر رہا ہوں۔ ہم کر رہے ہیں میں کر رہی ہوں ہم کر رہے ہیں

لیکن بعض مصادر مزید فیہ[1] ایسے ہیں جن کی ماضی قریب اور اس طرح کے فعل حال کے صیغوں میں کچھ فرق نہیں ہوتا جیسے آرہا ہے یہ آنا کا فعل حال بھی ہے اور آرہنا کی ماضی قریب بھی ہے۔

فعل حال کبھی مستقبل کا کام دیتا ہے مثلاً حامد! خالد سے کہو ہم ابھی آتے ہیں۔ **شعر**

ایسی ہی بے قراری رہی متصل اگر ـــــ اے شیفتہ ہم آج نہیں بچتے شب تلک

کبھی ماضی کی جگہہ استعمال کرتے ہیں جیسے "حکما کہتے ہیں" "شیخ سعدی فرماتے ہیں"

فعلِ مستقبل

اس سے زمانہ آیندہ مفہوم ہوتا ہے۔

قاعدہ ۔ مضارع پر "گا" زیادہ کرو۔ اور "گا" کے الف کو صیغہائے جمع مذکر اور جمع مؤنث متکلم میں یائے مجہول سے باقی مؤنثوں میں یائے معروف سے بدل دو مستقبل بن جائیگا۔

گردان

صیغہ / فعل	مستقبل مثبت معروف
واحد مذکر غائب	وہ آئے گا یا لائے گا
جمع مذکر غائب	وہ آئیں گے یا لائیں گے
واحد مؤنث غائب	وہ آئے گی یا لائے گی
جمع مؤنث غائب	وہ آئیں گی یا لائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو آئے گا یا لائے گا
جمع مذکر حاضر	تم آؤ گے یا لاؤ گے
واحد مؤنث حاضر	تو آئے گی یا لائے گی
جمع مؤنث حاضر	تم آؤ گی یا لاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں آؤں گا یا لاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم آئیں گے یا لائیں گے
واحد مؤنث متکلم	میں آؤں گی یا لاؤں گی
جمع مؤنث متکلم	ہم آئیں گے یا لائیں گے

[1] کوئی صاحب جو عربی پڑھے ہوئے ہوں یہ نہ کہیں کہ مصادر کی صفت مزید فیہا لکھنا چاہیئے تھا۔ ہم نے مزید فیہ عمداً لکھا ہے۔

تم کو یاد ہوگا ہم نے مضارع کے بیان میں لکھا ہے کہ ہونا کا مضارع ہووے اور ہو دو طرح سے آتا ہے جن میں سے ہو کثیر الاستعمال ہے مستقبل بھی عموماً ہو، ہی، ہے سے بناتے ہیں۔ مگر جب ہووے سے استقبال بناتے ہیں تو اکثر ووے کے واؤ کو ہمزے سے بدل کر ہوئے گا کہتے ہیں۔ مومن

روشن ہے جو ہے آلِ عبا کا پایہ	ہاں مرتبہ تسلیم و رضا کا پایہ
قندیل ہے عرش کی جو ہر جانِ شہید	کیا ہوئے گا شاد شہدا کا پایہ

ہوگا کبھی تھے کے معنی دیتا ہے۔ مگر شک بدستور قائم رہتا ہے۔ رباعی

اِک گور پرست نے یہ دہری سے کہا	ہوگا نہ شقی کوئی جہاں میں تجھ سا
دہری نے کہا کہ کیا خدا کا منکر	اُس سے بھی گیا کہ جس کے لاکھوں ہوں خدا

کبھی فعل مستقبل سے علامتِ استقبال حذف کر دیتے ہیں۔ شعر

نہ پوری ہوئی ہیں اُمیدیں نہ ہوں	یونہی عمر ساری گزر جائے گی

یعنی اُمیدیں نہ پوری ہوئی ہیں نہ ہوں گی۔

فعل امر

اس میں مخاطب کو کسی کام کا حکم ہوتا ہے۔ یہاں حکم سے مراد لغوی حکم نہیں ہے۔ کیوں کہ بندہ خدا کو، محکوم حاکم کو، بیٹا باپ کو، شاگرد اُستاد کو، کیا حکم دے سکتا ہے لیکن بندہ خدا سے یا محکوم حاکم سے یا بیٹا باپ سے یا شاگرد اُستاد سے جو دُعا یا سوال یا درخواست کرتا ہے اس کو بھی اصطلاحِ صرف میں اَمر کہتے ہیں۔ ایک بندۂ خدا خدا سے التجا کرتا ہوا کہتا ہے مصرع

کر رحم خدایا تو رحیم الرحما ہے

قاعدہ۔ مصدر سے علامتِ مصدر حذف کردو واحد مذکر کا صیغہ بن جائے گا۔ اور واؤ مجہول زیادہ کرنے سے صیغۂ جمع۔ اور اگر واحد میں پچھلا حرفِ الف یا واؤ مجہول ہو تو جمع میں واؤ مجہول سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کرو۔ جیسے آؤ۔ سوؤ۔

امر کا صحیح مفہوم تو یہی ہے کہ مخاطب کو حکم کیا جائے اور اسی لیئے اُردو میں امر کے چار سے زیادہ صیغے نہیں ہونے چاہئیں یعنی دو مذکر حاضر کے مگر بعض اہل قواعد نے اس کے بارہ صیغے پیدا کیئے ہیں۔ تعجب ہے کہ اُنھوں نے اس بات کو نہیں سمجھا کہ ایک زبان کو دوسری زبان پر قیاس نہیں کرتے اور یہ کہ ایک زبان دوسری زبان کے قواعد کی محکوم نہیں ہو سکتی اور یہ کہ قواعد محکوم زبان ہیں نہ زبان محکومِ قواعد۔ اگر عربی میں امر حاضر اور امر غائب کے مل کر چودہ صیغے ہیں تو ہم اہلِ عرب کی تقلید کیوں کریں۔ اُردو کا اہلِ زبان کبھی اپنے اوپر آپ حکم نہیں کر سکتا اِن وجوہ سے امر میں سے متکلم کے چار صیغے تو قطعاً نکل گئے۔ مگر اب بحث اس میں ہے کہ اُردو میں امر غائب کے صیغے ہوتے ہیں یا نہیں۔ ہمارے نزدیک غائب کا ایسا کوئی صیغہ نہیں جس میں امر حاضر کی طرح حکم واقع ہو سکے۔ جو افعال امر غائب کے صیغے قرار دیئے جاتے ہیں وہ پورا جملہ بننے کے سوا کبھی کام نہیں دے سکتے۔ مثلاً احمد سے کہو کہ میز پر سے میری کتاب اُٹھا لائے۔ اس فقرے میں اُٹھا لانے کا امر قرار دینا تکلف سے خالی نہیں اس میں وہ صیغہ جو امر کا صحیح اور اصلی مصداق ہو سکتا ہے کہو ہے۔ اور میز پر سے اُٹھا لائے اس کا بیان کیوں کہ جب تک یہ بیان نہ کیا جائے کہ کیا کہنا چاہیئے کہو کچھ فائدہ نہیں دے سکتا۔ مگر چونکہ غائب کے صیغوں میں بھی امر کی جھلک پائی جاتی ہے اس لیئے چار صیغے امر غائب کے اور بڑھا دو تو امر کے کل آٹھ صیغے ہوئے۔ امر غائب کے صیغوں کے بنانے کا کوئی جُدا قاعدہ نہیں۔ یہ مضارع غائب ہی کے صیغے ہیں جن سے امر غائب کا کام لیا جاتا ہے۔

گردان

جمع مؤنث حاضر	واحد مؤنث حاضر	جمع مذکر حاضر	واحد مذکر حاضر	جمع مؤنث غائب	واحد مؤنث غائب	جمع مذکر غائب	واحد مذکر غائب	صیغہ / فعل
تم آؤ یا لاؤ	تو آ یا لا	تم آؤ یا لاؤ	تو آ یا لا	وہ آئیں یا لائیں	وہ آئے یا لائے	وہ آئیں یا لائیں	وہ آئے یا لائے	امر معروف

کبھی امر کے آخر میں یائے تحتانی اور واؤ مجہول زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے دوڑیو۔ بچیو۔ لیکن کرنا سے اس طرح کا امر کریو نہیں آتا۔ کیجیو آتا ہے۔

جن امروں کے آخر الف یا واؤ مجہول ہوتا ہے ان میں یائے مضموم کے پہلے ہمزہ مکسور بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے کھائیو۔ سوئیو۔ **شعر**

یارب نگاہِ بد سے چمن کو بچائیو	بلبل بہت ہی دیکھ کے پھولوں کو باغ باغ

اور جس امر کے آخر یائے معروف یا مجہول ہو تو اس میں یو زائد پر ایک جیم بڑھا کر یائے مجہول کو معروف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے بچیو، لیجیو، دیجیو وغیرہ لیکن ہر ایک امر پر تم حروف مذکورہ بڑھا کر اس صورت کے امر نہیں بنا سکتے۔

کیجیو، بچیو، لیجیو وغیرہ میں سے یائے مضموم کو حذف کرکے کیجو، بچو، لیجو وغیرہ بھی بولتے ہیں اس قسم کے امر سے (یعنی جس میں اصل پر حروف زیادہ کیے جاتے ہیں) مقام دعا میں مضارع کا کام بھی لیتے ہیں۔ جیسے **حالی**

دلِ احباب پر نہیں چلتا	سحر میرا کہ رہیو غیر سے دور
اے چشمۂ آبِ زندگانی	گھٹیو نہ کبھی تری روانی

فعل مضارع کی بحث میں ہم بیان کر آئے ہیں کہ لائیے اور کیجئے وغیرہ صیغہائے متکلم مقام تعظیم میں امر کا کام بھی دیتے ہیں۔ بلکہ زیادہ تر یہ امر ہی کا کام دیتے ہیں اس لیے ہمارے نزدیک ان کو صیغہائے امر کہنا بھی درست ہے۔

اسی طرح مقام تعظیم میں صیغۂ غائب (فعل امر) کو استعمال کرتے ہیں مگر ان صیغوں کے ساتھ تم کا لفظ نہیں بولتے آپ کا لفظ بولتے ہیں۔ جیسے آپ بیٹھے ہیں۔ آپ تشریف لائیں۔

ہندوستان میں مقام تعظیم و ادب میں تم سے خطاب نہیں کرتے۔ آپ بولتے ہیں یہی وجہ ہے کہ کیجئے گا اور لیجئے گا وغیرہ صیغوں کے ساتھ آپ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے تم کیجئے گا۔ تم لیجئے گا نہیں بولتے اور زیادہ ادب ملحوظ ہو تو جناب کہتے ہیں۔ اس سے زیادہ ہو تو حضور۔ عربی

فارسی میں یہ تکلفات نہیں۔ عربی میں چھوٹا ہو یا بڑا سب کو اَنتَ سے خطاب کرتے ہیں۔ اَنتُم (تم) بھی نہیں کہتے۔ فارسی اور پنجابی کا ایک حال ہے۔ فارسی میں شُما اور پنجابی میں تُسی ادب کے الفاظ ہیں پنجابی میں تُسی سے بڑھ کر کوئی تعظیم و ادب کا لفظ نہیں۔ اور اس کے ساتھ ہمیشہ جمع حاضر امر کا صیغہ استعمال کیا جاتا ہے۔

ضرور نہیں کہ مخاطب آنکھ کے سامنے موجود ہو یا موجود فی الخارج ہو۔ مولوی حالی نا اُمیدی اور اُمید کو مخاطب کر کے کہتے ہیں ؎

بس اے نا اُمیدی نہ یوں دل بجھا تو	جھلک اے اُمید اپنی آخر دکھا تو
ذرا نا اُمیدوں کی ڈھارس بندھا تو	فسردہ دلوں کے دل آکر بڑھا تو

ترے دَم سے مُردوں میں جانیں پڑی ہیں
جلی کھیتیاں تو نے سرسبز کی ہیں

کبھی مخاطب غیر معین ہوتا ہے۔ **شعر**

قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح		لگا دو آگ کوئی آشیاں میں
پوچھتے ہیں وہ کہ غالب کون ہے	غالب	کوئی بتلاؤ کہ ہم بتلائیں کیا

کبھی امر مرکب سے جزو ثانی حذف کر دیتے ہیں۔ **شعر**

ڈر ہے دلوں کے ساتھ اُمیدیں بھی پس نہ جائیں	اے آسیائے گردشِ لیل و نہار بس

یعنی بس کر ؎

مدد اے جذبۂ توفیق کہ یاں	ہو چکا کام توانائی کا

یعنی مدد کر۔

امر کے بعض صیغے تنبیہ کے مقام پر بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے دیکھ، دیکھو۔ سُن سُنو

فعل نہی

قاعدہ۔ امر کے اوّل میں نہ یا مت لگاؤ صیغہ نہی بن جائیگا۔

گردان

صیغہ / فعل	نہی معروف	ایضاً
واحد مذکر غائب	وہ نہ آئے یا نہ لائے	وہ مت آئے یا مت لائے
جمع مذکر غائب	وہ نہ آئیں یا نہ لائیں	وہ مت آئیں یا مت لائیں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ آئے یا نہ لائے	وہ مت آئے یا مت لائے
جمع مؤنث غائب	وہ نہ آئیں یا نہ لائیں	وہ مت آئیں یا مت لائیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ آ یا نہ لا	تو مت آ یا مت لا
جمع مذکر حاضر	تم نہ آؤ یا نہ لاؤ	تم مت آؤ یا مت لاؤ
واحد مؤنث حاضر	تو نہ آ یا نہ لا	تو مت آ یا مت لا
جمع مؤنث حاضر	تم نہ آؤ یا نہ لاؤ	تم مت آؤ یا مت لاؤ

مت جس طرح فعل کے آغاز میں آتا ہے اسی طرح بعد میں بھی آتا ہے۔ جیسے بولو مت ۔ نہیں جو ایک نفی کا حرف ہے فعل امر کے بعد واقع ہو کر نہی کے معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسے جھگڑو نہیں ظفر

ہمدمو! تم میری حالت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں
دیکھ لو چہرے کی رنگت مجھ سے کچھ پوچھو نہیں

کبھی کلام میں فعل کو حذف کر دیتے اور صرف نہیں سے فعل نہی کا کام لیتے ہیں۔ جیسے "کھیلو مگر ہر وقت نہیں"

مصدر پر بھی نہ اور مت واقع ہو کر افادہ فعل نہی کرتے ہیں۔ الاسلام میں ہے۔

مری[1] قبر کو تم نہ مسجد بنانا
نہ تربت پہ میری کبھی سر جھکانا
مری منزلت سے نہ مجھ کو بڑھانا
خدا سے نہ ہرگز کہیں جا بھڑانا
کہ مجھ میں نہیں کوئی شانِ خدائی
بشر ہوں تمہاری طرح ایک میں بھی

فائدہ۔ جب مصدر افادۂ امر حاضر یا نہی حاضر کرتا ہے ضمیر فاعلی (تم) اُس کے ساتھ بہت کم استعمال کرتے ہیں اور جب کرتے ہیں تو ضمیر کے ساتھ نے علامت فاعل ہرگز استعمال نہیں کرتے۔

[1] یہ ایک حدیث کا ترجمہ ہے۔

شعر

یوں ہی گر روتا رہا غالبؔ تو اے اہلِ جہاں	دیکھنا اِن بستیوں کو تم کہ ویراں ہو گئیں۔

پنجاب میں اکثر لوگ تم نے کرنا اور تم سے مت کرنا بولتے ہیں یہ غلط ہے۔

فعل مجہول

تم پڑھ چکے ہو کہ فعل مجہول میں فاعل مذکور نہیں ہوتا اور مفعول قائم مقام فاعل آتا ہے اسی لیئے مجہول فعل متعدی سے آتا ہے فعل لازم کا مجہول نہیں ہوتا۔

بنانے کا قاعدہ یہ ہے کہ جس فعل معروف کو مجہول بنانا چاہو تو اُس کی ماضی مطلق کے ساتھ مصدر جانا کا وہی صیغہ بڑھا دو جو بنانا مطلوب ہے اور اِس بات کا خیال رکھو کہ معروف کی ماضی مطلق اور جانا کے مشتقات میں وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث میں مطابقت رہے یعنی اگر صیغہ واحد بنانا ہو تو دونوں واحد ہوں اور جمع بنانا ہو تو دونوں جمع مذکر میں مذکر اور مونث میں بہ استثنائے جمع مونث متکلم مونث[۵] البتہ صیغہائے ماضی کی مونثات متعدی کے معروف کو جمع نہیں کرتے اور علامتِ جمع صرف مشتقات جانا میں لگاتے ہیں۔ جیسے پالا گیا۔ پالے گئے۔ پالی گئی۔ پالی گئیں اور صیغہائے مضارع و حال و استقبال و امر و نہی میں چونکہ صیغہ کی حالت بدل جاتی ہے یعنی متعدی کے معروف میں ماضی ہوتی ہے اور جانا مشتق مضارع و حال وغیرہ اس لیئے جمع مذکر کے صیغوں میں بھی علامتِ جمع لگاتے ہیں۔ جیسے پالے جائیں باقی سب باتیں صیغہائے ماضی کی طرح بدستور رہتی ہیں۔ مصدر مجہول بنانا چاہو تو فعل ماضی مطلق پر جانا لگا دو مصدر بن جائیگا۔ جیسے پالا جانا، کیا جانا وغیرہ۔ نقشۂ ذیل میں تمام افعال مثبت مجہول کی گردانیں لکھی جاتی ہیں۔

[۵] یہ ہم پہلے معروف کی بحث میں لکھ چکے ہیں کہ جمع مونث متکلم کا صیغہ محاورۂ دہلی و لکھنؤ میں وہی ہوتا ہے جو جمع مذکر متکلم کا ہوتا ہے تو جہاں مونثات کا ذکر ہو وہاں صیغۂ جمع مونث متکلم کو اُس سے خارج سمجھنا چاہیئے۔

گردانیں

فعل / صیغہ	ماضی مطلق مثبت مجہول	ماضی قریب مثبت مجہول	ماضی بعید مثبت مجہول	ماضی استمراری یا ناتمام مثبت مجہول	ماضی شکی یا احتمالی مثبت مجہول	ماضی شرطی یا تمنائی مثبت مجہول
واحد مذکر غائب	وہ لایا گیا	وہ لایا گیا ہے	وہ لایا گیا تھا	وہ لایا جاتا تھا	وہ لایا جاتا ہوگا	وہ لایا جاتا - لایا گیا ہوتا - لایا گیا ہو
جمع مذکر غائب	وہ لائے گئے	وہ لائے گئے ہیں	وہ لائے گئے تھے	وہ لائے جاتے تھے	وہ لائے جاتے ہونگے	وہ لائے جاتے - لائے گئے ہوتے - لائے گئے ہوں
واحد مؤنث غائب	وہ لائی گئی	وہ لائی گئی ہے	وہ لائی گئی تھی	وہ لائی جاتی تھی	وہ لائی جاتی ہوگی	وہ لائی جاتی - لائی گئی ہوتی - لائی گئی ہو
جمع مؤنث غائب	وہ لائی گئیں	وہ لائی گئی ہیں	وہ لائی گئی تھیں	وہ لائی جاتی تھیں	وہ لائی جاتی ہونگی	وہ لائی جاتیں - لائی گئی ہوتیں - لائی گئی ہوں
واحد مذکر حاضر	تو لایا گیا	تو لایا گیا ہے	تو لایا گیا تھا	تو لایا جاتا تھا	تو لایا جاتا ہوگا	تو لایا جاتا - لایا گیا ہوتا - لایا گیا ہو
جمع مذکر حاضر	تم لائے گئے	تم لائے گئے ہو	تم لائے گئے تھے	تم لائے جاتے تھے	تم لائے جاتے ہوگے	تم لائے جاتے - لائے گئے ہوتے - لائے گئے ہو
واحد مؤنث حاضر	تو لائی گئی	تو لائی گئی ہے	تو لائی گئی تھی	تو لائی جاتی تھی	تو لائی جاتی ہوگی	تو لائی جاتی - لائی گئی ہوتی - لائی گئی ہو
جمع مؤنث حاضر	تم لائی گئیں	تم لائی گئی ہو	تم لائی گئی تھیں	تم لائی جاتی تھیں	تم لائی جاتی ہوگی	تم لائی جاتیں - لائی گئی ہوتیں - لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں لایا گیا	میں لایا گیا ہوں	میں لایا گیا تھا	میں لایا جاتا تھا	میں لایا جاتا ہونگا	میں لایا جاتا - لایا گیا ہوتا - لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم لائے گئے	ہم لائے گئے ہیں	ہم لائے گئے تھے	ہم لائے جاتے تھے	ہم لائے جاتے ہونگے	ہم لائے جاتے - لائے گئے ہوتے - لائے گئے ہوں
واحد مؤنث متکلم	میں لائی گئی	میں لائی گئی ہوں	میں لائی گئی تھی	میں لائی جاتی تھی	میں لائی جاتی ہونگی	میں لائی جاتی - لائی گئی ہوتی - لائی گئی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم لائے گئے	ہم لائے گئے ہیں	ہم لائے گئے تھے	ہم لائے جاتے تھے	ہم لائے جاتے ہونگے	ہم لائے جاتے - لائے گئے ہوتے - لائے گئے ہوں

صیغہ / فعل	مضارع مثبت مجہول	حال مثبت مجہول	مستقبل مثبت مجہول	امر مجہول	نہی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ لایا جائے	وہ لایا جاتا ہے	وہ لایا جائے گا	وہ لایا جائے	وہ نہ لایا جائے یا مت لایا جائے
جمع مذکر غائب	وہ لائے جائیں	وہ لائے جاتے ہیں	وہ لائے جائیں گے	وہ لائے جائیں	وہ نہ لائے جائیں یا مت لائے جائیں
واحد مؤنث غائب	وہ لائی جائے	وہ لائی جاتی ہے	وہ لائی جائے گی	وہ لائی جائے	وہ نہ لائی جائے یا مت لائی جائے
جمع مؤنث غائب	وہ لائی جائیں	وہ لائی جاتی ہیں	وہ لائی جائیں گی	وہ لائی جائیں	وہ نہ لائی جائیں یا مت لائی جائیں
واحد مذکر حاضر	تو لایا جائے	تو لایا جاتا ہے	تو لایا جائے گا		
جمع مذکر حاضر	تم لائے جاؤ	تم لائے جاتے ہو	تم لائے جاؤ گے		
واحد مؤنث حاضر	تو لائی جائے	تو لائی جاتی ہے	تو لائی جائے گی		
جمع مؤنث حاضر	تم لائی جاؤ	تم لائے جاتے ہو	تم لائے جاؤ گے		
واحد مذکر متکلم	میں لایا جاؤں	میں لایا جاتا ہوں	میں لایا جاؤں گا		
جمع مذکر متکلم	ہم لائے جائیں	ہم لائے جاتے ہیں	ہم لائے جائیں گے		
واحد مؤنث متکلم	میں لائی جاؤں	میں لائی جاتی ہوں	میں لائی جاؤں گی		
جمع مؤنث متکلم	ہم لائے جائیں	ہم لائے جاتے ہیں	ہم لائے جائیں گے		

حقیقت میں اُردو میں مجہول دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک لفظی ایک معنوی۔ لفظی وہ جس میں علامت مجہول جو بیان کی گئی ہے ظاہر ہو۔ جیسے لُوٹا جانا۔ مارا جانا۔ پوجا جانا وغیرہ۔ معنوی وہ جس میں علامتِ مذکورہ ظاہر نہ ہو۔ جیسے لُٹنا۔ پِٹنا۔ پُجنا وغیرہ۔ اور کچھ شک نہیں کہ جس طرح لُوٹا جانا مارا جانا۔ پوجا جانا۔ بغیر لوٹنے والے اور مارنے والے اور پُوجنے والے کے وقوع میں نہیں آسکتا۔ اسی طرح لُٹنا اور پِٹنا اور پُجنا لُوٹنے والے اور پیٹنے والے اور پُوجنے والے کے

سو وقوع میں نہیں آسکتا۔ مگر چوں کہ بدون علامت ہر ایک شخص کو معروف و مجہول معنوی میں امتیاز کرنا دشوار ہے۔ اس لیئے ہم مجہول کی دو قسمیں قرار نہیں دیتے۔ لیکن اگر کوئی فعل مجہول معنوی کو مجہول معنوی کہے اور ترکیب میں اس کے فاعل کا مفعول مالم یسم فاعلہ نام رکھے تو اس کا کہنا صحیح ہو گا۔

بحث نفی

اقسام فعل کے بیان میں یہ لکھ دیا گیا ہے کہ فعل یا مثبت ہوتا ہے یا منفی یعنی اس سے کام کا اثبات یعنی ہونا سمجھا جاتا ہے یا نفی یعنی نہ ہونا۔ سو جو کچھ تم اوپر پڑھ چکے ہو یہ فعل مثبت کی بحثیں تھیں اب منفی کا بیان سنو۔

جب فعل میں اظہارِ نفی مقصود ہو تو یعنی یہ کہنا ہو کہ کام نہیں ہوا یا نہیں کیا تو اُس کا قاعدہ یہ ہے کہ فعل مثبت کے اوّل میں نہ یا نہیں لگا دو۔ مگر مضارع اور ماضی شرطی یا تمنائی پر نہیں نہیں لگتا[1]۔ صرف نہ لگتا ہے۔ گردانیں دیکھو۔

[1] مضارع پر کبھی محاورے میں نہیں آبھی جاتا ہے مگر فعل کے پہلے نہیں بلکہ بعد کو جیسے حضرت موسیٰؑ نے خدا سے عرض کیا تھا کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ یعنی فرعون اور اس کے درباری مجھے جھٹلائیں نہیں۔

(ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد)

افعال منفی معروف کی گردانیں ؎۱

صیغہ / فعل	ماضی مطلق منفی معروف	ماضی قریب منفی معروف	ماضی بعید منفی معروف	ماضی استمراری یا ناتمام منفی معروف
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا یا نہیں لایا	وہ نہ لایا ہے یا نہیں لایا ہے	وہ نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	وہ نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے یا نہیں لائے	وہ نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	وہ نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	وہ نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی یا نہیں لائی	وہ نہ لائی ہے یا نہیں لائی ہے	وہ نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	وہ نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائیں یا نہیں لائیں	وہ نہ لائی ہیں یا نہیں لائی ہیں	وہ نہ لائی تھیں یا نہیں لائی تھیں	وہ نہ لاتی تھیں یا نہیں لاتی تھیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا یا نہیں لایا	تو نہ لایا ہے یا نہیں لایا ہے	تو نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	تو نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے یا نہیں لائے	تم نہ لائے ہو یا نہیں لائے ہو	تم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	تم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی یا نہیں لائی	تو نہ لائی ہے یا نہیں لائی ہے	تو نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	تو نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائیں یا نہیں لائیں	تم نہ لائی ہو یا نہیں لائی ہو	تم نہ لائی تھیں یا نہیں لائی تھیں	تم نہ لاتی تھیں یا نہیں لاتی تھیں
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا یا نہیں لایا	میں نہ لایا ہوں یا نہیں لایا ہوں	میں نہ لایا تھا یا نہیں لایا تھا	میں نہ لاتا تھا یا نہیں لاتا تھا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے یا نہیں لائے	ہم نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	ہم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	ہم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی یا نہیں لائی	میں نہ لائی ہوں یا نہیں لائی ہوں	میں نہ لائی تھی یا نہیں لائی تھی	میں نہ لاتی تھی یا نہیں لاتی تھی
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے یا نہیں لائے	ہم نہ لائے ہیں یا نہیں لائے ہیں	ہم نہ لائے تھے یا نہیں لائے تھے	ہم نہ لاتے تھے یا نہیں لاتے تھے

؎۱ ان گردانوں میں ہم نے طوالت کے خیال سے وہ فعل نہیں لکھے جن کی ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ "نے" آتا ہے یا مفعول کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع کے سبب صیغہ کی حالت بدل جاتی ہے۔

صیغہ / فعل	ماضی شکی یا احتمالی منفی معروف	ماضی شرطی یا تمنائی منفی معروف	مضارع منفی معروف	حال منفی معروف	مستقبل منفی معروف
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا ہوگا یا نہیں لایا ہوگا	وہ نہ لاتا - وہ نہ لایا ہوتا - وہ نہ لایا ہو	وہ نہ لائے	وہ نہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے	وہ نہ لائے گا یا نہیں لائے گا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	وہ نہ لاتے - وہ نہ لائے ہوتے - وہ نہ لائے ہوں	وہ نہ لائیں	وہ نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	وہ نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	وہ نہ لاتی - وہ نہ لائی ہوتی - وہ نہ لائی ہو	وہ نہ لائے	وہ نہ لاتی ہے یا نہیں لاتی ہے	وہ نہ لائے گی یا نہیں لائے گی
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائی ہونگی یا نہیں لائی ہونگی	وہ نہ لاتیں - وہ نہ لائی ہوتیں - وہ نہ لائی ہوں	وہ نہ لائیں	وہ نہ لاتی ہیں یا نہیں لاتی ہیں	وہ نہ لائیں گی یا نہیں لائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا ہوگا یا نہیں لایا ہوگا	تو نہ لاتا - تو نہ لایا ہوتا - تو نہ لایا ہو	تو نہ لائے	تو نہ لاتا ہے یا نہیں لاتا ہے	تو نہ لائے گا یا نہیں لائے گا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے ہوگے یا نہیں لائے ہوگے	تم نہ لاتے - تم نہ لائے ہوتے - تم نہ لائے ہو	تم نہ لاؤ	تم نہ لاتے ہو یا نہیں لاتے ہو	تم نہ لاؤ گے یا نہیں لاؤ گے
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	تو نہ لاتی - تو نہ لائی ہوتی - تو نہ لائی ہو	تو نہ لائے	تو نہ لاتی ہے یا نہیں لاتی ہے	تو نہ لائے گی یا نہیں لائے گی
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائی ہوگی یا نہیں لائی ہوگی	تم نہ لاتیں - تم نہ لائی ہوتیں - تم نہ لائی ہو	تم نہ لاؤ	تم نہ لاتی ہو یا نہیں لاتی ہو	تم نہ لاؤ گی یا نہیں لاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا ہوں گا یا نہیں لایا ہوں گا	میں نہ لاتا - میں نہ لایا ہوتا - میں نہ لایا ہوں	میں نہ لاؤں	میں نہ لاتا ہوں یا نہیں لاتا ہوں	میں نہ لاؤں گا یا نہیں لاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	ہم نہ لاتے - ہم لائے ہوتے - ہم نہ لائے ہوں	ہم نہ لائیں	ہم نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	ہم نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی ہونگی یا نہیں لائی ہونگی	میں نہ لاتی - میں نہ لائی ہوتی - میں نہ لائی ہوں	میں نہ لاؤں	میں نہ لاتی ہوں یا نہیں لاتی ہوں	میں نہ لاؤں گی یا نہیں لاؤں گی
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے ہونگے یا نہیں لائے ہونگے	ہم نہ لاتے - ہم نہ لائے ہوتے - ہم نہ لائے ہوں	ہم نہ لائیں	ہم نہ لاتے ہیں یا نہیں لاتے ہیں	ہم نہ لائیں گے یا نہیں لائیں گے

تم کو یاد ہوگا۔ ہم صیغوں کے شمار میں لکھ چکے ہیں کہ فعل منفی میں نہ امر آتا ہے نہ نہی اس لئے
اس کے صرف ایک سو آٹھ صیغے ہیں۔

فائدہ ۔ محاورے میں کبھی فعل مثبت بھی منفی کا کام دیتا ہے۔ خواجہ حالی ایک قصیدۂ نعتیہ
کی تشبیب میں کہتے ہیں **شعر**

میں بھی ہوں حسنِ طبع پر مغرور	مجھ سے اُٹھیں گے اُن کے ناز ضرور

یعنی مجھ سے اُن کے ناز نہیں اُٹھنے کے۔

افعال منفی مجہول کی گردانیں

صیغہ / فعل	ماضی مطلق منفی مجہول	ماضی قریب منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	وہ نہ لایا گیا ہے یا نہیں لایا گیا ہے
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	وہ نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	وہ نہ لائی گئی ہے یا نہیں لائی گئی ہے
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئیں یا نہیں لائی گئیں	وہ نہ لائی گئی ہیں یا نہیں لائی گئی ہیں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	تو نہ لایا گیا ہے یا نہیں لایا گیا ہے
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	تم نہ لائے گئے ہو یا نہیں لائے گئے ہو
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	تو نہ لائی گئی ہے یا نہیں لائی گئی ہے
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائی گئیں یا نہیں لائی گئیں	تم نہ لائی گئی ہو یا نہیں لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا گیا یا نہیں لایا گیا	میں نہ لایا گیا ہوں یا نہیں لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	ہم نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی گئی یا نہیں لائی گئی	میں نہ لائی گئی ہوں یا نہیں لائی گئی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے گئے یا نہیں لائے گئے	ہم نہ لائے گئے ہیں یا نہیں لائے گئے ہیں

فعل / صیغہ	ماضی بعید منفی مجہول	ماضی استمراری یا ناتمام منفی مجہول	ماضی شکی یا احتمالی منفی مجہول	ماضی شرطی یا تمنائی منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	وہ نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	وہ نہ لایا جاتا ہوگا یا نہیں لایا جاتا ہوگا	وہ نہ لایا جاتا - نہ لایا گیا ہوتا - نہ لایا گیا ہو
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	وہ نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	وہ نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	وہ نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہوں
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	وہ نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	وہ نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	وہ نہ لائی جاتی - نہ لائی گئی ہوتی - نہ لائی گئی ہو
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائی گئی تھیں یا نہیں لائی گئی تھیں	وہ نہ لائی جاتی تھیں یا نہیں لائی جاتی تھیں	وہ نہ لائی جاتی ہونگی یا نہیں لائی جاتی ہونگی	وہ نہ لائی جاتیں - نہ لائی گئی ہوتیں - نہ لائی گئی ہوں
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	تو نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	تو نہ لایا جاتا ہوگا یا نہیں لایا جاتا ہوگا	تو نہ لایا جاتا - نہ لایا گیا ہوتا - نہ لایا گیا ہو
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	تم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	تم نہ لائے جاتے ہوگے یا نہیں لائے جاتے ہوگے	تم نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہو
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	تو نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	تو نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	تو نہ لائی جاتی - نہ لائی گئی ہوتی - نہ لائی گئی ہو
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائی گئی تھیں یا نہیں لائی گئی تھیں	تم نہ لائی جاتی تھیں یا نہیں لائی جاتی تھیں	تم نہ لائی جاتی ہوگی یا نہیں لائی جاتی ہوگی	تم نہ لائی جاتیں - نہ لائی گئی ہوتیں - نہ لائی گئی ہو
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا گیا تھا یا نہیں لایا گیا تھا	میں نہ لایا جاتا تھا یا نہیں لایا جاتا تھا	میں نہ لایا جاتا ہونگا یا نہیں لایا جاتا ہونگا	میں نہ لایا جاتا - نہ لایا گیا ہوتا - نہ لایا گیا ہوں
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	ہم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	ہم نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	ہم نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہوں
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی گئی تھی یا نہیں لائی گئی تھی	میں نہ لائی جاتی تھی یا نہیں لائی جاتی تھی	میں نہ لائی جاتی ہونگی یا نہیں لائی جاتی ہونگی	میں نہ لائی جاتی - نہ لائی گئی ہوتی - نہ لائی گئی ہوں
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے گئے تھے یا نہیں لائے گئے تھے	ہم نہ لائے جاتے تھے یا نہیں لائے جاتے تھے	ہم نہ لائے جاتے ہونگے یا نہیں لائے جاتے ہونگے	ہم نہ لائے جاتے - نہ لائے گئے ہوتے - نہ لائے گئے ہوں

صیغہ / فعل	مضارع منفی مجہول	حال منفی مجہول	مستقبل منفی مجہول
واحد مذکر غائب	وہ نہ لایا جائے	وہ نہ لایا جاتا ہے یا نہیں لایا جاتا ہے	وہ نہ لایا جائے گا یا نہیں لایا جائے گا
جمع مذکر غائب	وہ نہ لائے جائیں	وہ نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	وہ نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے
واحد مؤنث غائب	وہ نہ لائی جائے	وہ نہ لائی جاتی ہے یا نہیں لائی جاتی ہے	وہ نہ لائی جائے گی یا نہیں لائی جائے گی
جمع مؤنث غائب	وہ نہ لائی جائیں	وہ نہ لائی جاتی ہیں یا نہیں لائی جاتی ہیں	وہ نہ لائی جائیں گی یا نہیں لائی جائیں گی
واحد مذکر حاضر	تو نہ لایا جائے	تو نہ لایا جاتا ہے یا نہیں لایا جاتا ہے	تو نہ لایا جائے گا یا نہیں لایا جائے گا
جمع مذکر حاضر	تم نہ لائے جاؤ	تم نہ لائے جاتے ہو یا نہیں لائے جاتے ہو	تم نہ لائے جاؤ گے یا نہیں لائے جاؤ گے
واحد مؤنث حاضر	تو نہ لائی جائے	تو نہ لائی جاتی ہے یا نہیں لائی جاتی ہے	تو نہ لائی جائے گی یا نہیں لائی جائے گی
جمع مؤنث حاضر	تم نہ لائی جاؤ	تم نہ لائی جاتی ہو یا نہیں لائی جاتی ہو	تم نہ لائی جاؤ گی یا نہیں لائی جاؤ گی
واحد مذکر متکلم	میں نہ لایا جاؤں	میں نہ لایا جاتا ہوں یا نہیں لایا جاتا ہوں	میں نہ لایا جاؤں گا یا نہیں لایا جاؤں گا
جمع مذکر متکلم	ہم نہ لائے جائیں	ہم نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	ہم نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے
واحد مؤنث متکلم	میں نہ لائی جاؤں	میں نہ لائی جاتی ہوں یا نہیں لائی جاتی ہوں	میں نہ لائی جاؤں گی یا نہیں لائی جاؤں گی
جمع مؤنث متکلم	ہم نہ لائے جائیں	ہم نہ لائے جاتے ہیں یا نہیں لائے جاتے ہیں	ہم نہ لائے جائیں گے یا نہیں لائے جائیں گے

فائدہ ۔ افعالِ معروف و مجہول اور مثبت و منفی کے تمام صیغے نثر میں عموماً اسی طرح استعمال کیے جاتے ہیں جس طرح ہم نے گردانوں میں لکھے ہیں یعنی بلا فصل اجزا و تقدیم و تاخیر مگر نظم میں بسا اوقات ماضی قریب اور حال کا ہے اور ہیں اور ماضی بعید اور ماضی استمراری کا تھا اور تھے اور علاماتِ نفی و نہی فعل سے جُدا ہو کر آگے، پیچھے ہو جاتی ہیں۔ بلکہ منفی صیغوں میں جن میں منجملہ حروف نفی کے نہیں آتا ہے۔ ہے اور ہیں حذف بھی ہو جاتے ہیں۔ نثر میں بھی نہیں مؤخر آجاتا ہے اور ہے اور ہیں حذف ہو جاتے ہیں۔ چند مثالیں سنو حالی ۔

تھے اُسے نعمائے سلطانی سے بہتر جانتے ۔۔۔ اپنی محنت سے اگر نانِ جویں کھاتے تھے ہم

جی چراتے تھے نہ مکروہاتِ عالم سے کبھی ۔۔۔ اور خلافِ چرخِ دَوراں سے نہ گھبراتے تھے ہم

خدا رحم کرتا نہیں اُس بشر پر ۔۔۔ نہ ہو درد کی چوٹ جس کے جگر پر

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز ۔۔۔ کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

جیتے جی رکھ نہ فراغت کی توقع ناداں ۔۔۔ قیدِ ہستی میں مری جان فراغت کیسی

اسم فعل

بعض کلمات ایسے ہیں کہ مصدر سے تو مشتق نہیں مگر ان میں کام کا ہونا مع انضمام وقت پایا جاتا ہے۔ جیسے ہے[1] تھا سہی[2] ان کو ہم اسم فعل کہتے ہیں اس لیئے کہ لفظ کی رو سے تو یہ اسم ہیں اور معنی کے اعتبار سے فعل۔ رہی یہ بات کہ یہ کس قسم کے فعل ہیں یہ کہیں آگے بیان کریں گے۔ ہے جمع میں ہیں ہو جاتا ہے اور واحد متکلم میں ہوں۔ تذکیر و تانیث کا اس میں کچھ امتیاز نہیں تھا مذکر میں تھے اور واحد مؤنث میں تھی اور جمع مؤنث میں تھیں۔ سہی ایک ایسا لفظ ہے کہ کبھی تو خود فعل کا کام دیتا ہے۔ کبھی فعل کے ساتھ زائد آتا ہے اس کی نہ جمع ہوتی ہے نہ تذکیر و تانیث۔ ذیل کے اشعار و فقرات سے مقاماتِ استعمال معلوم ہو سکتے ہیں ؎

قطع کیجیے نہ تعلق ہم سے ۔۔۔ کچھ نہیں ہے تو عداوت ہی سہی

[1] ہے کو اہلِ قواعد نے حرفِ ربط لکھا ہے فعل نہیں لکھا۔ ہم اس کی تحقیق علم نحو میں افعال ناقصہ کی بحث میں لکھیں گے

[2] یہ وہ سہی نہیں جو سہنا کی ماضی ہے، جیسے مصرع یہ سب سہا پر ایک نہیں کی نہیں سہی۔

کچھ تو دے اے فلکِ ناانصاف ہم بھی تسلیم کی خُو ڈالیں گے	آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی بے نیازی تری عادت ہی سہی
ایک ہنگامہ پہ موقوف ہے گھر کی رونق نہ ستائش کی تمنّا نہ صلے کی پروا	نوحۂ غم ہی سہی نغمۂ شادی نہ سہی گر نہیں ہیں مرے اشعار میں معنی نہ سہی

"دیکھو توسہی" "سنو توسہی"

فائدہ۔ ہے کبھی ہوتا ہے کے معنوں میں آتا ہے۔ جیسے ع

کبھی اس طرح بھی ہے دَورِ زماں

یعنی زمانے کا دَور کبھی اس طرح بھی ہوتا ہے۔

افعالِ ناقصہ

بعض فعل ایسے ہیں کہ ظاہر میں تو فعل لازم ہیں۔ مگر جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم یا صفت اُس کے ساتھ نہ ملے پورا مطلب نہیں دیتے۔ اُن کو افعالِ ناقصہ[1] کہتے ہیں۔ اِن کا مفصل بیان علم نحو میں لکھیں گے۔ افعالِ مجرّد میں ہونا اور بننا اور نکلنا (معنی ظاہر ہونا) اور لگنا اور رہنا اور پڑنا اور مزید فیہ میں ہو جانا اور بنجانا کے مشتقات اور تمام اسم فعل یعنی ہے کے تینوں صیغے اور تھا کے چاروں اور سہی یہ سب فعل ناقص ہیں لیکن جب ان افعال میں سے کوئی فعل ایک ہی اسم پر پورا ہو جاتا ہے تو وہ فعل ناقص نہیں رہتا فعل تام ہو جاتا ہے سہی ایک ایسا کلمہ ہے کہ لازم و متعدی معروف و مجہول ناقص و تام سب قسم کے فعلوں کا کام دیتا ہے۔ اسم فعل جب کسی فعل کا جزو ہو جاتا ہے تو فعل ناقص نہیں رہتا۔ جیسے کیا ہے۔ پالا تھا وغیرہ۔

فعلِ معطوف

فعلِ معطوف میں دو فعل ہوتے ہیں۔ پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے۔ دوسرا معطوف۔ اِن

[1] ان افعال کا فاعل اسم کہلاتا ہے۔ اور اسم یا صفت جو فاعل کے علاوہ ملے خبر۔

دو۲ فعلوں کے درمیان کریا تے واقع ہوتا ہی پہلا فعل اگرچہ ہمیشہ امر کا صیغہ ہوتا ہی لیکن فائدہ وہی دیتا ہی جو دوسرا فعل دیتا ہی یعنی دوسرا فعل اگر ماضی یا مضارع یا مستقبل یا امر وغیرہ ہوگا تو پہلا فعل بھی وہی فائدہ دیگا۔ یوں سمجھو کہ پہلا فعل دوسرے فعل کے تابع ہوتا ہی۔ جیسے زید کتاب پڑھ کر سو رہا۔ حامد کھانا کھا کر پڑھے گا۔ یہاں آکر بیٹھو۔ کبھی پہلا فعل دوام ہوتے ہیں جیسے **حالی**

بس بس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں	گڑ گڑ کے عَلَم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اِس کی ہی نوبت تو کل اُس کی باری	بَن بَن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

فعلِ معطوف میں عموماً پہلے فعل کے واقع ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ کبھی محاورے میں فعل کے واقع ہونے کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ جیسے **شعر**

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا	پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

کبھی کریا تے حذف کر دیئے جاتے ہیں **شعر**

وہ عجائب اب نظر آتے نہیں	دیکھ پہلے جن کو رہجاتے تھے دنگ

فعلِ معطوف ایک اور صورت سے بھی آتا ہے یعنی ماضی شرطی پر ہوا۔ ہوئے۔ ہوئی لگانے سے یہ الفاظ بجائے کریا تے سمجھنے چاہئیں۔

مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں یہ شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب (لاٹ صاحب) آتے ہیں۔ فروری کو انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آوازہ بلند ہے کہ فروری میں کلکتے سے چلیں گے۔ بنارس۔ الہ آباد۔ اکبرآباد ہوتے ہوئے مارچ کو انبالے پہنچیں گے،، یعنی بنارس وغیرہ ہو کر مارچ کو انبالے پہنچیں گے۔

فعلِ معطوف کی تیسری صورت ایک اور بھی ہے یعنی ماضی شرطی کے صیغہ جمع مذکور پر ہی (بیائے معروف) بڑھانے سے اس قسم کا فعل معطوف وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں ایک کام کے وقوع میں آتے ہی دوسرا کام واقع ہو۔ جیسے سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔

چاہیئے

بعض ایسے فعل ہیں کہ ظاہر میں تو مشتق معلوم ہوتے ہیں مگر جس مصدر سے مشتق معلوم ہوتے ہیں اُس کے معنوں سے سب جگہ مناسبت نہیں رکھتے اور نہ اُن کا فاعل کون یا کِس نے کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے جواب میں آتا ہے جو مفعول کی شناخت کے لیئے مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی تنہا استعمال کئے جاتے ہیں کبھی دوسرے الفاظ مثلاً تھا اور فعل ماضی مطلق اور مصدر کے ساتھ جیسے "چاہیئے" یہ لفظ ظاہر میں چاہنا سے مشتق یعنی اُس کے مضارع "چاہے" سے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہاں چاہیئے اور کہاں چاہے "چاہیئے" تو یہ "یوں چاہیئے تھا" "یوں نہ چاہیئے" یعنی یوں مناسب ہے یا یوں مناسب تھا یا یوں مناسب نہیں **شعر**

اب جیسے اک حسن سے ہنسنے لگے تو ہنس لیئے	پر اس طرح ہر ایک سے ٹھٹھا نہ چاہیئے

چاہیئے مصدر اور ماضی کے ساتھ مِل کر اکثر امر کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **غالب**

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید	نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

کبھی مصدر کے ساتھ مِل کر مضارع کے اور کبھی حال کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **شعر**

لگ گئی چُپ حالیؔ رنجور کو	حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیئے

"اب ہم کو یہ بیان کرنا چاہیئے" یعنی اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔

چاہیئے درکار ہے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ **مصرع**

وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

کبھی نظم میں چاہیئے کے ساتھ ہے بھی آجاتا ہے۔ جیسے **شعر**

حشر کو کوئی وسیلہ نہیں اس سے بہتر	اے ظفر دوستیِ آلِ نبی چاہیئے ہے

چاہیئے جمع میں چاہئیں ہو جاتا ہے جیسے "نیک باتیں تم کو کرنی چاہئیں"

دو فعلوں کے درمیان کریا تے واقع ہوتا ہے پہلا فعل اگرچہ ہمیشہ امر کا صیغہ ہوتا ہے لیکن فائدہ وہی دیتا ہے جو دوسرا فعل دیتا ہے یعنی دوسرا فعل اگر ماضی یا مضارع یا مستقبل یا امر وغیرہ ہوگا تو پہلا فعل بھی وہی فائدہ دیگا۔ یوں سمجھو کہ پہلا فعل دوسرے فعل کے تابع ہوتا ہے۔ جیسے زید کتاب پڑھ کر سو رہا۔ حامد کھانا کھا کر پڑھے گا۔ یہاں آکر بیٹھو۔ کبھی پہلا فعل دو امر ہوتے ہیں جیسے **حالی**

بس بس کے ہزاروں گھر اجڑ جاتے ہیں — گڑ گڑ کے علم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اِس کی ہے نوبت تو کل اُس کی باری — بَن بَن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

فعلِ معطوف میں عموماً پہلے فعل کے واقع ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ کبھی محاورے میں فعل کے واقع ہونے کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ جیسے **شعر**

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا — پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

کبھی کریا تے حذف کر دیئے جاتے ہیں **شعر**

وہ عجائب اب نظر آتے نہیں — دیکھ پہلے جن کو رہجاتے تھے دنگ

فعلِ معطوف ایک اور صورت سے بھی آتا ہے یعنی ماضی شرطی پر ہوا۔ ہوئے۔ ہوئی لگانے سے یہ الفاظ بجائے کریا تے سمجھنے چاہئیں۔

مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں "یہ شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب (لاٹ صاحب) آتے ہیں۔ فروری کو انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آوازہ بلند ہے کہ فروری میں کلکتے سے چلیں گے۔ بنارس۔ الہ آباد۔ اکبر آباد ہوتے ہوئے مارچ کو انبالے پہنچیں گے" یعنی بنارس وغیرہ ہو کر مارچ کو انبالے پہنچیں گے۔

فعلِ معطوف کی تیسری صورت ایک اور بھی ہے یعنی ماضی شرطی کے صیغہ جمع مذکورہ پر ہی (بیائے معروف) بڑھانے سے اس قسم کا فعل معطوف وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں ایک کام کے وقوع میں آتے ہی دوسرا کام واقع ہو۔ جیسے سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔

چاہیئے

بعض ایسے فعل ہیں کہ ظاہر میں تو مشتق معلوم ہوتے ہیں مگر جس مصدر سے مشتق معلوم ہوتے ہیں اُس کے معنوں سے سب جگہ مناسبت نہیں رکھتے اور نہ اُن کا فاعل کون یا کس نے کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے جواب میں آتا ہے جو مفعول کی شناخت کے لیے مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی تنہا استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی دوسرے الفاظ مثلاً تھا اور فعل ماضی مطلق اور مصدر کے ساتھ جیسے "چاہیئے"، یہ لفظ ظاہر میں چاہنا سے مشتق یعنی اُس کے مضارع "چاہے" سے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہاں چاہیئے اور کہاں چاہے "چاہیئے" تو یہ "یوں چاہیئے تھا" "یوں نہ چاہیئے" یعنی یوں مناسب ہے۔ یا یوں مناسب تھا یا یوں مناسب نہیں **شعر**

اب جیسے اک حسن سے ہنسنے لگے تو ہنس لیئے	پر اس طرح ہر ایک سے ٹھٹھا نہ چاہیئے

چاہیئے مصدر اور ماضی کے ساتھ مِل کر اکثر امر کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **غالب**

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید	نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

کبھی مصدر کے ساتھ مِل کر مضارع کے اور کبھی حال کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **شعر**

لگ گئی چُپ حالیؔ رنجور کو	حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیئے

"اب ہم کو یہ بیان کرنا چاہیئے"، یعنی اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔

چاہیئے درکار ہے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ **مصرع**

وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

کبھی نظم میں چاہیئے کے ساتھ ہے بھی آجاتا ہے۔ جیسے **شعر**

حشر کو کوئی وسیلہ نہیں اس سے بہتر	اے ظفر دوستیِ آلِ نبی چاہیئے ہے

چاہیئے جمع میں چاہئیں ہو جاتا ہے جیسے "نیک باتیں تم کو کرنی چاہئیں"

دو۲ فعلوں کے درمیان کریا تے واقع ہوتا ہی پہلا فعل اگرچہ ہمیشہ امر کا صیغہ ہوتا ہی لیکن فائدہ وہی دیتا ہی جو دوسرا فعل دیتا ہی یعنی دوسرا فعل اگر ماضی یا مضارع یا مستقبل یا امر وغیرہ ہوگا تو پہلا فعل بھی وہی فائدہ دیگا۔ یوں سمجھو کہ پہلا فعل دوسرے فعل کے تابع ہوتا ہی۔ جیسے زید کتاب پڑھ کر سو رہا۔ حامد کھانا کھا کر پڑھے گا۔ یہاں آکر بیٹھو۔ کبھی پہلا فعل دو امر ہوتے ہیں جیسے **حالی**

بس بس کے ہزاروں گھر اُجڑ جاتے ہیں	گڑ گڑ کے عَلَم لاکھوں اُکھڑ جاتے ہیں
آج اِس کی ہی نوبت تو کل اُس کی باری	بَن بَن کے یونہیں کھیل بگڑ جاتے ہیں

فعلِ معطوف میں عموماً پہلے فعل کے واقع ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل واقع ہوتا ہے جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہو چکا۔ کبھی محاورے میں فعل کے واقع ہونے کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا۔ جیسے **شعر**

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا	پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

کبھی کریا تے حذف کر دیئے جاتے ہیں **شعر**

وہ عجائب اب نظر آتے نہیں	دیکھ پہلے جن کو رہجاتے تھے دنگ

فعلِ معطوف ایک اور صورت سے بھی آتا ہے یعنی ماضی شرطی پر ہوا۔ ہوئے۔ ہوئی لگانے سے یہ الفاظ بجائے کریا تے سمجھنے چاہئیں۔

مرزا غالب ایک خط میں لکھتے ہیں "یہ شہرت ہوئی کہ لارڈ صاحب (لاٹ صاحب) آتے ہیں۔ فروری کو انبالے پہنچیں گے۔ اہل دہلی کی ملازمت وہاں ہوگی۔ اب یہ آوازہ بلند ہے کہ فروری میں کلکتے سے چلیں گے۔ بنارس۔ الہ آباد۔ اکبر آباد ہوتے ہوئے مارچ کو انبالے پہنچیں گے" یعنی بنارس وغیرہ ہو کر مارچ کو انبالے پہنچیں گے۔

فعلِ معطوف کی تیسری صورت ایک اور بھی ہے یعنی ماضی شرطی کے صیغہ جمع مذکورہ پر ہی (یائے معروف) بڑھانے سے اس قسم کا فعل معطوف وہاں مستعمل ہوتا ہے جہاں ایک کام کے وقوع میں آتے ہی دوسرا کام واقع ہو۔ جیسے سر منڈاتے ہی اولے پڑے۔

چاہیئے

بعض ایسے فعل ہیں کہ ظاہر میں تو مشتق معلوم ہوتے ہیں مگر جس مصدر سے مشتق معلوم ہوتے ہیں اُس کے معنوں سے سب جگہ مناسبت نہیں رکھتے اور نہ اُن کا فاعل کون یا کس نے کے جواب میں واقع ہوتا ہے۔ بلکہ ان الفاظ کے جواب میں آتا ہے جو مفعول کی شناخت کے لیئے مقرر ہیں۔ اس کے علاوہ کبھی تنہا استعمال کئے جاتے ہیں۔ کبھی دوسرے الفاظ مثلاً تھا اور فعل ماضی مطلق اور مصدر کے ساتھ جیسے "چاہیئے"، یہ لفظ ظاہر میں چاہنا سے مشتق یعنی اُس کے مضارع "چاہے" سے بنا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ مگر کہاں چاہیئے اور کہاں چاہے "چاہیئے" تو یہ "یوں چاہیئے تھا" "یوں نہ چاہیئے"، یعنی یوں مناسب ہے۔ یا یوں مناسب تھا یا یوں مناسب نہیں **شعر**

اب جیسے اک حسن سے ہنسنے لگے تو ہنس لیئے	پر اس طرح ہر ایک سے ٹھٹھا نہ چاہیئے

چاہیئے مصدر اور ماضی کے ساتھ مِل کر اکثر امر کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **غالب**

منحصر مرنے پہ ہو جس کی اُمید	نا اُمیدی اُس کی دیکھا چاہیئے

کبھی مصدر کے ساتھ مِل کر مضارع کے اور کبھی حال کے معنی دیتا ہے۔ جیسے **شعر**

لگ گئی چُپ حالیؔ رنجور کو	حال اُس کا کس سے پوچھا چاہیئے

"اب ہم کو یہ بیان کرنا چاہیئے"، یعنی اب ہم یہ بیان کرتے ہیں۔

چاہیئے درکار ہے کے معنوں میں بھی آتا ہے۔ **مصرع**

وہ اگر چاہیں تو پھر کیا چاہیئے

کبھی نظم میں چاہیئے کے ساتھ ہے بھی آجاتا ہے۔ جیسے **شعر**

حشر کو کوئی وسیلہ نہیں اس سے بہتر	اے ظفر دوستیِ آلِ نبی چاہیئے ہے

چاہیئے جمع میں چاہئیں ہو جاتا ہے جیسے "نیک باتیں تم کو کرنی چاہئیں"۔

اِسم فاعل

فاعل اور اسم فاعل میں فرق | قبل اس کے کہ ہم اسم فاعل کی تعریف لکھیں یہ بیان کر دینا ضرور ہے کہ ایک فاعل ہوتا ہے ایک اسم فاعل اور دونوں میں بہت بڑا فرق ہے۔ فاعل تو اُس کو کہتے ہیں جس سے فعل سرزد ہو۔ جیسے زید نے کھانا کھایا۔ اس جملے میں کھانے کا فعل زید سے وقوع میں آیا ہے۔ اور وہ اسم فعل کا فاعل ہے۔ تو ہم زید کو فاعل کہیں گے۔ اسم فاعل نہیں کہیں گے۔ لیکن اُس فعل کے تعلق سے جو نام لے کر فاعل کو پکاریں۔ اُس کو اسم فاعل کہتے ہیں۔ مثلاً زید نے کھانا کھایا میں زید کو کھانے والے کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ پس کھانے والا اسم فاعل ہے۔ اسی طرح پڑھنے والا۔ لکھنے والا۔ آنے والا۔ جانے والا۔ سب اسم فاعل ہیں۔

اہلِ قواعد اسم فاعل کی تعریف عموماً اس طرح کرتے ہیں کہ وہ ایک اسم مشتق ہوتا ہے اور اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس سے وہ فعل صادر ہو۔

قاعدہ - اسم فاعل مصدر سے بنایا جاتا ہے۔ اس طرح سے کہ علامت مصدر کے الف کو یائے مجہول سے بدل کر لفظ والا زیادہ کرتے ہیں۔ جمع مذکر میں والا کا الف یائے مجہول سے اور واحد مؤنث میں یائے معروف سے بدل دیا جاتا ہے۔ جمع مؤنث میں واحد مؤنث پر الف و نون غنّہ زیادہ کیا جاتا ہے جیسے کرنے والا۔ کرنے والے۔ کرنے والی۔ کرنے والیاں۔

فائدہ - عربی کے سیکڑوں اسم فاعل اُردو میں مستعمل ہیں جیسے حاضر۔ ناظر۔ قادر۔ نادر۔ حاکم سالم۔ ناظم۔ ظالم۔ عابد۔ زاہد۔ شاہد۔ غائب۔ غالب۔ واقف۔ عارف۔ لائق۔ شائق۔ فائق ناصر۔ بالغ۔ عالم۔ عامل۔ شامل۔ کامل۔ خائن۔ ضامن۔ خالق۔ رازق۔ واثق۔ حافظ وارث۔ والد۔ قاہر۔ ناثر۔ صابر۔ شاکر۔ حاصل۔ باطل۔ ثابت۔ خادم۔ جائز۔ جابر۔ طالب۔ صادر وارد۔ کافر۔ قائل۔ حامل۔ تائب۔ ناطق۔ واقع۔ دافع۔ قائم۔ دائم۔ کافی۔ حامی وغیرہ۔

عربی کا جو لفظ فاعل کے وزن پر آئے اُسے اسم فاعل سمجھو مگر چونکہ عربی میں مصدر کئی طرح کے ہیں۔ اِس لئے اُن کے اسم فاعل بھی کئی طرح کے ہیں اور سب میں (باستثنائے وزن فاعل) پہلا حرف ہمیشہ میم مضموم اور ماقبل آخر مکسور ہوتا ہے جیسے مُظہِر۔ مُحسِن۔ مُنعِم۔ مُشفِق۔ مومن مُسلِم۔ مُشرِک۔ مُرشِد۔ مُوجِد۔ مُنصِف۔ مُشکِل۔ مُتکبِّر۔ مُتحمِّل۔ مُتوجِّہ۔ مُتصرِّف۔ مُترصِّد مُتوقِّف۔ متواضِع۔ مُتساوِی۔ مُتعارِف۔ مُعاہِد۔ مقابِل۔ مناسِب۔ موافِق۔ مطابِق۔ مُتّصِل۔ مُشتہِر۔ مُعترِض۔ مُحترِز۔ مُجتنِب۔ مُلتجی۔ ملتمِس۔ معتقِد۔ مُستعِد۔ مُنفعِل۔ مُنجمِد۔ مُدبِر۔ مُحرِّک۔ مویِّد مُوحِّد۔ اور اگر ماقبل آخر حرفِ علت ہو تو اُس سے پہلا حرف مکسور ہوتا ہے۔ جیسے۔ مُشیر۔ مُرید مُنیب۔ مُطیع۔ مُقیم۔ مفید۔ مستفید۔ مستفیض۔ مستقیم۔ مستطیل وغیرہ۔ اور اگر حرفِ آخر مشدّد ہو تو پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے جیسے منجر۔ منقم۔ منفک۔

تنبیہ۔ بعض لوگ بعض عربی اسم فاعل کے تلفظ میں نہایت مکروہ غلطی کرتے ہیں۔ یعنی جن مصادر کا حرف ماقبل آخر مضموم ہوتا ہے اُن کے اسم فاعل کے حرف ماقبل آخر کو بھی مضموم بولتے ہیں۔ مثلاً توجّہ اور تواضع کہ جیم اور ضاد کے پیش سے ہیں۔ اِن کے اسم فاعل بھی بضم جیم وضاد یعنی متوجُّہ اور متواضُع بولتے ہیں۔

بعض فارسی اسم فاعل بھی اُردو میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے چرندہ و پرندہ فارسی کے اسم فاعل ترکیبی تو بہت سے اُردو میں مستعمل ہیں۔ اِن کی بحث علیحدہ لکھی جائے گی۔

فائدہ = عربی میں پیشے کے تعلق سے جو لقب پیشہ وروں کو دیئے جاتے ہیں وہ مشتق ہوتے ہیں اور اکثر عربی کے اسم مبالغہ کے وزن پر آتے ہیں جیسے خیّاط (درزی)، نجّار (بڑھئی) صبّاغ (رنگریز)، بزّاز (پارچہ فروش)، اسی طرح دلّال۔ حجّام۔ فصّاد۔ جرّاح۔ خواجہ حالی نے چند پیشہ وروں کے نام اِس بند میں جمع کئے ہیں [1]

حکومت ملی اُن کو صفّار[1] رہتے جو	امامت کو پہنچے وہ قصّار[2] رہتے جو

[1] ٹھٹیرا [2] دھوبی۔

وہ قطب زماں ٹھہرے عطّار تھے جو بنے مرجع خلق نجّار تھے جو

ابوالفضل یاں اُٹھے سرّاج[1] کہتے

ابوالوقت ہو گزرے حلّاج[2] کہتے

مگر اردو میں پیشے کا نام اور ہوتا ہے پیشہ ور کا لقب کچھ اور مثلاً حجامت بنانے والے کو نائی کہتے ہیں۔ کپڑا سینے والے کو درزی۔ سبزی بیچنے والے کو کنجڑا۔ کپڑا بننے والے کو جلاہا۔ لکڑی کے کام کرنے والے کو بڑھئی۔ مٹی کے باسن بنانے والے کو کمہار۔ علیٰ ہذالقیاس البتہ دھوبی میں کپڑے دھونے کی علامت پائی جاتی ہے۔ لہار اور سنار بھی کسی قدر اپنے اپنے پیشوں کا اظہار کر رہے ہیں۔

اسم مفعول

مفعول اور اسم مفعول میں فرق

جس طرح فاعل اور اسم فاعل میں فرق بیان ہوا۔ اسی طرح مفعول اور اسم مفعول میں فرق ہے یعنی مفعول تو وہ ہے جس پر فعل واقع ہو۔ جیسے زید نے عمرو کو مارا اس جملے میں عمرو مفعول ہے کیونکہ اس پر فعل واقع ہوا۔ مگر اس فعل کے تعلق سے جو نام لیکر مفعول کو پکاریں اُس کو اسم مفعول کہتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو مارا میں عمرو کو مار کھایا ہوا کے لفظ سے تعبیر کرتے ہیں۔ تو مار کھایا ہوا اسم مفعول ہے اسی طرح دیا ہوا۔ لیا ہوا۔ کھایا ہوا۔ پیا ہوا۔

عام طور پر اسم مفعول کی تعریف یوں کی جاتی ہے۔ کہ اسم مفعول ایک اسم مشتق ہوتا ہے اور اس ذات پر دلالت کرتا ہے جس پر فعل واقع ہو۔

---

[1] زین ساز (خائنلہ) اس مقام پر یہ بیان کر دینا مناسب ہے کہ پنجاب کے بعض اضلاع میں جو ایک قوم کا نام سراج (بہ تخفیف را) مشہور ہے اور جو عموماً جوتا بنانے کا کام کرتے ہیں وہ یہی سراج ہے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کے بزرگ زین سازی کا کام کرتے ہوں گے اسی سے وہ سراج کہلائے بعد میں یہ لوگ جوتا بنانے کا کام کرنے لگے چونکہ زین سازی کے سبب سراج کا لقب مشہور ہو چکا تھا اس لئے اب بھی سراج کہلاتے ہیں گو جوتا بنانے کا کام کرتے ہیں اور اب بھی بہت سے لوگ اپنا آبائی پیشہ زین سازی کرتے ہیں۔

[2] دُھنیا۔

قاعدہ۔ صیغہ ماضی مطلق پر لفظ ہوا لگا دو اسم مفعول بن جائے گا۔ جیسے پالا ہوا۔ لیا ہوا جمع اور مؤنث کے صیغوں میں ہوا کا الف بھی اسم فاعل کے الف کی طرح بدل جاتا ہے یعنی جمع مذکر میں یائے مجہول سے اور واحد مؤنث میں یائے معروف سے جمع مؤنث میں واحد مؤنث پر نون غنّہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے پالے ہوئے۔ پالی ہوئی۔ پالی ہوئیں۔ کبھی ہوا کی جگہ گیا لگاتے ہیں۔ جیسے لایا گیا۔ مارا گیا۔

عربی کے بہت سے اسم مفعول بھی اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے معلوم۔ مقتول۔ مجروح۔ مظلوم۔ معبود۔ محمود۔ مشہور۔ منظور۔ محبوب۔ مرغوب۔ مردود۔ مقبول۔ مشغول۔ مغموم۔ محزون۔ موقوف۔ معقول۔ موصوف۔ مصروف۔ مرحوم۔ مرقوم۔ مخدوم۔

جو عربی لفظ مفعول کے وزن پر آئے اُسے اسم مفعول سمجھنا چاہئے۔ مگر اسم فاعل کی طرح اسم مفعول کی بھی بہت سی صورتیں ہیں اور سب میں باستثنائے وزن مفعول پہلا حرف ہمیشہ میم مضموم اور ماقبل آخر مفتوح ہوتا ہے۔ جیسے مکرم۔ معظم۔ مسلّم۔ مقدم۔ مستحکم۔ ملزم۔ مدعیٰ مستثنیٰ۔ متبنیٰ وغیرہ۔

اور اگر ماقبل آخر حرفِ علت ہو تو اُس سے پہلا حرف مفتوح ہوتا ہے۔ جیسے مدام۔ مُراد وغیرہ فارسی اسم مفعول بھی اردو میں استعمال کئے جاتے ہیں جیسے۔ آشفتہ۔ آزردہ۔ کشتہ۔ رنجیدہ۔ شیفتہ۔ فریفتہ۔ گردیدہ وغیرہ۔

اسم مفعول فعل متعدی سے آتا ہے کبھی فعل لازم سے بھی آجاتا ہے۔ جیسے آیا ہوا۔ گیا ہوا اُٹھا ہوا۔ بیٹھا ہوا وغیرہ۔

بعضوں نے اِس خیال سے کہ اسم مفعول فعل لازم سے نہیں آنا چاہیے اِس قسم کے صیغوں کو صفتِ مشبّہ[1] قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ تکلف اور تحکم ہے۔ کیونکہ صفتِ مشبّہ ایک قسم کا اسم فاعل ہوتا ہے اور یہ اسم مفعول کے صیغے ہیں مع ہذا صفتِ مشبّہ میں وصف ذاتی

[1] صفت مشبّہ اور اسم فاعل میں جو فرق ہے صفت مشبّہ کی بحث میں بیان کیا جائے گا۔

پایا جاتا ہے۔ آیا ہوا اور گیا ہوا سے وصفِ ذاتی نہیں سمجھا جاتا۔ پس چونکہ ان پر صفتِ مشبّہ کی تعریف صادق نہیں آتی۔ اس لئے ان کو اسم مفعول ہی کہنا چاہئے۔ جب بعض لازم فعلوں کے مفعول ہوتے ہیں۔ اور اُن کو مفعول تسلیم کیا جاتا ہے جیسا کہ فعل کی بحث میں بیان ہوا تو ایسے افعال کے اسمِ مفعول کیوں نہ ہوں اور اُن کو اسم مفعول کہنے میں کیوں تامل ہو۔

فائدہ۔ بعض اسم مفعول اسم فاعل یا صفتِ مشبّہ کے معنی دیتے ہیں جیسے پڑھا لکھا مرد۔ پڑھی لکھی عورت

اسمِ فاعل سماعی اور ترکیبی

بعض مشتق الفاظ ایسے ہیں کہ اسم فاعل کے صیغوں کے وزن پر نہیں ہیں لیکن اسم فاعل کے معنی دیتے ہیں ان کو اسم فاعل سماعی کہتے ہیں جیسے چور چوٹا (چوری کرنے والا) لٹیرا (لوٹنے والا) چرواہا (چرانے والا) جوتا (بواؤ مجہول۔ جوتنے والا)۔ لیوا (لینے والا) یہ لفظ عموماً لفظ نام کے ساتھ مستعمل ہوتا ہے۔

میر انشاء اللہ خاں

پھبن۔ اکڑ۔ چھب۔ نگاہ۔ سج۔ دھج۔ جمال۔ طرز۔ خرام آٹھوں

نہ ہوویں اُس بت کے گر بچاری تو کیوں ہو میلے کے نام آٹھوں

کبھی دو لفظ مل کر فاعلی معنی دیتے ہیں جیسے راہ چلتا (راہ چلنے والا) دودھ پیتا (دودھ پینے والا یعنی شیر خوار) بے چین بے قرار۔ بے جوڑ۔ بے سمجھ ایسے الفاظ اسم فاعل ترکیبی کہلاتے ہیں

لفظ ہار بھی اسم فاعل کے معنوں کا افادہ کرتا ہے۔ یہ لفظ مصدر کے ساتھ آتا اور علامت مصدر کا الف حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے ہون ہار۔ مرن ہار۔

واضح ہے کہ اسم فاعل ترکیبی کو سماعی کہہ سکتے ہیں۔ سماعی کو ترکیبی نہیں کہہ سکتے کیونکہ سماعی کا اطلاق مفرد اور مرکب دونوں طرح کے اسم فاعل پر ہو سکتا ہے۔ ترکیبی کا صرف اُس پر جو مرکب ہو۔

فارسی کے بہت سے اسم فاعل ترکیبی اور سماعی اُردو میں بے تکلف بولے جاتے ہیں مثلاً راہ گیر۔ راہ رو۔ کارساز۔ بندہ نواز۔ دل کشا۔ روح افزا۔ دانا۔ بینا۔ مالا مال۔ زنگا رنگ

پرہیزگار۔ خدمت گار۔ عقلمند۔ خداوند۔ زورآور۔ جانور۔ بخنور۔ نامور۔ مزدور۔ غمناک۔ ساربان۔ خریدار۔ مشعلچی۔ خزانچی۔ سردفتر۔ سرگروہ۔ سرسبز۔ ناکارہ۔ خدادوست۔ جواں مرد۔ عالی ہمت۔ سیرچشم۔ نیک خصال۔ بدشکل۔ بدوضع۔ بدقسمت۔ بدنصیب۔ خوبصورت۔ خوش طبع گمراہ۔ ناہنجار۔ ناگوار۔ نابکار۔ ناپاک۔ ناروا۔ بے دین۔ بے ایمان۔ بے عقل۔ بے شعور۔ بے خبر بے پروا۔ بے نیاز۔ بے چارہ۔ بے انصاف۔ ہم عمر۔ ہمراز۔ ہموطن۔ ہم مکتب ہمسایہ۔ ہمپایہ۔ خودغرض۔ خودمطلب۔ اِن میں کوئی اسم فاعل کے معنی دیتا ہے کوئی صفتِ مشبّہ کے۔

اسم مفعول سماعی اور ترکیبی

بعض مشتق الفاظ ایسے ہیں کہ صیغۂ اسم مفعول کے وزن پر نہیں ہیں لیکن اسم مفعول کے معنی دیتے ہیں۔ اِن کو اسم مفعول سماعی کہتے ہیں جیسے۔ بیاہتا عورت۔

جس طرح اُردو میں فارسی اسم فاعل ترکیبی اور سماعی کے صیغے مستعمل ہیں اسی طرح اسم مفعول ترکیبی کے صیغے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے خداساز۔ شاہ نواز۔ پاانداز۔ گرفتار۔ دلپذیر۔ شاہزادہ۔ نازپروردہ وغیرہ۔

اسم مُعاوضہ

جو کسی خدمت یا محنت کے معاوضہ کا نام ہو۔

قاعدہ۔ مصدر متعدی بلا واسطہ اور متعدّی المتعدّی سے علامتِ مصدر حذف کرکے لفظ ئی۔ (بہ ہمزۂ مکسور و یائے معروف) لگاتے ہیں۔ جیسے رنگائی۔ دھُلائی۔ سلائی۔ پکوائی۔ وغیرہ فسانہ آزاد میں ایک ظریف کہتا ہے۔ قطعہ

حجامت بنانے کو آیا تھا نائی	حجامت بناتے ہی مانگی رضائی
مثل مجھکو اُس وقت یہ یاد آئی	کہ دمڑی کی بڑھیا ٹکا سر منڈائی

مصدر با لواسطہ سے بھی بطریق مذکور اسم معاوضہ آتا ہے۔ لیکن کم۔ اور مصادر لازم اور مصادرِ متعدّی بنفسہ سے کبھی بھی نہیں آتا۔

حاصل مصدر

جو لفظ کسی ایسی کیفیت کو ظاہر کرے جو کسی چیز کا اثر و نتیجہ ہو تو اُس کو حاصل مصدر کہتے ہیں۔ جیسے۔ جلنا سے جلن۔ تڑپنا سے تڑپ۔

معلوم رہے کہ ہر ایک مصدر کا حاصل مصدر نہیں ہوتا اور نہ حاصل مصدر بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ ہے۔ عموماً مصدر میں بعد حذفِ علامت مصدر کچھ تغیر کر کے حاصل مصدر بناتے ہیں جیسے گھومنا۔ بچنا۔ بہنا۔ چڑھنا سے گھماؤ۔ بچاؤ۔ بہاؤ۔ چڑھاؤ۔ گھبرانا سے گھبراہٹ۔ ملنا سے ملاپ۔ تھکنا سے تھکن۔ جلنا سے جلن اور جلاپا۔ بکنا سے بکواس۔ ہنسنا سے ہنسی۔ بکنا سے بکری۔ بننا۔ رکنا۔ لگنا۔ ملنا سے بناوٹ۔ بناؤ۔ رکاوٹ۔ لگاؤ۔ لاگ۔ لگاوٹ۔ ملاوٹ بہلنا۔ پہننا سے بہلاوا۔ پہناوا۔ سمانا سے سمائی لوٹنا سے لوٹ اور لتُش۔

کبھی ماضی حاصل مصدر کا کام دیتی ہے جیسے جھگڑا اور کہا "اس سے جھگڑا مت کرو" ہمارا کہا مان لو۔

کبھی امر سے حاصل مصدر کا کام لیتے ہیں۔ جیسے تڑپنا سے تڑپ چمکنا سے چمک بولنا سے بول۔ مارنا سے مار۔ پہچاننا سے پہچان۔ پہنچنا سے پہنچ۔ بگاڑنا سے بگاڑ۔ سنوارنا سے سنوار۔ اونگھنا سے اونگھ۔ دوڑنا سے دوڑ۔ بھاگنا سے بھاگ۔

کبھی تکرارِ امر۔ (یعنی دو امروں) سے جیسے تک تک (تکنا سے)

کبھی دو مختلف امروں سے جیسے جان پہچان (جاننا اور پہچاننا سے)

کبھی مصدر کچھ ہوتا ہے۔ حاصل مصدر کچھ۔ جیسے (سونا سے نیند)۔

کبھی مصدر کے آخر سے الف حذف کر کے حاصل مصدر بناتے ہیں۔ جیسے دینا سے دین۔ لینا سے لین **شعر**

خدا کی دین کا موسیٰ سے پوچھئے احوال — کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے

میرا اپنا جدا معاملہ ہے اور کے لین دین سے کیا کام

غرض تمام حاصل مصدر سماعی ہیں قیاسی نہیں اور اسی لئے اُن کے بنانے کا کوئی قاعدہ کلیہ نہیں۔

کبھی اسم پر پَن لگا کر۔ جیسے احمق پَن۔ بیہودہ پَن۔ گنوار پَن۔ کبھی لفظ پت لگا کر جیسے گنوارپت۔ مگر حقیقت میں یہ الفاظ اسموں پر زیادہ نہیں کئے گئے بلکہ۔ احمق ہونا۔ بیہودہ ہونا۔ گنوار ہونا سے ہونا کو حذف کر کے زیادہ کئے گئے ہیں۔ گنوارپت میں ہونا کے علاوہ ایک اور حرف بھی گرایا گیا ہے۔ یعنی کنوارا ہونے کی حالت میں الف اور کنواری ہونے کی حالت میں یائے معروف۔

فارسی کے بہت سے حاصل مصدر اردو میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے دانش۔ بینش۔ شازش۔ نازش۔ گزارش بخشش۔ آمیزش۔ آزمائش۔ سوزش۔ جوشش۔ خروش۔ دانائی۔ بینائی۔ رسائی۔ توانائی۔ ناز۔ انداز۔ پرداز۔ پنداز شکن۔ شگاف۔ گریہ۔ زلیست۔ دریافت۔ برداشت۔ بازگشت۔ پیش رفت۔ فروگزاشت جستجو۔ گفتگو۔ آمدورفت۔ خریدوفروخت۔ نشست وبرخاست۔ زدوکوب۔ پیچ وتاب۔ سوزوگداز۔ کشمکش۔ خوامخواہ۔ کشاکش۔ دسترس۔ قدمبوس۔ دیدار۔ رفتار۔ گفتار وغیرہ۔

بہت سے حاصل مصدر ہیں کہ مرزا رفیع سودا کی طبع جدت طراز کا نتیجہ ہیں اور بہت کم مستعمل ہیں جیسے پڑہنت۔ اکڑنت۔ لڑنت۔ پھڑکنت۔ لپٹنت وغیرہ۔

اسم حالیہ

وہ اسم ہے جو فاعل یا مفعول کی حالت ظاہر کرے۔

قاعدہ = مصدر کی علامت نا تا سے بدل دیتے ہیں یا یوں کہو کہ اسم حالیہ کا صیغہ ماضی شرطی کی صورت پر آتا ہے۔ جیسے حامد مسکراتا جاتا تھا۔ یعنی مسکرانے کی حالت میں جا رہا تھا۔

جمع مذکر میں اسم حالیہ کے آخر کا الف یائے مجہول سے اور واحد مونث میں یائے معروف

سے بدل جاتا ہے۔ جمع مؤنث میں معروف کے ساتھ نون غنہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔
جیسے مُسکراتے مُسکراتی ۔ مسکراتیں۔
کبھی لفظ ہوا بھی زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے خالد مسکراتا ہوا جاتا تھا۔ جمع اور مؤنثات میں ہُوا کا الف بھی صیغے کے آخر کے الف کی طرح یائے مجہول اور معروف سے بدل جاتا ہے۔ لیکن صیغہ جمع مؤنث میں نون غنہ لفظ ہوئیں میں ہوتا ہے۔ اصل صیغہ میں نہیں ہوتا۔ جیسے مُسکراتے ہوئے ۔ مسکراتی ہوئی ۔ مسکراتی ہوئیں ۔
فائدہ ۔ جب اسم حالیہ فعل لازم کے فاعل واحد سے حال پڑے تو اس میں کچھ تغیر نہیں ہوتا۔ جیسے زید ہنستا جاتا تھا۔ یا ہنستا ہوا جاتا تھا۔ اور جب مکرر ہو تو ہوا کا لفظ نہیں آتا جیسے۔ بیت

بی جی میں آیا کہ گھر سے نکل ٹہلتا ٹہلتا ذرا باغ چل

اگر متعدی فعل کے فاعل سے حال واقع ہو تو مکرر ہوگا۔ اور آخر کا الف یائے مجہول سے بدل جائے گا ۔ جیسے ۔ شعر

ہنستے ہنستے تو کیا قتل گنہگاروں کو رو دیا دیکھ کے جلاد نے زندان خالی

لیکن اگر ہوا کا لفظ ساتھ ہو تو مکرر نہیں ہوگا۔ اور ہوا کا الف بھی یائے مجہول سے بدل جائے گا۔ جیسے زید نے عمرو سے ہنستے ہوئے کہا اگر مفعول سے حال پڑے تو الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ لیکن مکرر نہیں آتا جیسے مصرع ۔

دورِ ساغر نہ ترے عہد میں چلتے دیکھا

فارسی اسم حالیہ بھی اردو میں مستعمل ہیں جیسے اُفتاں خیزاں۔ گریاں۔ خنداں۔ بیت

گر اُفتاں وخیزاں سدھارے بھی اب ہم تو پہنچے بھلا جا کے منزل پہ کب ہم

مشتقات کی بحث ختم ہوئی لیکن طلبا کی مشق کے لئے ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ اس مقام پر مشہور اور کثیر الاستعمال مصادر اور ان کے استعمال ماضی مطلق اور مضارع اور حال اور مستقبل اور امر اور نہی کا ایک ایک صیغہ بھی لکھدیں۔

الف

مصدر	ماضی مطلق	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
آنا	آیا	آئے	آتا ہے	آئے گا	آ	نہ آ۔مت آ
آزمانا	آزمایا	آزمائے	آزماتا ہے	آزمائے گا	آزما	نہ آزما۔مت آزما
اُبلنا	اُبلا	اُبلے	اُبلتا ہے	اُبلے گا	اُبل	نہ اُبل۔مت اُبل
اُبالنا	اُبالا	اُبالے	اُبالتا ہے	اُبالے گا	اُبال	نہ اُبال۔مت اُبال
اُبھرنا	اُبھرا	اُبھرے	اُبھرتا ہے	اُبھرے گا	اُبھر	نہ اُبھر۔مت اُبھر
اُبھارنا	اُبھارا	اُبھارے	اُبھارتا ہے	اُبھارے گا	اُبھار	نہ اُبھار۔مت اُبھار
اَپھرنا	اَپھرا	اَپھرے	اَپھرتا ہے	اَپھرے گا	اَپھر	نہ اَپھر۔مت اَپھر
اُترنا	اُترا	اُترے	اُترتا ہے	اُترے گا	اُتر	نہ اُتر۔مت اُتر
اُتارنا	اُتارا	اُتارے	اُتارتا ہے	اُتارے گا	اُتار	نہ اُتار۔مت اُتار
اُتروانا	اُتروایا	اُتروائے	اُترواتا ہے	اُتروائے گا	اُتروا	نہ اُتروا۔مت اُتروا
اِترانا	اِترایا	اِترائے	اِتراتا ہے	اِترائے گا	اِترا	نہ اِترا۔مت اِترا
اٹنا	اٹا	اٹے	اٹتا ہے	اٹے گا	اٹ	نہ اٹ۔مت اٹ
اٹکنا	اٹکا	اٹکے	اٹکتا ہے	اٹکے گا	اٹک	نہ اٹک۔مت اٹک
اٹکانا	اٹکایا	اٹکائے	اٹکاتا ہے	اٹکائے گا	اٹکا	نہ اٹکا۔مت اٹکا
اُٹھنا	اُٹھا	اُٹھے	اُٹھتا ہے	اُٹھے گا	اُٹھ	نہ اُٹھ۔مت اُٹھ
اُٹھانا	اُٹھایا	اُٹھائے	اُٹھاتا ہے	اُٹھائے گا	اُٹھا	نہ اُٹھا۔مت اُٹھا
اُٹھوانا	اُٹھوایا	اُٹھوائے	اُٹھواتا ہے	اُٹھوائے گا	اُٹھوا	نہ اُٹھوا۔مت اُٹھوا
اُڑنا	اُڑا	اُڑے	اُڑتا ہے	اُڑے گا	اُڑ	نہ اُڑ۔مت اُڑ
اُڑانا	اُڑایا	اُڑائے	اُڑاتا ہے	اُڑائے گا	اُڑا	نہ اُڑا۔مت اُڑا
اَڑنا	اَڑا	اَڑے	اَڑتا ہے	اَڑے گا	اَڑ	نہ اَڑ۔مت اَڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
اُڑانا	اُڑایا	اُڑائے	اُڑاتا ہے	اُڑائے گا	اُڑا	نہ اُڑا۔ مت اُڑا
اُکسانا	اُکسایا	اُکسائے	اُکساتا ہے	اُکسائے گا	اُکسا	نہ اُکسا۔ مت اُکسا
اُگنا	اُگا	اُگے	اُگتا ہے	اُگے گا	اُگ	نہ اُگ۔ مت اُگ
اُگانا	اُگایا	اُگائے	اُگاتا ہے	اُگائے گا	اُگا	نہ اُگا۔ مت اُگا
اُلجھنا	اُلجھا	اُلجھے	اُلجھتا ہے	اُلجھے گا	اُلجھ	نہ اُلجھ۔ مت اُلجھ
اُلجھانا	اُلجھایا	اُلجھائے	اُلجھاتا ہے	اُلجھائے گا	اُلجھا	نہ اُلجھا۔ مت اُلجھا
اُونگھنا	اُونگھا	اونگھے	اونگھتا ہے	اونگھے گا	اونگھ	نہ اونگھ۔ مت اونگھ
اینٹھنا	اینٹھا	اینٹھے	اینٹھتا ہے	اینٹھے گا	اینٹھ	نہ اینٹھ۔ مت اینٹھ
			ب			
باندھنا[1]	باندھا	باندھے	باندھتا ہے	باندھے گا	باندھ	نہ باندھ۔ مت باندھ
بانٹنا	بانٹا	بانٹے	بانٹتا ہے	بانٹے گا	بانٹ	نہ بانٹ۔ مت بانٹ
بتانا	بتایا	بتائے	بتاتا ہے	بتائے گا	بتا	نہ بتا۔ مت بتا
بٹھانا	بٹھایا	بٹھائے	بٹھاتا ہے	بٹھائے گا	بٹھا	نہ بٹھا۔ مت بٹھا
بجنا	بجا	بجے	بجتا ہے	بجے گا	بج	نہ بج۔ مت بج
بجانا	بجایا	بجائے	بجاتا ہے	بجائے گا	بجا	نہ بجا۔ مت بجا
بجھنا	بجھا	بجھے	بجھتا ہے	بجھے گا	بجھ	نہ بجھ۔ مت بجھ
بجھانا	بجھایا	بجھائے	بجھاتا ہے	بجھائے گا	بجھا	نہ بجھا۔ مت بجھا
بچنا	بچا	بچے	بچتا ہے	بچے گا	بچ	نہ بچ۔ مت بچ
بچانا	بچایا	بچائے	بچاتا ہے	بچائے گا	بچا	نہ بچا۔ مت بچا

[1] ان مصادر کی ترتیب بلحاظ ترتیب حروفِ تہجی ہے۔ اسی واسطے لازم کہیں ہے اور متعدی کہیں ۔ اور متعدی المتعدی کہیں۔ باندھنا متعدی ہے اور ردیف ب میں سب سے پہلے آیا ہے۔ بندھنا جو اس کا لازم ہے وہ ردیف کے آخر میں بننا وغیرہ کے ساتھ ہے۔ اسی طرح بکنا کہیں ہے اور بیچنا کہیں اور بکوانا کہیں اور بکنا کہیں۔

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پچھنا	پچھا	پچھے	پچھتا ہے	پچھے گا	پچھ	نہ پچھ - مت پچھ
پچھانا	پچھایا	پچھائے	پچھاتا ہے	پچھائے گا	پچھا	نہ پچھا - مت پچھا
بختنا	بختا	بختے	بختتا ہے	بختے گا	بخت	نہ بخت - مت بخت
بخشنا	بخشا	بخشے	بخشتا ہے	بخشے گا	بخش	نہ بخش - مت بخش
بخشوانا	بخشوایا	بخشوائے	بخشواتا ہے	بخشوائے گا	بخشوا	نہ بخشوا - مت بخشوا
بدلنا	بدلا	بدلے	بدلتا ہے	بدلے گا	بدل	نہ بدل - مت بدل
بدلوانا	بدلوایا	بدلوائے	بدلواتا ہے	بدلوائے گا	بدلوا	نہ بدلوا - مت بدلوا
برتنا	برتا	برتے	برتتا ہے	برتے گا	برت	نہ برت - مت برت
برسنا	برسا	برسے	برستا ہے	برسے گا	برس	نہ برس - مت برس
برسانا	برسایا	برسائے	برساتا ہے	برسائے گا	برسا	نہ برسا - مت برسا
بڑھنا	بڑھا	بڑھے	بڑھتا ہے	بڑھے گا	بڑھ	نہ بڑھ - مت بڑھ
بڑھانا	بڑھایا	بڑھائے	بڑھاتا ہے	بڑھائے گا	بڑھا	نہ بڑھا - مت بڑھا
بڑبڑانا	بڑبڑایا	بڑبڑائے	بڑبڑاتا ہے	بڑبڑائے گا	بڑبڑا	نہ بڑبڑا - مت بڑبڑا
بسنا	بسا	بسے	بستا ہے	بسے گا	بس	نہ بس - مت بس
بسانا	بسایا	بسائے	بساتا ہے	بسائے گا	بسا	نہ بسا - مت بسا
بِکھرنا	بکھرا	بکھرے	بکھرتا ہے	بکھرے گا	بکھر	نہ بکھر - مت بکھر
بکھیرنا	بکھیرا	بکھیرے	بکھیرتا ہے	بکھیرے گا	بکھیر	نہ بکھیر - مت بکھیر
بَکنا	بَکا	بَکے	بَکتا ہے	بَکے گا	بَک	نہ بَک - مت بَک
بِکنا	بِکا	بِکے	بِکتا ہے	بِکے گا	بِک	نہ بِک - مت بِک
بِکوانا	بِکوایا	بِکوائے	بِکواتا ہے	بِکوائے گا	بِکوا	نہ بِکوا - مت بِکوا
بِگڑنا	بِگڑا	بِگڑے	بِگڑتا ہے	بِگڑے گا	بِگڑ	نہ بِگڑ - مت بِگڑ
بِگاڑنا	بِگاڑا	بِگاڑے	بِگاڑتا ہے	بِگاڑے گا	بِگاڑ	نہ بِگاڑ - مت بِگاڑ
بُلانا	بُلایا	بُلائے	بُلاتا ہے	بُلائے گا	بُلا	نہ بُلا - مت بُلا
بِلکنا	بِلکا	بِلکے	بِلکتا ہے	بِلکے گا	بِلک	نہ بِلک - مت بِلک

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بُلوانا	بُلوایا	بُلوائے	بُلواتا ہے	بُلوائے گا	بُلوا	نہ بُلوا۔ مت بُلوا
بِلونا	بلویا	بلوئے	بلوتا ہے	بلوئے گا	بلو	نہ بلو۔ مت بلو
بِلبلانا	بلبلایا	بلبلائے	بلبلاتا ہے	بلبلائے گا	بلبلا	نہ بلبلا۔ مت بلبلا
بننا	بنا	بنے	بنتا ہے	بنے گا	بن	نہ بن۔ مت بن
بنانا	بنایا	بنائے	بناتا ہے	بنائے گا	بنا	نہ بنا۔ مت بنا
بِنوانا	بِنوایا	بِنوائے	بِنواتا ہے	بِنوائے گا	بِنوا	نہ بِنوا۔ مت بِنوا
بَننا	بَنا	بنے	بَنتا ہے	بنے گا	بَن	نہ بَن۔ مت بَن
بَنوانا	بَنوایا	بَنوائے	بَنواتا ہے	بَنوائے گا	بَنوا	نہ بَنوا۔ مت بَنوا
بندھنا	بندھا	بندھے	بندھتا ہے	بندھے گا	بندھ	نہ بندھ۔ مت بندھ
بندھوانا	بندھوایا	بندھوائے	بندھواتا ہے	بندھوائے گا	بندھوا	نہ بندھوا۔ مت بندھوا
بونا	بویا	بوئے	بوتا ہے	بوئے گا	بو	نہ بو۔ مت بو
بُوانا	بوایا	بوائے	بواتا ہے	بوائے گا	بوا	نہ بوا۔ مت بوا
بوجھنا	بوجھا	بوجھے	بوجھتا ہے	بوجھے گا	بوجھ	نہ بوجھ۔ مت بوجھ
بولنا	بولا	بولے	بولتا ہے	بولے گا	بول	نہ بول۔ مت بول
بہکنا	بہکا	بہکے	بہکتا ہے	بہکے گا	بہک	نہ بہک۔ مت بہک
بہکانا	بہکایا	بہکائے	بہکاتا ہے	بہکائے گا	بہکا	نہ بہکا۔ مت بہکا
بہنا	بہا	بہے	بہتا ہے	بہے گا	بہ	نہ بہ۔ مت بہ
بہلنا	بہلا	بہلے	بہلتا ہے	بہلے گا	بہل	نہ بہل۔ مت بہل
بہلانا	بہلایا	بہلائے	بہلاتا ہے	بہلائے گا	بہلا	نہ بہلا۔ مت بہلا
بیٹھنا	بیٹھا	بیٹھے	بیٹھتا ہے	بیٹھے گا	بیٹھ	نہ بیٹھ۔ مت بیٹھ
بیچنا	بیچا	بیچے	بیچتا ہے	بیچے گا	بیچ	نہ بیچ۔ مت بیچ
بیلنا	بیلا	بیلے	بیلتا ہے	بیلے گا	بیل	نہ بیل۔ مت بیل

بھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بھاگنا	بھاگا	بھاگے	بھاگتا ہے	بھاگے گا	بھاگ	نہ بھاگ۔ مت بھاگ
بھجوانا	بھجوایا	بھجوائے	بھجواتا ہے	بھجوائے گا	بھجوا	نہ بھجوا۔ مت بھجوا
بھرنا	بھرا	بھرے	بھرتا ہے	بھرے گا	بھر	نہ بھر۔ مت بھر
بھروانا	بھروایا	بھروائے	بھرواتا ہے	بھروائے گا	بھروا	نہ بھروا۔ مت بھروا
بھڑکنا	بھڑکا	بھڑکے	بھڑکتا ہے	بھڑکے گا	بھڑک	نہ بھڑک۔ مت بھڑک
بھگانا	بھگایا	بھگائے	بھگاتا ہے	بھگائے گا	بھگا	نہ بھگا۔ مت بھگا
بھگونا	بھگویا	بھگوئے	بھگوتا ہے	بھگوئے گا	بھگو	نہ بھگو۔ مت بھگو
بھُلانا	بھلایا	بھلائے	بھلاتا ہے	بھلائے گا	بھلا	نہ بھلا۔ مت بھلا
بھُنانا	بھنایا	بھنائے	بھناتا ہے	بھنائے گا	بھنا	نہ بھنا۔ مت بھنا
بھولنا	بھولا	بھولے	بھولتا ہے	بھولے گا	بھول	نہ بھول۔ مت بھول
بھونکنا	بھونکا	بھونکے	بھونکتا ہے	بھونکے گا	بھونک	نہ بھونک۔ مت بھونک
بھُونکنا[1]	بھُونکا	بھُونکے	بھُونکتا ہے	بھُونکے گا	بھُونک	نہ بھُونک۔ مت بھُونک
بھیگنا	بھیگا	بھیگے	بھیگتا ہے	بھیگے گا	بھیگ	نہ بھیگ۔ مت بھیگ
بھیجنا	بھیجا	بھیجے	بھیجتا ہے	بھیجے گا	بھیج	نہ بھیج۔ مت بھیج

پ

پانا	پایا	پائے	پاتا ہے	پائے گا	پا	نہ پا۔ مت پا
پاٹنا	پاٹا	پاٹے	پاٹتا ہے	پاٹے گا	پاٹ	نہ پاٹ۔ مت پاٹ
پالنا	پالا	پالے	پالتا ہے	پالے گا	پال	نہ پال۔ مت پال
پتھرانا	پتھرایا	پتھرائے	پتھراتا ہے	پتھرائے گا	پتھرا	نہ پتھرا۔ مت پتھرا

[1] بھُونکنا بالضم چبھونا، گھونپنا یہ لفظ چھری وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے چھری بھونکنا۔ بھالا بھونکنا۔

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بُلوانا	بُلوایا	بُلوائے	بُلواتا ہے	بُلوائے گا	بُلوا	نہ بُلوا۔مت بُلوا
بِلونا	بلویا	بلوئے	بلوتا ہے	بلوئے گا	بلو	نہ بلو۔مت بلو
بلبلانا	بلبلایا	بلبلائے	بلبلاتا ہے	بلبلائے گا	بلبلا	نہ بلبلا۔مت بلبلا
بننا	بنا	بنے	بنتا ہے	بنے گا	بن	نہ بن۔مت بن
بنانا	بنایا	بنائے	بناتا ہے	بنائے گا	بنا	نہ بنا۔مت بنا
بِنوانا	بِنوایا	بِنوائے	بِنواتا ہے	بِنوائے گا	بِنوا	نہ بِنوا۔مت بِنوا
بَننا	بَنا	بَنے	بَنتا ہے	بَنے گا	بَن	نہ بَن۔مت بَن
بَنوانا	بَنوایا	بَنوائے	بَنواتا ہے	بَنوائے گا	بَنوا	نہ بَنوا۔مت بَنوا
بندھنا	بندھا	بندھے	بندھتا ہے	بندھے گا	بندھ	نہ بندھ۔مت بندھ
بندھوانا	بندھوایا	بندھوائے	بندھواتا ہے	بندھوائے گا	بندھوا	نہ بندھوا۔مت بندھوا
بونا	بویا	بوئے	بوتا ہے	بوئے گا	بو	نہ بو۔مت بو
بُوانا	بوایا	بوائے	بواتا ہے	بوائے گا	بوا	نہ بوا۔مت بوا
بوجھنا	بوجھا	بوجھے	بوجھتا ہے	بوجھے گا	بوجھ	نہ بوجھ۔مت بوجھ
بولنا	بولا	بولے	بولتا ہے	بولے گا	بول	نہ بول۔مت بول
بہکنا	بہکا	بہکے	بہکتا ہے	بہکے گا	بہک	نہ بہک۔مت بہک
بہکانا	بہکایا	بہکائے	بہکاتا ہے	بہکائے گا	بہکا	نہ بہکا۔مت بہکا
بہنا	بہا	بہے	بہتا ہے	بہے گا	بہ	نہ بہ۔مت بہ
بہلنا	بہلا	بہلے	بہلتا ہے	بہلے گا	بہل	نہ بہل۔مت بہل
بہلانا	بہلایا	بہلائے	بہلاتا ہے	بہلائے گا	بہلا	نہ بہلا۔مت بہلا
بیٹھنا	بیٹھا	بیٹھے	بیٹھتا ہے	بیٹھے گا	بیٹھ	نہ بیٹھ۔مت بیٹھ
بیچنا	بیچا	بیچے	بیچتا ہے	بیچے گا	بیچ	نہ بیچ۔مت بیچ
بیلنا	بیلا	بیلے	بیلتا ہے	بیلے گا	بیل	نہ بیل۔مت بیل

بھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
بھاگنا	بھاگا	بھاگے	بھاگتا ہے	بھاگے گا	بھاگ	نہ بھاگ۔ مت بھاگ
بھجوانا	بھجوایا	بھجوائے	بھجواتا ہے	بھجوائے گا	بھجوا	نہ بھجوا۔ مت بھجوا
بھرنا	بھرا	بھرے	بھرتا ہے	بھرے گا	بھر	نہ بھر۔ مت بھر
بھروانا	بھروایا	بھروائے	بھرواتا ہے	بھروائے گا	بھروا	نہ بھروا۔ مت بھروا
بھڑکنا	بھڑکا	بھڑکے	بھڑکتا ہے	بھڑکے گا	بھڑک	نہ بھڑک۔ مت بھڑک
بھگانا	بھگایا	بھگائے	بھگاتا ہے	بھگائے گا	بھگا	نہ بھگا۔ مت بھگا
بھگونا	بھگویا	بھگوئے	بھگوتا ہے	بھگوئے گا	بھگو	نہ بھگو۔ مت بھگو
بھُلانا	بھلایا	بھلائے	بھلاتا ہے	بھلائے گا	بھلا	نہ بھلا۔ مت بھلا
بھُنانا	بھنایا	بھنائے	بھناتا ہے	بھنائے گا	بھنا	نہ بھنا۔ مت بھنا
بھولنا	بھولا	بھولے	بھولتا ہے	بھولے گا	بھول	نہ بھول۔ مت بھول
بھونکنا	بھونکا	بھونکے	بھونکتا ہے	بھونکے گا	بھونک	نہ بھونک۔ مت بھونک
بھُونکنا[۱]	بھُونکا	بھُونکے	بھُونکتا ہے	بھُونکے گا	بھُونک	نہ بھُونک۔ مت بھُونک
بھیگنا	بھیگا	بھیگے	بھیگتا ہے	بھیگے گا	بھیگ	نہ بھیگ۔ مت بھیگ
بھیجنا	بھیجا	بھیجے	بھیجتا ہے	بھیجے گا	بھیج	نہ بھیج۔ مت بھیج

پ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پانا	پایا	پائے	پاتا ہے	پائے گا	پا	نہ پا۔ مت پا
پاٹنا	پاٹا	پاٹے	پاٹتا ہے	پاٹے گا	پاٹ	نہ پاٹ۔ مت پاٹ
پالنا	پالا	پالے	پالتا ہے	پالے گا	پال	نہ پال۔ مت پال
پتھرانا	پتھرایا	پتھرائے	پتھراتا ہے	پتھرائے گا	پتھرا	نہ پتھرا۔ مت پتھرا

[۱] بھُونکنا بالضم چبھونا، گھونپنا یہ لفظ چھری وغیرہ کے لئے استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے چھری بھُونکنا۔ بھالا بھُونکنا۔

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پُجنا	پُجا	پُجے	پُجتا ہے	پُجے گا	پُج	نہ پُج۔ مت پُج
پچنا	پچا	پچے	پچتا ہے	پچے گا	پچ	نہ پچ۔ مت پچ
پچانا	پچایا	پچائے	پچاتا ہے	پچائے گا	پچا	نہ پچا۔ مت پچا
پرونا	پرویا	پروئے	پروتا ہے	پروئے گا	پرو	نہ پرو۔ مت پرو
پڑنا	پڑا	پڑے	پڑتا ہے	پڑے گا	پڑ	نہ پڑ۔ مت پڑ
پڑھنا	پڑھا	پڑھے	پڑھتا ہے	پڑھے گا	پڑھ	نہ پڑھ۔ مت پڑھ
پڑھانا	پڑھایا	پڑھائے	پڑھاتا ہے	پڑھائے گا	پڑھا	نہ پڑھا۔ مت پڑھا
پڑھوانا	پڑھوایا	پڑھوائے	پڑھواتا ہے	پڑھوائے گا	پڑھوا	نہ پڑھوا۔ مت پڑھوا
پسیجنا	پسیجا	پسیجے	پسیجتا ہے	پسیجے گا	پسیج	نہ پسیج۔ مت پسیج
پِسنا	پِسا	پِسے	پِستا ہے	پِسے گا	پِس	نہ پِس۔ مت پِس
پسوانا	پسوایا	پسوائے	پسواتا ہے	پسوائے گا	پسوا	نہ پسوا۔ مت پسوا
پکنا	پکا	پکے	پکتا ہے	پکے گا	پک	نہ پک۔ مت پک
پکانا	پکایا	پکائے	پکاتا ہے	پکائے گا	پکا	نہ پکا۔ مت پکا
پکوانا	پکوایا	پکوائے	پکواتا ہے	پکوائے گا	پکوا	نہ پکوا۔ مت پکوا
پکڑنا	پکڑا	پکڑے	پکڑتا ہے	پکڑے گا	پکڑ	نہ پکڑ۔ مت پکڑ
پکڑانا	پکڑایا	پکڑائے	پکڑاتا ہے	پکڑائے گا	پکڑا	نہ پکڑا۔ مت پکڑا
پکڑوانا	پکڑوایا	پکڑوائے	پکڑواتا ہے	پکڑوائے گا	پکڑوا	نہ پکڑوا۔ مت پکڑوا
پگلنا	پگلا	پگلے	پگلتا ہے	پگلے گا	پگل	نہ پگل۔ مت پگل
پگلانا	پگلایا	پگلائے	پگلاتا ہے	پگلائے گا	پگلا	نہ پگلا۔ مت پگلا
پلانا	پلایا	پلائے	پلاتا ہے	پلائے گا	پلا	نہ پلا۔ مت پلا
پلوانا	پلوایا	پلوائے	پلواتا ہے	پلوائے گا	پلوا	نہ پلوا۔ مت پلوا
پلنا	پلا	پلے	پلتا ہے	پلے گا	پل	نہ پل۔ مت پل
پنپنا	پنپا	پنپے	پنپتا ہے	پنپے گا	پنپ	نہ پنپ۔ مت پنپ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پوجنا	پوجا	پوجے	پوجتا ہے	پوجے گا	پوج	نہ پوج۔مت پوج
پوچھنا	پوچھا	پوچھے	پوچھتا ہے	پوچھے گا	پوچھ	نہ پوچھ۔مت پوچھ
پہچاننا	پہچانا	پہچانے	پہچانتا ہے	پہچانے گا	پہچان	نہ پہچان۔مت پہچان
پہچنوانا	پہچنوایا	پہچنوائے	پہچنواتا ہے	پہچنوائے گا	پہچنوا	نہ پہچنوا۔مت پہچنوا
پہنچنا	پہنچا	پہنچے	پہنچتا ہے	پہنچے گا	پہنچ	نہ پہنچ۔مت پہنچ
پہنچانا	پہنچایا	پہنچائے	پہنچاتا ہے	پہنچائے گا	پہنچا	نہ پہنچا۔مت پہنچا
پہننا	پہنا	پہنے	پہنتا ہے	پہنے گا	پہن	نہ پہن۔مت پہن
پہنانا	پہنایا	پہنائے	پہناتا ہے	پہنائے گا	پہنا	نہ پہنا۔مت پہنا
پیسنا	پیسا	پیسے	پیستا ہے	پیسے گا	پیس	نہ پیس۔مت پیس
پینا	پیا	پیئے	پیتا ہے	پیئے گا	پی	نہ پی۔مت پی
پیلنا	پیلا	پیلے	پیلتا ہے	پیلے گا	پیل	نہ پیل۔مت پیل
			پھ			
پھاڑنا	پھاڑا	پھاڑے	پھاڑتا ہے	پھاڑے گا	پھاڑ	نہ پھاڑ۔مت پھاڑ
پھٹنا	پھٹا	پھٹے	پھٹتا ہے	پھٹے گا	پھٹ	نہ پھٹ۔مت پھٹ
پھرنا	پھرا	پھرے	پھرتا ہے	پھرے گا	پھر	نہ پھر۔مت پھر
پھرانا	پھرایا	پھرائے	پھراتا ہے	پھرائے گا	پھرا	نہ پھرا۔مت پھرا
پھسلنا	پھسلا	پھسلے	پھسلتا ہے	پھسلے گا	پھسل	نہ پھسل۔مت پھسل
پھسلانا	پھسلایا	پھسلائے	پھسلاتا ہے	پھسلائے گا	پھسلا	نہ پھسلا۔مت پھسلا
پھکوانا	پھکوایا	پھکوائے	پھکواتا ہے	پھکوائے گا	پھکوا	نہ پھکوا۔مت پھکوا
پھنسنا	پھنسا	پھنسے	پھنستا ہے	پھنسے گا	پھنس	نہ پھنس۔مت پھنس
پھنسانا	پھنسایا	پھنسائے	پھنساتا ہے	پھنسائے گا	پھنسا	نہ پھنسا۔مت پھنسا
پھبنا	پھبا	پھبے	پھبتا ہے	پھبے گا	پھب	نہ پھب۔مت پھب

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
پھوڑنا	پھوڑا	پھوڑے	پھوڑتا ہے	پھوڑے گا	پھوڑ	نہ پھوڑ۔ مت پھوڑ
پھولنا	پھولا	پھولے	پھولتا ہے	پھولے گا	پھول	نہ پھول۔ مت پھول
پھونکنا	پھونکا	پھونکے	پھونکتا ہے	پھونکے گا	پھونک	نہ پھونک۔ مت پھونک
پھیرنا	پھیرا	پھیرے	پھیرتا ہے	پھیرے گا	پھیر	نہ پھیر۔ مت پھیر
پھینکنا	پھینکا	پھینکے	پھینکتا ہے	پھینکے گا	پھینک	نہ پھینک۔ مت پھینک
پھیلنا	پھیلا	پھیلے	پھیلتا ہے	پھیلے گا	پھیل	نہ پھیل۔ مت پھیل
پھیلانا	پھیلایا	پھیلائے	پھیلاتا ہے	پھیلائے گا	پھیلا	نہ پھیلا۔ مت پھیلا
			ت			
تاپنا	تاپا	تاپے	تاپتا ہے	تاپے گا	تاپ	نہ تاپ۔ مت تاپ
تاکنا	تاکا	تاکے	تاکتا ہے	تاکے گا	تاک	نہ تاک۔ مت تاک
تاننا	تانا	تانے	تانتا ہے	تانے گا	تان	نہ تان۔ مت تان
تپنا	تپا	تپے	تپتا ہے	تپے گا	تپ	نہ تپ۔ مت تپ
تڑپنا	تڑپا	تڑپے	تڑپتا ہے	تڑپے گا	تڑپ	نہ تڑپ۔ مت تڑپ
تڑپانا	تڑپایا	تڑپائے	تڑپاتا ہے	تڑپائے گا	تڑپا	نہ تڑپا۔ مت تڑپا
تڑانا	تڑایا	تڑائے	تڑاتا ہے	تڑائے گا	تڑا	نہ تڑا۔ مت تڑا
تڑوانا	تڑوایا	تڑوائے	تڑواتا ہے	تڑوائے گا	تڑوا	نہ تڑوا۔ مت تڑوا
تکنا	تکا	تکے	تکتا ہے	تکے گا	تک	نہ تک۔ مت تک
تلنا	تلا	تلے	تلتا ہے	تلے گا	تل	نہ تل۔ مت تل
تلملانا	تلملایا	تلملائے	تلملاتا ہے	تلملائے گا	تلملا	نہ تلملا۔ مت تلملا
تلوانا	تلوایا	تلوائے	تلواتا ہے	تلوائے گا	تلوا	نہ تلوا۔ مت تلوا
تننا	تنا	تنے	تنتا ہے	تنے گا	تن	نہ تن۔ مت تن
توڑنا	توڑا	توڑے	توڑتا ہے	توڑے گا	توڑ	نہ توڑ۔ مت توڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
تولنا	تولا	تولے	تولتا ہے	تولے گا	تول	نہ تول۔ مت تول
تیرنا	تیرا	تیرے	تیرتا ہے	تیرے گا	تیر	نہ تیر۔ مت تیر
			تھ			
تھامنا	تھاما	تھامے	تھامتا ہے	تھامے گا	تھام	نہ تھام۔ مت تھام
تھکنا	تھکا	تھکے	تھکتا ہے	تھکے گا	تھک	نہ تھک۔ مت تھک
تھکانا	تھکایا	تھکائے	تھکاتا ہے	تھکائے گا	تھکا	نہ تھکا۔ مت تھکا
تھمنا	تھما	تھمے	تھمتا ہے	تھمے گا	تھم	نہ تھم۔ مت تھم
			ٹ			
ٹالنا	ٹالا	ٹالے	ٹالتا ہے	ٹالے گا	ٹال	نہ ٹال۔ مت ٹال
ٹانکنا	ٹانکا	ٹانکے	ٹانکتا ہے	ٹانکے گا	ٹانک	نہ ٹانک۔ مت ٹانک
ٹپکنا	ٹپکا	ٹپکے	ٹپکتا ہے	ٹپکے گا	ٹپک	نہ ٹپک۔ مت ٹپکا
ٹپکانا	ٹپکایا	ٹپکائے	ٹپکاتا ہے	ٹپکائے گا	ٹپکا	نہ ٹپکا۔ مت ٹپک
ٹٹولنا	ٹٹولا	ٹٹولے	ٹٹولتا ہے	ٹٹولے گا	ٹٹول	نہ ٹٹول۔ مت ٹٹول
ٹوٹنا	ٹوٹا	ٹوٹے	ٹوٹتا ہے	ٹوٹے گا	ٹوٹ	نہ ٹوٹ۔ مت ٹوٹ
ٹرانا	ٹرایا	ٹرائے	ٹراتا ہے	ٹرائے گا	ٹرا	نہ ٹرا۔ مت ٹرا
ٹوکنا	ٹوکا	ٹوکے	ٹوکتا ہے	ٹوکے گا	ٹوک	نہ ٹوک۔ مت ٹوک
ٹہلنا	ٹہلا	ٹہلے	ٹہلتا ہے	ٹہلے گا	ٹہل	نہ ٹہل۔ مت ٹہل
ٹیکنا	ٹیکا	ٹیکے	ٹیکتا ہے	ٹیکے گا	ٹیک	نہ ٹیک۔ مت ٹیک
			ٹھ			
ٹھاننا	ٹھانا	ٹھانے	ٹھانتا ہے	ٹھانے گا	ٹھان	نہ ٹھان۔ مت ٹھان

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	اَمر	نہی
ٹھرنا	ٹھرا	ٹھرے	ٹھرتا ہے	ٹھرے گا	ٹھر	نہ ٹھر۔ مت ٹھر
ٹھکرانا	ٹھکرایا	ٹھکرائے	ٹھکراتا ہے	ٹھکرائے گا	ٹھکرا	نہ ٹھکرا۔ مت ٹھکرا
ٹھونکنا	ٹھونکا	ٹھونکے	ٹھونکتا ہے	ٹھونکے گا	ٹھونک	نہ ٹھونک۔ مت ٹھونک
ٹھیرنا یا ٹھہرنا	ٹھیرایا یا ٹھہرایا	ٹھیرے یا ٹھہرے	ٹھیرتا ہے یا ٹھہرتا ہے	ٹھیرے گا یا ٹھہرائے گا	ٹھیر یا ٹھہر	نہ ٹھیر۔ مت ٹھیر یا نہ ٹھہر۔ مت ٹھہر
ٹھیرانا یا ٹھہرانا	ٹھیرایا یا ٹھہرایا	ٹھیرائے یا ٹھہرائے	ٹھیراتا ہے یا ٹھہراتا ہے	ٹھیرائے گا یا ٹھہرائے گا	ٹھیرا یا ٹھہرا	نہ ٹھیرا۔ مت ٹھیرا یا نہ ٹھہرا۔ مت ٹھہرا

ج

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	اَمر	نہی
جانا	گیا	جائے	جاتا ہے	جائے گا	جا	نہ جا۔ مت جا
جاننا	جانا	جانے	جانتا ہے	جانے گا	جان	نہ جان۔ مت جان
جانچنا	جانچا	جانچے	جانچتا ہے	جانچے گا	جانچ	نہ جانچ۔ مت جانچ
جتانا	جتایا	جتائے	جتاتا ہے	جتائے گا	جتا	نہ جتا۔ مت جتا
جچنا	جچا	جچے	جچتا ہے	جچے گا	جچ	نہ جچ۔ مت جچ
جَڑنا	جَڑا	جَڑے	جَڑتا ہے	جَڑے گا	جَڑ	نہ جَڑ۔ مت جَڑ
جَڑوانا	جَڑوایا	جَڑوائے	جَڑواتا ہے	جَڑوائے گا	جَڑوا	نہ جَڑوا۔ مت جَڑوا
جُڑنا	جُڑا	جُڑے	جُڑتا ہے	جُڑے گا	جُڑ	نہ جُڑ۔ مت جُڑ
جُڑوانا	جُڑوایا	جُڑوائے	جُڑواتا ہے	جُڑوائے گا	جُڑوا	نہ جُڑوا۔ مت جُڑوا
جَلنا	جَلا	جَلے	جَلتا ہے	جَلے گا	جَل	نہ جَل۔ مت جَل
جلانا	جلایا	جلائے	جلاتا ہے	جلائے گا	جلا	نہ جلا۔ مت جلا
جلوانا	جلوایا	جلوائے	جلواتا ہے	جلوائے گا	جلوا	نہ جلوا۔ مت جلوا
جِلانا	جِلایا	جِلائے	جِلاتا ہے	جِلائے گا	جِلا	نہ جِلا۔ مت جِلا
جمنا	جما	جمے	جمتا ہے	جمے گا	جم	نہ جم۔ مت جم

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
جوڑنا	جوڑا	جوڑے	جوڑتا ہے	جوڑے گا	جوڑ	نہ جوڑ۔مت جوڑ
جیتنا	جیتا	جیتے	جیتتا ہے	جیتے گا	جیت	نہ جیت۔مت جیت
جینا	جیا	جیئے	جیتا ہے	جیئے گا	جی	نہ جی۔مت جی
			جھ			
جھاڑنا	جھاڑا	جھاڑے	جھاڑتا ہے	جھاڑے گا	جھاڑ	نہ جھاڑ۔مت جھاڑ
جھانکنا	جھانکا	جھانکے	جھانکتا ہے	جھانکے گا	جھانک	نہ جھانک۔مت جھانک
جھپکنا	جھپکا	جھپکے	جھپکتا ہے	جھپکے گا	جھپک	نہ جھپک۔مت جھپک
جھڑنا	جھڑا	جھڑے	جھڑتا ہے	جھڑے گا	جھڑ	نہ جھڑ۔مت جھڑ
جھکنا	جھکا	جھکے	جھکتا ہے	جھکے گا	جھک	نہ جھک۔مت جھک
جھکانا	جھکایا	جھکائے	جھکاتا ہے	جھکائے گا	جھکا	نہ جھکا۔مت جھکا
جھلسنا	جھلسا	جھلسے	جھلستا ہے	جھلسے گا	جھلس	نہ جھلس۔مت جھلس
جھلانا	جھلایا	جھلائے	جھلاتا ہے	جھلائے گا	جھلا	نہ جھلا۔مت جھلا
جھنجھلانا	جھنجھلایا	جھنجھلائے	جھنجھلاتا ہے	جھنجھلائے گا	جھنجھلا	نہ جھنجھلا۔مت جھنجھلا
جھونکنا	جھونکا	جھونکے	جھونکتا ہے	جھونکے گا	جھونک	نہ جھونک۔مت جھونک
جھیلنا	جھیلا	جھیلے	جھیلتا ہے	جھیلے گا	جھیل	نہ جھیل۔مت جھیل
جھینکنا	جھینکا	جھینکے	جھینکتا ہے	جھینکے گا	جھینک	نہ جھینک۔مت جھینک
			چ			
چاٹنا	چاٹا	چاٹے	چاٹتا ہے	چاٹے گا	چاٹ	نہ چاٹ۔مت چاٹ
چاہنا	چاہا	چاہے	چاہتا ہے	چاہے گا	چاہ	نہ چاہ۔مت چاہ
چبانا	چبایا	چبائے	چباتا ہے	چبائے گا	چبا	نہ چبا۔مت چبا
چبھنا	چبھا	چبھے	چبھتا ہے	چبھے گا	چبھ	نہ چبھ۔مت چبھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
چبھونا	چبھویا	چبھوئے	چبھوتا ہی	چبھوئے گا	چبھو	نہ چبھو۔ مت چبھو
چپکنا	چپکا	چپکے	چپکتا ہی	چپکے گا	چپک	نہ چپک۔ مت چپک
چپکانا	چپکایا	چپکائے	چپکاتا ہی	چپکائے گا	چپکا	نہ چپکا۔ مت چپکا
چٹکنا	چٹکا	چٹکے	چٹکتا ہی	چٹکے گا	چٹک	نہ چٹک۔ مت چٹک
چٹانا	چٹایا	چٹائے	چٹاتا ہی	چٹائے گا	چٹا	نہ چٹا۔ مت چٹا
پچھوڑنا	پچھوڑا	پچھوڑے	پچھوڑتا ہی	پچھوڑے گا	پچھوڑ	نہ پچھوڑ۔ مت پچھوڑ
چرنا	چرا	چرے	چرتا ہی	چرے گا	چر	نہ چر۔ مت چر
چَرانا	چَرایا	چَرائے	چَراتا ہی	چَرائے گا	چَرا	نہ چَرا۔ مت چَرا
چُرانا	چُرایا	چُرائے	چُراتا ہی	چُرائے گا	چُرا	نہ چُرا۔ مت چُرا
چڑھنا	چڑھا	چڑھے	چڑھتا ہی	چڑھے گا	چڑھ	نہ چڑھ۔ مت چڑھ
چڑھانا	چڑھایا	چڑھائے	چڑھاتا ہی	چڑھائے گا	چڑھا	نہ چڑھا۔ مت چڑھا
چڑھوانا	چڑھوایا	چڑھوائے	چڑھواتا ہی	چڑھوائے گا	چڑھوا	نہ چڑھوا۔ مت چڑھوا
چکرانا	چکرایا	چکرائے	چکراتا ہی	چکرائے گا	چکرا	نہ چکرا۔ مت چکرا
چکھنا	چکھا	چکھے	چکھتا ہی	چکھے گا	چکھ	نہ چکھ۔ مت چکھ
چکھانا	چکھایا	چکھائے	چکھاتا ہی	چکھائے گا	چکھا	نہ چکھا۔ مت چکھا
چلنا	چلا	چلے	چلتا ہی	چلے گا	چل	نہ چل۔ مت چل
چلانا	چلایا	چلائے	چلاتا ہی	چلائے گا	چلا	نہ چلا۔ مت چلا
چِلّانا	چِلّایا	چِلّائے	چِلّاتا ہی	چِلّائے گا	چِلّا	نہ چِلّا۔ مت چِلّا
چمٹنا	چمٹا	چمٹے	چمٹتا ہی	چمٹے گا	چمٹ	نہ چمٹ۔ مت چمٹ
چمکنا	چمکا	چمکے	چمکتا ہی	چمکے گا	چمک	نہ چمک۔ مت چمک
چمکانا	چمکایا	چمکائے	چمکاتا ہی	چمکائے گا	چمکا	نہ چمکا۔ مت چمکا
چمکارنا	چمکارا	چمکارے	چمکارتا ہی	چمکارے گا	چمکار	نہ چمکار۔ مت چمکار
چنگھاڑنا	چنگھاڑا	چنگھاڑے	چنگھاڑتا ہی	چنگھاڑے گا	چنگھاڑ	نہ چنگھاڑ۔ مت چنگھاڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
چُننا	چُنا	چُنے	چُنتا ہے	چُنے گا	چُن	نہ چُن۔مت چُن
چوسنا	چوسا	چوسے	چوستا ہے	چوسے گا	چوس	نہ چوس۔مت چوس
چومنا	چوما	چومے	چومتا ہے	چومے گا	چوم	نہ چوم۔مت چوم
چہانا	چہایا	چہائے	چہاتا ہے	چہائے گا	چہا	نہ چہا۔مت چہا
چیخنا	چیخا	چیخے	چیختا ہے	چیخے گا	چیخ	نہ چیخ۔مت چیخ
چیرنا	چیرا	چیرے	چیرتا ہے	چیرے گا	چیر	نہ چیر۔مت چیر

چھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
چھانا	چھایا	چھائے	چھاتا ہے	چھائے گا	چھا	نہ چھا۔مت چھا
چھاپنا	چھاپا	چھاپے	چھاپتا ہے	چھاپے گا	چھاپ	نہ چھاپ۔مت چھاپ
چھاننا	چھانا	چھانے	چھانتا ہے	چھانے گا	چھان	نہ چھان۔مت چھان
چھپنا	چھپا	چھپے	چھپتا ہے	چھپے گا	چھپ	نہ چھپ۔مت چھپ
چھپوانا	چھپوایا	چھپوائے	چھپواتا ہے	چھپوائے گا	چھپوا	نہ چھپوا۔مت چھپوا
چھُپنا	چھُپا	چھُپے	چھُپتا ہے	چھُپے گا	چھُپ	نہ چھُپ۔مت چھُپ
چھپانا	چھپایا	چھپائے	چھپاتا ہے	چھپائے گا	چھپا	نہ چھپا۔مت چھپا
چھٹنا	چھٹا	چھٹے	چھٹتا ہے	چھٹے گا	چھٹ	نہ چھٹ۔مت چھٹ
چھدوانا	چھدوایا	چھدوائے	چھدواتا ہے	چھدوائے گا	چھدوا	نہ چھدوا۔مت چھدوا
چھڑنا	چھڑا	چھڑے	چھڑتا ہے	چھڑے گا	چھڑ	نہ چھڑ۔مت چھڑ
چھُڑانا	چھُڑایا	چھُڑائے	چھُڑاتا ہے	چھُڑائے گا	چھُڑا	نہ چھُڑا۔مت چھُڑا
چھڑکنا	چھڑکا	چھڑکے	چھڑکتا ہے	چھڑکے گا	چھڑک	نہ چھڑک۔مت چھڑک
چھڑکوانا	چھڑکوایا	چھڑکوائے	چھڑکواتا ہے	چھڑکوائے گا	چھڑکوا	نہ چھڑکوا۔مت چھڑکوا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
چھنا	چھنا	چھنے	چھنتا ہی	چھنے گا	چھن	نہ چھن۔ مت چھن
چھوٹنا	چھوٹا	چھوٹے	چھوٹتا ہی	چھوٹے گا	چھوٹ	نہ چھوٹ۔ مت چھوٹ
چھوڑنا	چھوڑا	چھوڑے	چھوڑتا ہی	چھوڑے گا	چھوڑ	نہ چھوڑ۔ مت چھوڑ
چھیدنا	چھیدا	چھیدے	چھیدتا ہی	چھیدے گا	چھید	نہ چھید۔ مت چھید
چھیڑنا	چھیڑا	چھیڑے	چھیڑتا ہی	چھیڑے گا	چھیڑ	نہ چھیڑ۔ مت چھیڑ
چھیلنا	چھیلا	چھیلے	چھیلتا ہی	چھیلے گا	چھیل	نہ چھیل۔ مت چھیل
چھیننا	چھینا	چھینے	چھینتا ہی	چھینے گا	چھین	نہ چھین۔ مت چھین
			خ			
خرادنا	خرادا	خرادے	خرادتا ہی	خرادے گا	خراد	نہ خراد۔ مت خراد
خرچنا	خرچا	خرچے	خرچتا ہی	خرچے گا	خرچ	نہ خرچ۔ مت خرچ
خریدنا	خریدا	خریدے	خریدتا ہی	خریدے گا	خرید	نہ خرید۔ مت خرید
			د			
دابنا	دابا	دابے	دابتا ہی	دابے گا	داب	نہ داب۔ مت داب
دبنا	دبا	دبے	دبتا ہی	دبے گا	دب	نہ دب۔ مت دب
دبانا	دبایا	دبائے	دباتا ہی	دبائے گا	دبا	نہ دبا۔ مت دبا
دُکھنا	دُکھا	دُکھے	دُکھتا ہی	دُکھے گا	دُکھ	نہ دُکھ۔ مت دُکھ
دُکھانا	دُکھایا	دُکھائے	دُکھاتا ہی	دُکھائے گا	دُکھا	نہ دُکھا۔ مت دُکھا
دِکھانا	دِکھایا	دِکھائے	دِکھاتا ہی	دِکھائے گا	دِکھا	نہ دِکھا۔ مت دِکھا
دِلانا	دِلایا	دِلائے	دِلاتا ہی	دِلائے گا	دِلا	نہ دِلا۔ مت دِلا
دَلنا	دَلا	دَلے	دَلتا ہی	دَلے گا	دَل	نہ دَل۔ مت دَل
دوڑنا	دوڑا	دوڑے	دوڑتا ہی	دوڑے گا	دوڑ	نہ دوڑ۔ مت دوڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
دوڑانا	دوڑایا	دوڑائے	دوڑاتا ہے	دوڑائے گا	دوڑا	نہ دوڑا۔ مت دوڑا
دہاڑنا	دہاڑا	دہاڑے	دہاڑتا ہے	دہاڑے گا	دہاڑ	نہ دہاڑ۔ مت دہاڑ
دہکنا	دہکا	دہکے	دہکتا ہے	دہکے گا	دہک	نہ دہک۔ مت دہک
دیکھنا	دیکھا	دیکھے	دیکھتا ہے	دیکھے گا	دیکھ	نہ دیکھ۔ مت دیکھ
دینا	دیا	دے	دیتا ہے	دے گا	دے	نہ دے۔ مت دے
			دھ			
دھرنا	دھرا	دھرے	دھرتا ہے	دھرے گا	دھر	نہ دھر۔ مت دھر
دھکیلنا	دھکیلا	دھکیلے	دھکیلتا ہے	دھکیلے گا	دھکیل	نہ دھکیل۔ مت دھکیل
دھلوانا	دھلوایا	دھلوائے	دھلواتا ہے	دھلوائے گا	دھلوا	نہ دھلوا۔ مت دھلوا
دھنسنا	دھنسا	دھنسے	دھنستا ہے	دھنسے گا	دھنس	نہ دھنس۔ مت دھنس
دھونا	دھویا	دھوئے	دھوتا ہے	دھوئے گا	دھو	نہ دھو۔ مت دھو
			ڈ			
ڈالنا	ڈالا	ڈالے	ڈالتا ہے	ڈالے گا	ڈال	نہ ڈال۔ مت ڈال
ڈانٹنا	ڈانٹا	ڈانٹے	ڈانٹتا ہے	ڈانٹے گا	ڈانٹ	نہ ڈانٹ۔ مت ڈانٹ
ڈرنا	ڈرا	ڈرے	ڈرتا ہے	ڈرے گا	ڈر	نہ ڈر۔ مت ڈر
ڈرانا	ڈرایا	ڈرائے	ڈراتا ہے	ڈرائے گا	ڈرا	نہ ڈرا۔ مت ڈرا
ڈسنا	ڈسا	ڈسے	ڈستا ہے	ڈسے گا	ڈس	نہ ڈس۔ مت ڈس
ڈگمگانا	ڈگمگایا	ڈگمگائے	ڈگمگاتا ہے	ڈگمگائے گا	ڈگمگا	نہ ڈگمگا۔ مت ڈگمگا
ڈوبنا	ڈوبا	ڈوبے	ڈوبتا ہے	ڈوبے گا	ڈوب	نہ ڈوب۔ مت ڈوب

ڈھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
ڈھانپنا	ڈھانپا	ڈھانپے	ڈھانپتا ہی	ڈھانپے گا	ڈھانپ	نہ ڈھانپ مت ڈھانپ
ڈھانکنا	ڈھانکا	ڈھانکے	ڈھانکتا ہی	ڈھانکے گا	ڈھانک	نہ ڈھانک مت ڈھانک
ڈھلنا	ڈھلا	ڈھلے	ڈھلتا ہی	ڈھلے گا	ڈھل	نہ ڈھل مت ڈھل
ڈھلکنا	ڈھلکا	ڈھلکے	ڈھلکتا ہی	ڈھلکے گا	ڈھلک	نہ ڈھلک مت ڈھلک
ڈھونڈھنا	ڈھونڈھا	ڈھونڈھے	ڈھونڈھتا ہی	ڈھونڈھے گا	ڈھونڈھ	نہ ڈھونڈھ مت ڈھونڈھ
ڈھونا	ڈھویا	ڈھوئے	ڈھوتا ہی	ڈھوئے گا	ڈھو	نہ ڈھو۔ مت ڈھو

ر

رٹنا	رٹا	رٹے	رٹتا ہی	رٹے گا	رٹ	نہ رٹ۔ مت رٹ
رکھنا	رکھا	رکھے	رکھتا ہی	رکھے گا	رکھ	نہ رکھ۔ مت رکھ
رکھوانا	رکھوایا	رکھوائے	رکھواتا ہی	رکھوائے گا	رکھوا	نہ رکھوا مت رکھوا
رُلانا	رُلایا	رُلائے	رُلاتا ہی	رُلائے گا	رُلا	نہ رُلا۔ مت رُلا۔
رونا	رویا	رُوئے	روتا ہی	روئے گا	رو	نہ رو۔ مت رو
رُوٹھنا	رُوٹھا	رُوٹھے	رُوٹھتا ہی	رُوٹھے گا	رُوٹھ	نہ رُوٹھ مت رُوٹھ
رہنا	رہا	رہے	رہتا ہی	رہے گا	رہ	نہ رہ۔ مت رہ
ریجھنا	ریجھا	ریجھے	ریجھتا ہی	ریجھے گا	ریجھ	نہ ریجھ مت ریجھ

س

ستانا	ستایا	ستائے	ستاتا ہی	ستائے گا	ستا	نہ ستا۔ مت ستا
سجنا	سجا	سجے	سجتا ہی	سجے گا	سج	نہ سج۔ مت سج

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
سُجھانا	سُجھایا	سُجھائے	سُجھاتا ہے	سُجھائے گا	سُجھا	نہ سُجھا۔ مت سُجھا
سکھانا	سکھایا	سکھائے	سکھاتا ہے	سکھائے گا	سکھا	نہ سکھا۔ مت سکھا
سُلانا	سُلایا	سُلائے	سُلاتا ہے	سُلائے گا	سُلا	نہ سُلا۔ مت سُلا
سِلانا	سِلایا	سِلائے	سِلاتا ہے	سِلائے گا	سِلا	نہ سِلا۔ مت سِلا
سِلوانا	سِلوایا	سِلوائے	سِلواتا ہے	سِلوائے گا	سِلوا	نہ سِلوا۔ مت سِلوا
سُلجھنا	سُلجھا	سُلجھے	سُلجھتا ہے	سُلجھے گا	سُلجھ	نہ سُلجھ۔ مت سُلجھ
سُلجھانا	سُلجھایا	سُلجھائے	سُلجھاتا ہے	سُلجھائے گا	سُلجھا	نہ سُلجھا۔ مت سُلجھا
سمانا	سمایا	سمائے	سماتا ہے	سمائے گا	سما	نہ سما۔ مت سما
سمجھنا	سمجھا	سمجھے	سمجھتا ہے	سمجھے گا	سمجھ	نہ سمجھ۔ مت سمجھ
سمجھانا	سمجھایا	سمجھائے	سمجھاتا ہے	سمجھائے گا	سمجھا	نہ سمجھا۔ مت سمجھا
سمٹنا	سمٹا	سمٹے	سمٹتا ہے	سمٹے گا	سمٹ	نہ سمٹ۔ مت سمٹ
سمیٹنا	سمیٹا	سمیٹے	سمیٹتا ہے	سمیٹے گا	سمیٹ	نہ سمیٹ۔ مت سمیٹ
سنورنا	سنورا	سنورے	سنورتا ہے	سنورے گا	سنور	نہ سنور۔ مت سنور
سنوارنا	سنوارا	سنوارے	سنوارتا ہے	سنوارے گا	سنوار	نہ سنوار۔ مت سنوار
سنبھالنا	سنبھالا	سنبھالے	سنبھالتا ہے	سنبھالے گا	سنبھال	نہ سنبھال۔ مت سنبھال
سُنگھانا	سُنگھایا	سُنگھائے	سُنگھاتا ہے	سُنگھائے گا	سُنگھا	نہ سُنگھا۔ مت سُنگھا
سُننا	سُنا	سُنے	سُنتا ہے	سُنے گا	سُن	نہ سُن۔ مت سُن
سُنانا	سُنایا	سُنائے	سُناتا ہے	سُنائے گا	سُنا	نہ سُنا۔ مت سُنا
سونا	سویا	سوئے	سوتا ہے	سوئے گا	سو	نہ سو۔ مت سو
سوچنا	سوچا	سوچے	سوچتا ہے	سوچے گا	سوچ	نہ سوچ۔ مت سوچ
سوکھنا	سوکھا	سوکھے	سوکھتا ہے	سوکھے گا	سوکھ	نہ سوکھ۔ مت سوکھ
سونپنا	سونپا	سونپے	سونپتا ہے	سونپے گا	سونپ	نہ سونپ۔ مت سونپ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
سونگھنا	سونگھا	سونگھے	سونگھتا ہے	سونگھے گا	سونگھ	نہ سونگھ۔ مت سونگھ
سینا	سیا	سیئے	سیتا ہے	سیئے گا	سی	نہ سی۔ مت سی
سیکھنا	سیکھا	سیکھے	سیکھتا ہے	سیکھے گا	سیکھ	نہ سیکھ۔ مت سیکھ
			ش			
شرمانا	شرمایا	شرمائے	شرماتا ہے	شرمائے گا	شرما	نہ شرما۔ مت شرما
			غ			
غُرّانا	غُرّایا	غُرّائے	غُرّاتا ہے	غُرّائے گا	غُرّا	نہ غُرّا۔ مت غُرّا
			ف			
فرمانا	فرمایا	فرمائے	فرماتا ہے	فرمائے گا	فرما	نہ فرما۔ مت فرما
			ق			
قبولنا	قبولا	قبولے	قبولتا ہے	قبولے گا	قبول	نہ قبول۔ مت قبول
			ک			
کاتنا	کاتا	کاتے	کاتتا ہے	کاتے گا	کات	نہ کات۔ مت کات
کاٹنا	کاٹا	کاٹے	کاٹتا ہے	کاٹے گا	کاٹ	نہ کاٹ۔ مت کاٹ
کانپنا	کانپا	کانپے	کانپتا ہے	کانپے گا	کانپ	نہ کانپ۔ مت کانپ
کاڑھنا	کاڑھا	کاڑھے	کاڑھتا ہے	کاڑھے گا	کاڑھ	نہ کاڑھ۔ مت کاڑھ
کتوانا	کتوایا	کتوائے	کتواتا ہے	کتوائے گا	کتوا	نہ کتوا۔ مت کتوا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
کٹنا	کٹا	کٹے	کٹتا ہے	کٹے گا	کٹ	نہ کٹ۔مت کٹ
کٹانا	کٹایا	کٹائے	کٹاتا ہے	کٹائے گا	کٹا	نہ کٹا۔مت کٹا
کٹوانا	کٹوایا	کٹوائے	کٹواتا ہے	کٹوائے گا	کٹوا	نہ کٹوا۔مت کٹوا
کچلنا	کچلا	کچلے	کچلتا ہے	کچلے گا	کچل	نہ کچل۔مت کچل
کرنا	کیا	کرے	کرتا ہے	کرے گا	کر	نہ کر۔مت کر
کرانا	کرایا	کرائے	کراتا ہے	کرائے گا	کرا	نہ کرا۔مت کرا
کروانا	کروایا	کروائے	کرواتا ہے	کروائے گا	کروا	نہ کروا۔مت کروا
کریدنا	کریدا	کریدے	کریدتا ہے	کریدے گا	کرید	نہ کرید۔مت کرید
کڑکڑانا	کڑکڑایا	کڑکڑائے	کڑکڑاتا ہے	کڑکڑائے گا	کڑکڑا	نہ کڑکڑا۔مت کڑکڑا
کسنا	کسا	کسے	کستا ہے	کسے گا	کس	نہ کس۔مت کس
کملانا	کملایا	کملائے	کملاتا ہے	کملائے گا	کملا	نہ کملا۔مت کملا
کودنا	کودا	کودے	کودتا ہے	کودے گا	کود	نہ کود۔مت کود
کوٹنا	کوٹا	کوٹے	کوٹتا ہے	کوٹے گا	کوٹ	نہ کوٹ۔مت کوٹ
کوندنا	کوندا	کوندے	کوندتا ہے	کوندے گا	کوند	نہ کوند۔مت کوند
کہنا	کہا	کہے	کہتا ہے	کہے گا	کہ	نہ کہ۔مت کہ
			کھ			
کھانا	کھایا	کھائے	کھاتا ہے	کھائے گا	کھا	نہ کھا۔مت کھا
کھانسنا	کھانسا	کھانسے	کھانستا ہے	کھانسے گا	کھانس	نہ کھانس۔مت کھانس
کھُبنا	کھُبا	کھُبے	کھُبتا ہے	کھُبے گا	کھُب	نہ کھُب۔مت کھُب
کھُجلانا	کھُجلایا	کھُجلائے	کھُجلاتا ہے	کھُجلائے گا	کھُجلا	نہ کھُجلا۔مت کھُجلا
کھُدوانا	کھُدوایا	کھُدوائے	کھُدواتا ہے	کھُدوائے گا	کھُدوا	نہ کھُدوا۔مت کھُدوا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
کھڑکھڑانا	کھڑکھڑایا	کھڑکھڑائے	کھڑکھڑاتا ہے	کھڑکھڑائے گا	کھڑکھڑا	نہ کھڑکھڑا۔ مت کھڑکھڑا
کھلنا	کھلا	کھلے	کھلتا ہے	کھلے گا	کھل	نہ کھل۔ مت کھل
کھلوانا	کھلوایا	کھلوائے	کھلواتا ہے	کھلوائے گا	کھلوا	نہ کھلوا۔ مت کھلوا
کِھلنا	کِھلا	کِھلے	کِھلتا ہے	کِھلے گا	کِھل	نہ کِھل۔ مت کِھل
کِھلکھلانا	کِھلکھلایا	کِھلکھلائے	کِھلکھلاتا ہے	کِھلکھلائے گا	کِھلکھلا	نہ کِھلکھلا۔ مت کِھلکھلا
کِھلانا	کِھلایا	کِھلائے	کِھلاتا ہے	کِھلائے گا	کِھلا	نہ کِھلا۔ مت کِھلا
کھودنا	کھودا	کھودے	کھودتا ہے	کھودے گا	کھود	نہ کھود۔ مت کھود
کھولنا	کھولا	کھولے	کھولتا ہے	کھولے گا	کھول	نہ کھول۔ مت کھول
کھونا	کھویا	کھوئے	کھوتا ہے	کھوئے گا	کھو	نہ کھو۔ مت کھو
کھیلنا	کھیلا	کھیلے	کھیلتا ہے	کھیلے گا	کھیل	نہ کھیل۔ مت کھیل
کھینچنا	کھینچا	کھینچے	کھینچتا ہے	کھینچے گا	کھینچ	نہ کھینچ۔ مت کھینچ
			گ			
گانا	گایا	گائے	گاتا ہے	گائے گا	گا	نہ گا۔ مت گا
گدلانا	گدلایا	گدلائے	گدلاتا ہے	گدلائے گا	گدلا	نہ گدلا۔ مت گدلا
گرنا	گرا	گرے	گرتا ہے	گرے گا	گر	نہ گر۔ مت گر
گرانا	گرایا	گرائے	گراتا ہے	گرائے گا	گرا	نہ گرا۔ مت گرا
گرجنا	گرجا	گرجے	گرجتا ہے	گرجے گا	گرج	نہ گرج۔ مت گرج
گرمانا	گرمایا	گرمائے	گرماتا ہے	گرمائے گا	گرما	نہ گرما۔ مت گرما
گزرنا	گزرا	گزرے	گزرتا ہے	گزرے گا	گزر	نہ گزر۔ مت گزر
گزارنا	گزارا	گزارے	گزارتا ہے	گزارے گا	گزار	نہ گزار۔ مت گزار
گزراننا	گزرانا	گزرانے	گزرانتا ہے	گزرانے گا	گزران	نہ گزران۔ مت گزران

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
گلنا	گلا	گلے	گلتا ہے	گلے گا	گل	نہ گل۔مت گل
گلانا	گلایا	گلائے	گلاتا ہے	گلائے گا	گلا	نہ گلا۔مت گلا
گِننا	گِنا	گِنے	گِنتا ہے	گِنے گا	گِن	نہ گِن۔مت گِن
گِنوانا	گِنوایا	گِنوائے	گِنواتا ہے	گِنوائے گا	گِنوا	نہ گِنوا۔مت گِنوا
گوندھنا	گوندھا	گوندھے	گوندھتا ہے	گوندھے گا	گوندھ	نہ گوندھ۔مت گوندھ

گھ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
گھبرانا	گھبرایا	گھبرائے	گھبراتا ہے	گھبرائے گا	گھبرا	نہ گھبرا۔مت گھبرا
گھٹنا	گھٹا	گھٹے	گھٹتا ہے	گھٹے گا	گھٹ	نہ گھٹ۔مت گھٹ
گھٹانا	گھٹایا	گھٹائے	گھٹاتا ہے	گھٹائے گا	گھٹا	نہ گھٹا۔مت گھٹا
گِھرنا	گِھرا	گِھرے	گِھرتا ہے	گِھرے گا	گِھر	نہ گِھر۔مت گِھر
گِھسنا	گِھسا	گِھسے	گِھستا ہے	گِھسے گا	گِھس	نہ گِھس۔مت گِھس
گُھسنا	گُھسا	گُھسے	گُھستا ہے	گُھسے گا	گُھس	نہ گُھس۔مت گُھس
گھسیٹنا	گھسیٹا	گھسیٹے	گھسیٹتا ہے	گھسیٹے گا	گھسیٹ	نہ گھسیٹ۔مت گھسیٹ
گھُلنا	گھُلا	گھُلے	گھُلتا ہے	گھُلے گا	گھُل	نہ گھُل۔مت گھُل
گھومنا	گھوما	گھومے	گھومتا ہے	گھومے گا	گھوم	نہ گھوم۔مت گھوم
گھونٹنا	گھونٹا	گھونٹے	گھونٹتا ہے	گھونٹے گا	گھونٹ	نہ گھونٹ۔مت گھونٹ
گھورنا	گھورا	گھورے	گھورتا ہے	گھورے گا	گھور	نہ گھور۔مت گھور
گھیرنا	گھیرا	گھیرے	گھیرتا ہے	گھیرے گا	گھیر	نہ گھیر۔مت گھیر
گھٹنا	گھٹا	گھٹے	گھٹتا ہے	گھٹے گا	گھٹ	نہ گھٹ۔مت گھٹ

ل

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
لانا	لایا	لائے	لاتا ہے	لائے گا	لا	نہ لا۔مت لا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
لادنا	لادا	لادے	لادتا ہے	لادے گا	لاد	نہ لاد۔ مت لاد
لپٹنا	لپٹا	لپٹے	لپٹتا ہے	لپٹے گا	لپٹ	نہ لپٹ۔ مت لپٹ
لپیٹنا	لپیٹا	لپیٹے	لپیٹتا ہے	لپیٹے گا	لپیٹ	نہ لپیٹ۔ مت لپیٹ
لتاڑنا	لتاڑا	لتاڑے	لتاڑتا ہے	لتاڑے گا	لتاڑ	نہ لتاڑ۔ مت لتاڑ
لٹکنا	لٹکا	لٹکے	لٹکتا ہے	لٹکے گا	لٹک	نہ لٹک۔ مت لٹک
لٹکانا	لٹکایا	لٹکائے	لٹکاتا ہے	لٹکائے گا	لٹکا	نہ لٹکا۔ مت لٹکا
لجانا[1]	لجایا	لجائے	لجاتا ہے	لجائے گا	لجا	نہ لجا۔ مت لجا
لچکنا	لچکا	لچکے	لچکتا ہے	لچکے گا	لچک	نہ لچک۔ مت لچک
لدوانا	لدوایا	لدوائے	لدواتا ہے	لدوائے گا	لدوا	نہ لدوا۔ مت لدوا
لڑنا	لڑا	لڑے	لڑتا ہے	لڑے گا	لڑ	نہ لڑ۔ مت لڑ
لڑانا	لڑایا	لڑائے	لڑاتا ہے	لڑائے گا	لڑا	نہ لڑا۔ مت لڑا
لڑوانا	لڑوایا	لڑوائے	لڑواتا ہے	لڑوائے گا	لڑوا	نہ لڑوا۔ مت لڑوا
لڑھکنا	لڑھکا	لڑھکے	لڑھکتا ہے	لڑھکے گا	لڑھک	نہ لڑھک۔ مت لڑھک
لڑکھڑانا	لڑکھڑایا	لڑکھڑائے	لڑکھڑاتا ہے	لڑکھڑائے گا	لڑکھڑا	نہ لڑکھڑا۔ مت لڑکھڑا
لکھنا	لکھا	لکھے	لکھتا ہے	لکھے گا	لکھ	نہ لکھ۔ مت لکھ
لکھانا	لکھایا	لکھائے	لکھاتا ہے	لکھائے گا	لکھا	نہ لکھا۔ مت لکھا
لکھوانا	لکھوایا	لکھوائے	لکھواتا ہے	لکھوائے گا	لکھوا	نہ لکھوا۔ مت لکھوا
للچانا	للچایا	للچائے	للچاتا ہے	للچائے گا	للچا	نہ للچا۔ مت للچا
لوٹنا	لوٹا	لوٹے	لوٹتا ہے	لوٹے گا	لوٹ	نہ لوٹ۔ مت لوٹ
لہلہانا	لہلہایا	لہلہائے	لہلہاتا ہے	لہلہائے گا	لہلہا	نہ لہلہا۔ مت لہلہا
لینا	لیا	لے	لیتا ہے	لے گا	لے	نہ لے۔ مت لے

[1] لجانا شرمانے کو کہتے ہیں ۱۲

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
لیٹنا	لیٹا	لیٹے	لیٹتا ہے	لیٹے گا	لیٹ	نہ لیٹ۔ مت لیٹ
			م			
مارنا	مارا	مارے	مارتا ہے	مارے گا	مار	نہ مار۔ مت مار
مانگنا	مانگا	مانگے	مانگتا ہے	مانگے گا	مانگ	نہ مانگ۔ مت مانگ
ماننا	مانا	مانے	مانتا ہے	مانے گا	مان	نہ مان۔ مت مان
مِٹنا	مِٹا	مِٹے	مِٹتا ہے	مِٹے گا	مِٹ	نہ مِٹ۔ مت مِٹ
مِٹانا	مِٹایا	مِٹائے	مِٹاتا ہے	مِٹائے گا	مِٹا	نہ مِٹا۔ مت مِٹا
مرنا	موا۔ مرا	مرے	مرتا ہے	مرے گا	مر	نہ مر۔ مت مر
مُرجھانا	مُرجھایا	مُرجھائے	مُرجھاتا ہے	مُرجھائے گا	مُرجھا	نہ مُرجھا۔ مت مُرجھا
مُڑنا	مُڑا	مُڑے	مُڑتا ہے	مُڑے گا	مُڑ	نہ مُڑ۔ مت مُڑ
مُسکرانا	مُسکرایا	مُسکرائے	مُسکراتا ہے	مُسکرائے گا	مُسکرا	نہ مُسکرا۔ مت مُسکرا
مَلنا	مَلا	مَلے	مَلتا ہے	مَلے گا	مَل	نہ مَل۔ مت مَل
مِلنا	مِلا	مِلے	مِلتا ہے	مِلے گا	مِل	نہ مِل۔ مت مِل
مِلانا	مِلایا	مِلائے	مِلاتا ہے	مِلائے گا	مِلا	نہ مِلا۔ مت مِلا
مَننا	مَنا	مَنے	مَنتا ہے	مَنے گا	مَن	نہ مَن۔ مت مَن
مَنانا	مَنایا	مَنائے	مَناتا ہے	مَنائے گا	مَنا	نہ مَنا۔ مت مَنا
موڑنا	موڑا	موڑے	موڑتا ہے	موڑے گا	موڑ	نہ موڑ۔ مت موڑ
موندنا	موندا	موندے	موندتا ہے	موندے گا	موند	نہ موند۔ مت موند
مونڈنا	مونڈا	مونڈے	مونڈتا ہے	مونڈے گا	مونڈ	نہ مونڈ۔ مت مونڈ
میچنا	میچا	میچے	میچتا ہے	میچے گا	میچ	نہ میچ۔ مت میچ
			ن			
ناپنا	ناپا	ناپے	ناپتا ہے	ناپے گا	ناپ	نہ ناپ۔ مت ناپ
نبڑنا	نبڑا	نبڑے	نبڑتا ہے	نبڑے گا	نبڑ	نہ نبڑ۔ مت نبڑ

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
نبیڑنا	نبیڑا	نبیڑے	نبیڑتا ہے	نبیڑے گا	نبیڑ	نہ نبیڑ۔ مت نبیڑ
نبھنا	نبھا	نبھے	نبھتا ہے	نبھے گا	نبھ	نہ نبھ۔ مت نبھ
نباہنا	نباہا	نباہے	نباہتا ہے	نباہے گا	نباہ	نہ نباہ۔ مت نباہ
نتھرنا	نتھرا	نتھرے	نتھرتا ہے	نتھرے گا	نتھر	نہ نتھر۔ مت نتھر
نچوڑنا	نچوڑا	نچوڑے	نچوڑتا ہے	نچوڑے گا	نچوڑ	نہ نچوڑ۔ مت نچوڑ
نکلنا	نکلا	نکلے	نکلتا ہے	نکلے گا	نکل	نہ نکل۔ مت نکل
نکالنا	نکالا	نکالے	نکالتا ہے	نکالے گا	نکال	نہ نکال۔ مت نکال
نکلوانا	نکلوایا	نکلوائے	نکلواتا ہے	نکلوائے گا	نکلوا	نہ نکلوا۔ مت نکلوا
نکھرنا	نکھرا	نکھرے	نکھرتا ہے	نکھرے گا	نکھر	نہ نکھر۔ مت نکھر
نگلنا	نگلا	نگلے	نگلتا ہے	نگلے گا	نگل	نہ نگل۔ مت نگل
نوچنا	نوچا	نوچے	نوچتا ہے	نوچے گا	نوچ	نہ نوچ۔ مت نوچ
نہانا	نہایا	نہائے	نہاتا ہے	نہائے گا	نہا	نہ نہا۔ مت نہا
نہلانا	نہلایا	نہلائے	نہلاتا ہے	نہلائے گا	نہلا	نہ نہلا۔ مت نہلا
			ہ			
ہارنا	ہارا	ہارے	ہارتا ہے	ہارے گا	ہار	نہ ہار۔ مت ہار
ہانپنا	ہانپا	ہانپے	ہانپتا ہے	ہانپے گا	ہانپ	نہ ہانپ۔ مت ہانپ
ہانکنا	ہانکا	ہانکے	ہانکتا ہے	ہانکے گا	ہانک	نہ ہانک۔ مت ہانک
ہٹنا	ہٹا	ہٹے	ہٹتا ہے	ہٹے گا	ہٹ	نہ ہٹ۔ مت ہٹ
ہٹانا	ہٹایا	ہٹائے	ہٹاتا ہے	ہٹائے گا	ہٹا	نہ ہٹا۔ مت ہٹا
ہچکچانا	ہچکچایا	ہچکچائے	ہچکچاتا ہے	ہچکچائے گا	ہچکچا	نہ ہچکچا۔ مت ہچکچا
ہرانا	ہرایا	ہرائے	ہراتا ہے	ہرائے گا	ہرا	نہ ہرا۔ مت ہرا

مصدر	ماضی	مضارع	حال	مستقبل	امر	نہی
ہلنا	ہلا	ہلے	ہلتا ہے	ہلے گا	ہل	نہ ہل ۔ مت ہل
ہلانا	ہلایا	ہلائے	ہلاتا ہے	ہلائے گا	ہلا	نہ ہلا ۔ مت ہلا
ہنسنا	ہنسا	ہنسے	ہنستا ہے	ہنسے گا	ہنس	نہ ہنس ۔ مت ہنس
ہنسانا	ہنسایا	ہنسائے	ہنساتا ہے	ہنسائے گا	ہنسا	نہ ہنسا ۔ مت ہنسا
ہونسنا	ہونسا	ہونسے	ہونستا ہے	ہونسے گا	ہونس	نہ ہونس ۔ مت ہونس
ہونا	ہوا	ہووے	ہوتا ہے	ہوگا	ہو	نہ ہو ۔ مت ہو

جامد

اسم جامد کی قسمیں اسم کی پہلی قسموں میں سے مصدر اور مشتق کا حال بیان ہو چکا ۔ اب جامد کا حال بیان کرتے ہیں ۔ جامد کی دو قسمیں ہیں ۔ معرفہ[1] اور نکرہ[2]

معرفہ[1] وہ ہے جس سے خاص شخص یا خاص چیز سمجھی جائے ۔ جیسے تمھارے سامنے دلّی کا نام لیا جائے تو تم اُس سے خاص وہی شہر سمجھو گے جو کسی زمانہ میں ہندوستان کا دار السلطنت تھا اور جہاں اب سے کچھ مدّت بیشتر علم و ہنر کے دریا بہ رہے تھے ۔ حامد کہکر پکارو تو وہی شخص بولے گا جس کا وہ نام ہوگا ۔ اِسی قسم کے اسم معرفہ کہلاتے ہیں ۔

نکرہ[2] وہ ہے جو غیر معیّن شے کے لئے وضع کیا گیا ہو ۔ جیسے آدمی ۔ کتاب ۔ ہاتھی ۔ گھوڑا ۔ دیکھو اِن اسموں سے کوئی خاص آدمی یا خاص ہاتھی یا خاص گھوڑا نہیں سمجھا جاتا ہر آدمی کو آدمی اور ہر کتاب کو کتاب اور ہر ہاتھی کو ہاتھی اور ہر گھوڑے کو گھوڑا کہہ سکتے ہیں ۔ اِس قسم کے سب اسم نکرہ کہلاتے ہیں ۔

اقسامِ معرفہ

معرفے کی قسمیں یہ ہیں ۔ علم[1] ۔ اسم ضمیر[2] ۔ اسم اشارہ[3] ۔ اسم موصول[4] ۔ اِن کے سوا سب اسم نکرہ

ہیں۔ اور نکرے کی قسمیں یہ ہیں۔ اسمِ ذات۔ اسم کنایہ۔ اسم استفہام۔ اسم صفت۔ مصدر۔ حاصل مصدر۔ اسم فاعل۔ اسم مفعول۔ اسم معاوضہ۔ اسم حالیہ۔

(۱) عَلَم

بچے کا نام جو ماں باپ نے رکھا ہو یا کسی چیز کا نام جو لوگوں نے قرار دیا ہو اُسے علم کہتے ہیں۔ جیسے حامد۔ محمود۔ احمد۔ گنگا۔ جمنا۔ چاند۔ سورج۔ پہلے تین خاص آدمیوں کے نام ہیں۔ دوسرے دو خاص دریاؤں کے۔ تیسرے دو خاص اجرام فلکی کے جو رات اور دن کو چمکتے اور تمام دنیا کو منوّر کر دیتے ہیں۔ اسی طرح لوگ سب چیزوں کے نام رکھ لیتے ہیں اور سب عَلَم ہیں۔ خطاب۔ لقب۔ کنیت۔ عُرف۔ تخلص۔ یہ سب علم کی قسمیں ہیں۔ بعض اہلِ قواعد نے نام کو عَلَم کی علیحدہ قسم قرار دیا ہے۔ مگر یہ تکلّف ہے۔

خطاب

بادشاہ اور امرا جو کسی شخص کو عزّت کے لئے وصفی نام عنایت کرتے ہیں وہ خطاب کہلاتے ہیں جیسے پچھلے زمانے میں آصف جاہ اور نجم الدولہ وغیرہ تھے آج کل ستارۂ ہند ہے جو بادشاہ کی طرف سے بعض لوگوں کو عنایت ہوتا ہے یا جیسے شمس العلمار کا خطاب جو گورنمنٹ سے علما کو ملتا ہے۔ زمانِ گزشتہ میں اعلیٰ درجے کے شعرار کو بھی بادشاہوں کے حضور سے خطاب ہوتے تھے۔ جیسے ملک الشعرا خاقانیٔ ہند شیخ ابراہیم ذوق کا خطاب، خان بہادر۔ رائے بہادر، بی۔ اے، ایم۔ اے، ایل۔ ایل۔ ڈی، یہ بھی اعزازی اور علمی خطاب ہیں۔ جن میں سے پچھلے تین یونیورسٹیوں کی طرف سے ہیں۔

لقب

وہ نام جو کسی صفت کے ساتھ سب لوگوں نے رکھ لیا ہو جیسے خلیل اللہ حضرت ابراہیم کا لقب اور کلیم اللہ حضرت موسیٰ کا۔ حضرتِ ابراہیمؑ خدا کے بہت پیارے تھے اور حضرت موسیٰؑ کوہ طور پر جا کر خدا سے باتیں کیا کرتے تھے۔ ان صفات کی وجہ سے اُن کو خلیل اللہ اور اُن کو کلیم اللہ

کہتے ہیں۔

کُنیّت

جو کسی کا باپ یا بیٹا یا ماں یا بیٹی کہہ کر پُکارا جائے حقیقت میں یہ اہلِ عرب کا دستور ہے کہ اصلی نام کے علاوہ ایک ایسا نام بھی رکھ لیتے ہیں جس میں مسمّیٰ کا باپ یا بیٹا یا ماں یا بیٹی ہونا پایا جائے۔ جیسے ابو داوٗد۔ ابو حنیفہ۔ ابن اثیر۔ ابن عمر۔ اُم سلیم۔ اُم المجد۔ ابن ابی شیبہ کو دیکھو باپ بیٹے دونوں کی کُنیتیں ہیں۔

ہندوستان میں اس طرح پر نام رکھنے کی رسم نہ تھی مگر اب مولوی لوگ جو دین کا پیشہ یا خدمت کرتے ہیں اہلِ عرب کی تقلید سے اپنی کُنیت رکھ لیتے ہیں۔

عرب میں اشیائے بے جان اور معقولات کو بھی بیٹا وغیرہ کہہ دیتے ہیں یا اُن کی طرف ایسی نسبت کر دیتے ہیں۔ مثلاً چاند کو ابن اللیل (رات کا بیٹا)۔ مسافر کو ابن السبیل (رستے کا بیٹا)۔ علمِ صرف کو اُمّ العلوم (علموں کی ماں) کہتے ہیں۔

ہندوستان میں میاں بیوی کا نام نہیں لیتا۔ بیوی میاں کا نام نہیں لیتی۔ جب اُن کے اولاد ہو جاتی ہے تو اُس کے نام کی نسبت سے ایک دوسرے کو پکارتے ہیں۔ جیسے رمضانی کی ماں۔ عیدو کا باپ۔ پس یہی کُنیت ہے۔

عُرف

جو یوں ہی مشہور ہو جائے۔ اور یہ ایسا نام ہوتا ہے کہ اصلی نام سے زیادہ مشہور ہوتا ہے۔ عرف میں اِس بات کا کچھ لحاظ نہیں ہوتا کہ بامعنی ہو یا بے معنی۔ جیسے حَسن علی عرف چھوٹے میاں۔ میر عسکری عرف میر کلّو۔ پنجاب میں عرف اکثر اصلی نام بگڑا ہوا ہوتا ہے۔ جیسے قطب الدین عرف قطبا۔ فرزند علی عرف فندی۔

تخلّص

شاعر لوگ نظم میں اپنا مختصر سا نام رکھ لیتے ہیں اُس کو تخلّص کہتے ہیں۔ مثلاً سودا، مرزا رفیع کا تخلّص ہے۔ آتش، خواجہ حیدر علی کا۔ ناسخ، شیخ امام بخش کا۔ غالب، مرزا اسد اللہ خاں کا۔ شیفتہ، نواب مصطفٰے خاں کا۔ مومن، حکیم مومن خاں کا۔ ذوق، شیخ ابراہیم کا۔ آزاد، مولوی محمد حسین کا۔ داغ، نواب مرزا خاں کا شعر۔

مدت سے نام سنتے تھے مومن کا بارے آج	دیکھا بھی ہم نے اِس شعرا کے امام کو

(۲) ضمیر

ایک مختصر سا نام ہے جس سے متکلّم یا حاضر یا غائب تعبیر کیا جاتا ہے یعنی جس چیز کا کلام میں ایک دفعہ نام لیا جاچکا ہو دوبارہ اُس کا نام لینے کی ضرورت نہیں پڑتی۔ ضمیر نام کا کام دیتی ہے۔ مثلاً "زید نہایت فصیح البیان ہے۔ لوگ اُس کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور خوش ہوتے ہیں وہ اپنی تقریر سے عجب طرح کا اثر مستمعین کے دلوں پر ڈالتا ہے"۔ پچھلے دونوں جملوں میں سے پہلے میں بجائے زید اُس سے اور دوسرے میں وہ سے کام لیا گیا ہے۔ اور بار بار زید کا نام لینے کی ضرورت نہیں ہوئی۔ اگر ان میں بھی زید کا نام لیا جاتا اور یوں کہا جاتا کہ "زید نہایت فصیح البیان ہے۔ لوگ زید کی تقریر نہایت شوق سے سنتے اور خوش ہوتے ہیں۔ زید اپنی تقریر سے عجب طرح کا اثر مستمعین کے دلوں پر ڈالتا ہے" تو کلام بے لطف ہو جاتا۔

ضمیر کی چار حالتیں ہوتی ہیں۔

پہلی حالتِ فاعلیت، جس کو فعل سے فاعلیت کا تعلق ہو۔ تمام افعال لازم اور اُن متعدی چند افعال متعدّی میں جن کی ماضی مطلق میں فاعل کے ساتھ نے نہیں آتا واحد اور جمع غائب کے لئے وہ، واحد حاضر کے لئے تو، جمع حاضر کے لئے تم، واحد متکلّم کے لئے میں اور جمع متکلّم کے لئے ہم

آتا ہی۔ جیسے وہ گیا۔ وہ گئے۔ وہ گئی۔ وہ گئیں۔ تو گیا۔ تم گئے۔ تو گئی۔ تم گئیں۔ میں گیا۔ ہم گئے۔ میں گئی۔ ہم گئیں۔

افعال متعدی میں غائب کی صورتیں بدل جاتی ہیں۔ واحد غائب میں کہتے ہیں اُس نے یا اُن نے کہا۔ جمع میں اُنھوں نے۔ اور جب جمع میں مرجع[1] ضمیر ظاہر کیا جاتا ہی تو بجائے اُنھوں کے اُن بولتے ہیں۔ جیسے اُن لوگوں نے کہا۔ اُن حقیقت میں ضمیر جمع ہی۔ مگر مقام ادب میں واحد پر بھی استعمال کرتے ہیں۔ جیسے اُن بزرگ نے تو یوں نہیں فرمایا۔

فائدہ۔ ضمیر وہ واحد اور جمع دونوں کے لئے استعمال کی جاتی ہی۔ قدما جمع میں وے بولتے تھے اب متروک ہی۔ دوسری حالت مفعولیت جس کو فعل سے مفعولیت کا تعلق ہو۔ جیسے

اُس کو	اُن کو	تجھ کو	تم کو	مجھ کو	ہم کو
یا	یا	یا	یا	یا	یا
اُسے	اُنھیں	تجھے	تمھیں	مجھے	ہمیں
یا	یا	یا	یا	یا	یا
اُس کے تئیں	اُن کے تئیں	تیرے تئیں	تمھارے تئیں	میرے تئیں	ہمارے تئیں
بچایا	بچایا	بچایا	بچایا	بچایا	بچایا

تیسری حالت اضافت۔ جب ضمیر سے کسی چیز کو کسی طرح کا لگاؤ ہو۔ جیسے اُس کا گھوڑا۔ اُن کا گھوڑا۔ تیرا گھوڑا۔ تمھارا گھوڑا۔ میرا گھوڑا۔ ہمارا گھوڑا۔

چوتھی حالت صفت۔ جب ضمیر کسی صفت کا موصوف واقع ہو جیسے **شعر**

چال ہی مجھ ناتواں کی مرغ بسمل کی تڑپ ‏ ‏ ‏ ہر قدم پر ہی یقیں یاں رہ گیا واں رہ گیا

فائدہ۔ آپ یا خود کبھی ضمیر اور کبھی اسم ظاہر کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ جیسے وہ آپ آیا۔ وہ خود محمود آپ آگیا۔ حامد خود گیا۔

[1] جس کی طرف ضمیر پھرے ۱۲۔

فائدہ۔ اپنا جو واحد مذکر کے لئے استعمال کیا جاتا ہی۔ اور اپنے بیائے مجہول جو جمع مذکر کے لئے آتا ہی۔ اور اپنی بیائے معروف جو مؤنث کے لئے بولتے ہیں مقام خصوصیت میں تنہا استعمال کئے جاتے ہیں یعنی اُن کے ساتھ لفظ آپ یا خود تاکید کے لئے نہیں آتا۔ جیسے "اپنا وطن سب کو عزیز ہی" "اپنی گلی میں کُتا بھی شیر ہوتا ہی" بعض مقامات میں اُن کی تکرار واجب ہوتی ہی۔ جیسے سب اپنے اپنے گھروں کو چلے گئے۔ سب اپنی اپنی کتابیں لے گئے۔ مصرع ۔

ہی اپنا اپنا مقدر جُدا نصیب جُدا

شعر

یہ چمن یوں ہی رہے گا اور ہزاروں جانور   اپنی اپنی بولیاں سب بول کر اُڑ جائیں گے

فائدہ۔ بعض اوقات جب کہ ایک اسم ظاہر یا ضمیر ایک فعل کی فاعل ہو اور وہی مفعول بھی ہو تو مفعول کے لئے نہ اسم ظاہر کا اعادہ کرتے ہیں نہ ضمیر کا بلکہ اس کی جگہ اپنے کو یا اپنے تئیں استعمال کرتے ہیں۔ جیسے حامد نے اپنے کو یا اپنے تئیں بے قصور ثابت کیا۔ زید نے اپنے کو یا اپنے تئیں ہلاک کیا۔ اور اگر اس ضمیر کا کوئی مضاف ہو اور مضاف اور مضاف الیہ ملکر فعل مذکور کا مفعول ہو تو مضاف کی وحدت و جمع اور تذکیر و تانیث کے لحاظ سے اپنا یا اپنے یا اپنی کہتے ہیں۔ جیسے اُس نے اپنا سبق پڑھا۔ اُنھوں نے اپنے گھوڑے بیچے۔ احمد نے اپنی کتاب دیکھی۔ اگر مضاف کے ساتھ کو علامتِ مفعول ہو تو اپنا کی جگہ اپنے بولتے ہیں۔ جیسے اُس نے اپنے گھوڑے کو دیکھا۔

اِس مقام میں یہ بھی سمجھ لینا چاہئے کہ ایسے موقعوں پر اپنا اپنی وغیرہ اصل میں اُس کا۔ اُس کے۔ اُس کی۔ اُن کا۔ اُن کے۔ اُن کی۔ تیرا۔ تیرے۔ تیری۔ تمھارا۔ تمھارے۔ تمھاری۔ میرا۔ میرے۔ میری۔ ہمارا۔ ہمارے۔ ہماری تھا۔ مثلاً وہ اپنا سبق پڑھے۔ وہ اپنے گھوڑے لائیں وہ اپنی کتاب لائے۔ تم اپنے گھر جاؤ۔ ہم اپنا کام کریں حقیقت میں یوں تھا۔ وہ اُس کا سبق پڑھے وہ اُن کے گھوڑے لائیں۔ وہ اُس کی کتاب لائے۔ تم تمھارے گھر جاؤ۔ ہم ہمارا کام کریں۔ علیٰ ہٰذا القیاس روزمرہ میں اُس کا تمھارا ہمارا وغیرہ اپنا اپنے وغیرہ سے بدل گیا۔

کبھی بجائے ضمیر مضاف الیہ متکلم کے بوجہ خصوصیت اپنا وغیرہ بولتے ہیں اور اس سے کلام

میں زیادہ خوبی پیدا ہو جاتی ہے۔ جیسے شعر۔

حیف کہتے ہیں ہوا تاراج گلزارِ جہاں	آشنا اپنا بھی واں اک سبزۂ بیگانہ تھا
غالب اپنا یہ عقیدہ ہے بقولِ ناسخ	آپ بے بہرہ ہے جو معتقدِ میر نہیں

دونوں شعروں میں بجائے ہمارا کے اپنا استعمال کیا گیا ہے۔
"آپ سے آپ" کا محل استعمال بھی دیکھو ظفر

کام ہے وقت پہ موقوف جب آجائے ہے وقت	تو وہ ہو جائے ہے اُس وقت ظفر آپ سے آپ

آپ سے آپ کی جگہ خود بخود بھی بولتے ہیں۔ غالب

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعد مرگ	ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

حالت فاعلیت

وہ آپ آیا۔ وہ خود آیا۔
وہ آپ آئے۔ وہ خود آئے۔
تو نے آپ کہا تھا۔ تو نے خود کہا تھا۔
آپ تو نے کہا تھا۔ خود تو نے کہا تھا۔
تم نے آپ کہا تھا۔ تم نے خود کہا تھا۔
آپ تم نے کہا تھا۔ خود تم نے کہا تھا۔
میں نے آپ کہا تھا۔ میں نے خود کہا تھا۔
آپ میں نے کہا تھا۔ خود میں نے کہا تھا۔
ہم نے آپ کہا تھا۔ ہم نے خود کہا تھا۔
آپ ہم نے کہا تھا۔ خود ہم نے کہا تھا۔

حالتِ مفعولیت۔ میں نے خود اُس کو دیا۔ میں نے خود اُن کو دیا۔
اُس نے آپ (خود) اپنے کو دیا اپنے تئیں ہلاک کیا۔

میں نے خود تجھ کو دیا۔ میں نے خود تم کو دیا

اُس نے خود مجھ سے کہا۔ اُس نے خود ہم سے کہا۔

حالتِ اضافت۔ اُس کی اپنی کتاب تھی۔ اُس کا اپنا قلم تھا۔

تیرا اپنا تھا۔ تمہارا اپنا تھا۔

میرا[1] اپنا تھا۔ ہمارا اپنا تھا۔

فائدہ۔ حالتِ مفعولیت اور اضافت کی مثالوں میں تم نے دیکھا کہ وہ اُس سے بدل گیا ہے۔ اِس کا قاعدہ بھی معلوم کر لو ضمیر فاعل غائب (وہ) کے بعد جب اِن حرفوں میں سے کو۔ تلک۔ پر۔ کا۔ کے۔ کی۔ نے والا میں سے کوئی حرف لائے تو واحد میں اُس اور جمع میں اُن سے بدل جائیگی لیکن لفظ نے کے ساتھ ضمیر واحد دو طرح سے آتی ہے اُس نے اُن نے اور جمع میں انھوں نے کہتے ہیں بعض اہلِ قواعد نے اِن حروف کا نام حروفِ مغیرہ رکھا ہے۔ ہمارے نزدیک حروفِ عاملہ کہنا زیادہ موزوں ہے اِس لئے ہم آگے اُن کو حروفِ عاملہ سے تعبیر کرینگے اور یاد رکھو کہ ہر حرف جُداگانہ کو حرفِ عامل کہنا چاہیئے۔ یعنی میں حرفِ عامل ہے۔ سے حرفِ عامل ہے۔

فائدہ۔ جب ضمیر واحد حاضر اور واحد متکلم یعنی تو اور میں کے بعد حروفِ عاملہ میں سے میں۔ سے۔ کو۔ تلک۔ پر۔ آئے اُن ضمیروں کے بعد اُن کی صفت میں کوئی حرفِ عامل ہو تو

[1] **غالب**۔ میرا اپنا جُدا معاملہ ہے۔ اور کے لین دین سے کیا کام۔ جمع کے مقام پر اپنا اپنے ہو جاتا ہے۔ جیسے مولوی نذیر احمد صاحب قرآن مجید کے ترجمہ میں لکھتے ہیں جو (منافق اُن کے اپنے اصرار سے) پیچھے چھوڑ دیئے گئے وہ رسول خدا کے خلاف رائے اپنے گھروں میں بیٹھ رہنے سے بہت خوش ہوئے (سورۂ توبہ آیت ۸) سید فضل الحسن صاحب حسرت موہانی لکھتے ہیں کہ اظہار خصوصیت کے واسطے اپنا کا استعمال غلط ہے اور ان سندوں میں سے شعر کی نسبت تو لکھتے ہیں کہ اس میں اپنا دوسرے معنوں میں استعمال کیا گیا ہے جن کا تعلق ایک خاص محاورے سے ہے اور نثر کی سند یعنی مولوی نذیر احمد صاحب کے کلام کو غلط قرار دیتے ہیں۔ مطلب یہ کہ اُس کی اپنی کتاب اور اُس کا اپنا قلم حسرت کے نزدیک خلاف محاورۂ اردو ہے۔

اُن کی شکل مثل ضمیر مفعول کے ہوگی جیسے تجھ میں - مجھ میں - مجھ خاکسار نے - تجھ شوخ مزاج نے **شعر**

مجھ میں اِک عیب بڑا ہے کہ وفادار ہوں میں	تم میں دو وصف ہیں بدخو بھی ہو خودکام بھی ہو

اضمار قبل الذکر جس چیز کی طرف ضمیر پھرتی ہے اُسے مرجع کہتے ہیں - مرجع ضمیر سے پہلے ہونا چاہیے مگر نظم میں کبھی ضمیر مرجع سے پہلے آتی ہے اس کو اضمار قبل الذکر کہتے ہیں - اضمار قبل الذکر کے معنی ہیں مرجع کے ذکر سے پہلے ضمیر کو راجع کرنا **آتش** کہتے ہیں -

بتیاں اُس کی بنا کر میں کروں روشن چراغ	بادسے آڑ کر بجھادے گر مرا دامن چراغ

اس شعر میں اُس اسم ضمیر کا مرجع دامن ہے جو دوسرے مصرع میں ہے - **ناسخ**

کون سی طرزِ سخن ہے جو اُسے آتی نہیں	کیوں نہ ہو - شاگرد ہے ناسخ ہر اِک اُستاد کا

یہاں اُس کا مرجع ناسخ ہے جو مصرع ثانی میں مذکور ہے - ان دونوں شعروں میں اضمار قبل الذکر ہے -

نکتہ - اضمار قبل الذکر میں یہ نکتہ ہوتا ہے کہ ضمیر بے مرجع سُن کر سامع کی طبیعت میں کلام کے سُننے کا انتظار اور شوق پیدا ہوتا ہے اور وہ اُس کو نہایت توجہ سے سُنتا ہے اور جب کلام میں مرجع کا ذکر آتا ہے تو اُس کو ایک طرح کا لطف حاصل ہوتا ہے - کیونکہ جو چیز انتظار اور شوق کی حالت میں حاصل ہوتی ہے - اُس کی لذت اور لطف و حظ زیادہ ہوتا ہے -

(۳) اسمِ اشارہ

معرفے کی تیسری قسم

اسم اشارہ وہ اسم ہے جس سے کسی شخص یا چیز کی طرف اشارہ کریں - جس شخص یا چیز کی طرف اشارہ کرتے ہیں اُسے مشارٌ الیہ کہتے ہیں - مشارٌ الیہ ایک اسم نکرہ ہوتا ہے جو اشارے کے سبب معین ہو جاتا ہے - مشارٌ الیہ پاس یا سامنے ہو تو "یہ" سے اشارہ کرتے ہیں اور اگر دُور یا غائب ہو تو "وہ" سے یعنی "یہ" اشارہ قریب کے لیے ہے اور "وہ" اشارہ بعید کے لیے ان کا استعمال واحد اور جمع میں یکساں ہے - ایک کی طرف بھی "یہ" - "وہ"

سے اشارہ کرتے ہیں۔ ایک سے زیادہ کی طرف بھی۔ کبھی نظم میں یہ کی جگہ یے اور وہ کی جگہ
وو استعمال کرتے ہیں۔ مدّو جزرِ اسلام۔

سلف اُن کے وہ تھے خلف اُن کے یہ ہیں		ہوئے یہ اعیان اشراف سے کے ہیں

عبارت میں مشارٌ الیہ کے قرب و بُعد کے لحاظ سے یہ اور وہ لاتے ہیں۔ شعر

وہ کہے صلِّ علیٰ یہ کہے سُبحان اللہ		دیکھے مُکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

اِس شعر میں یہ کا مشارٌ الیہ مہ ہے اور وہ کا اختر، کیونکہ یہ سے مہ قریب ہے اور
وہ سے اختر دُور۔

اسمائے اشارہ میں جب زور دینا مقصود ہوتا ہے تو ہی کا لفظ زیادہ کرتے ہیں مگر
نثر میں وہ ہی یا یہ ہی نہیں کہتے۔ وہ اور یہ کی ہے کو حذف کرکے وُہی اور یِہی کہتے
ہیں۔ نظم میں کبھی وہ ہی اور یہ ہی[1] بھی استعمال کر لیتے ہیں۔

کبھی رُتبے کے لحاظ سے بھی ادنیٰ کو قریب اور اعلیٰ کو بعید قرار دیتے ہیں۔ جیسے
"کہاں یہ، کہاں وہ" یعنی اِس کو اُس سے کچھ نسبت نہیں۔ ایک شاعر دوسرے شعراء
کا ذکر کرتے ہوئے کہتا ہے ؎

کہاں میں اور کہاں وہ اہلِ ادراک		چہ نسبت خاک را با عالمِ پاک

فاعل۔ دیکھو وہ تارا کیسا چمک رہا ہے۔
مفعول۔ یہ قلم تو میں تم کو نہیں دینے کا۔
اضافت۔ اِس جانور کی آواز کیسی دل کش ہے۔

دیکھو اضافت میں یہ اُس سے بدل گیا۔ اسی طرح یہ، یہی۔ وہ، وُہی۔ فاعل و مفعول
میں بھی اُس۔ اُن۔ اُسے۔ اُنھیں۔ اِس۔ اِن۔ اِسے۔ اِنھیں سے بدل جاتے ہیں یعنی فاعل

[1] سید فضل الحسن حسرت لکھتے ہیں کہ وُہی اور یِہی کا استعمال اب قطعاً متروک ہے عجب نہیں کہ ایسا ہی ہو،
ہم نے یہ الفاظ اساتذہ کے کلام میں دیکھے ہیں اور ضرورتِ شعری اب بھی اُن کو جائز رکھتی ہے۔

یں جب ماضی مطلق کے ساتھ نے آئے اور مفعول کے ساتھ جب علامت مفعول کو نے ہوں

عام قاعدہ - یہ ہے کہ جب اسمارِ اشارہ کے بعد حروفِ عاملہ آتے ہیں تو وہ ضمیر فاعلی غائب کی طرح بدل جاتے ہیں۔ حروفِ عاملہ کے علاوہ وہ اسم بھی جو مکان یا زمانے کے معنوں میں آئیں جیسے گھر۔ جگہ۔ پاس۔ طرف۔ رات۔ دن۔ گھڑی۔ مہینہ۔ برس وغیرہ اور اسی طرح قدر۔ طرح۔ وضع۔ شکل۔ صورت۔ بہت سے الفاظ حروفِ عاملہ کا عمل کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ کا نام توابع عامل ہے اور ہر حرف جداگانہ کو حرف تابع عامل کہنا چاہیے۔

جس طرح یہ اور وہ میں قُرب و بُعد ہے۔ اسی طرح اِس اور اُس اور اِن اور اُن میں ہے۔

مومن

اُف رے سوزِ نالہ کو اللہ رے سیلابِ سرشک　　　اس سے تر روئے زمیں اُس سے سمندر خشک ہو

یہاں اِس کا اشارہ سیلابِ سرشک کی طرف ہے جو قریب ہے اور اُس کا سوزِ نالہ کی طرف جو بعید ہے۔ **حالی**۔

دین اور فقر سے کبھی کچھ چیز　　　اب دھرا کیا ہے اُس میں اور اِس میں

اسم اشارہ محذوف نہیں ہو سکتا۔ ہاں ایک دفعہ ذکر کر دیا جائے تو کلام میں بار بار نہیں لاتے۔

اسم اشارہ اور مشارٌ الیہ عموماً بلا فصل آتے ہیں اور اسم اشارہ پہلے ہوتا ہے۔ جیسے یہ گھر۔ یہ درخت۔

مگر کبھی نظم میں مشارٌ الیہ پہلے آتا ہے اور اسم اشارہ پیچھے۔ جیسے ؎

کہا گر مری بات یہ دل نشیں ہے　　　تو سن لو خلاف اس میں اصلا نہیں ہے

کبھی کلام میں مشارٌ الیہ نہ پہلے مذکور ہوتا ہے نہ اسم اشارہ کے ساتھ آتا ہے جیسے

شعر

اِس سے طوفان اُٹھا اُس نے گرائی بجلی　　　چشم نے آہِ شرربار نے سونے نہ دیا

آتش

رات بھر جلتا ہے یہ آٹھوں پہر جلتا ہے وہ	دل کو دیکھے اور اپنا سینہ آہن چراغ

حالی

مطلق اس سے مسلماں نہ مسیحی نہ یہود	دوست کیا جانیں کہ یہ چرخ کہن کس کا ہے

اِس طرح پر مشارٌالیہ کا ذکر پیچھے کرنے میں وہی نکتہ ہے جو ضمیر اور مرجع کے بیان میں مذکور ہوا۔ کبھی مشارٌالیہ مقدر ہوتا ہے۔ جیسے **شعر**

صبر و سکوں سے ہم کو یہ بھی نبیڑنے دے	تھوڑی سی رہ گئی ہے اے کاہش نہانی

یہاں عمر مقدر ہے۔

مشارٌالیہ آنکھ کے سامنے ہو تو کلام میں حذف بھی کر دیتے ہیں۔ خریدار کے آگے بزاز کئی قسم کے کپڑوں کے تھان لاکر رکھ دیتا ہے تو وہ اُن میں سے ایک کو انتخاب کر کے کہتا ہے۔ "ہمیں یہ پسند ہے" یا قیوں کو کہتا ہے "یہ تو اچھے نہیں" کوئی شخص تم سے پوچھتا ہے "تمہاری یہی کتاب ہے جو کھوئی گئی تھی" تم کہتے ہو "یہی ہے"۔ کبھی کہتا ہے "تمہارا قلمدان کہاں ہے" تم ہاتھ کا اشارہ کر کے کہتے ہو "یہ ہے" لیکن جب صرف اُنگلی کے اشارے سے بتاؤ گے اور مُنہ سے کچھ نہیں کہو گے تو ایسا اشارہ ہماری بحث سے خارج ہوگا۔ کیونکہ علمِ صرف میں الفاظ سے بحث کی جاتی ہے جو مُنہ سے بُولے جاتے ہیں نہ اُن اشارات سے جو ہاتھ یا آنکھ وغیرہ سے کیئے جاتے ہیں یا جو گونگے بہرے کرتے ہیں۔

کبھی وہی اسی طرح سے کے معنی دیتا ہے۔ **بیت**

جہالت وہی قوم کی رہنموں ہے	تعصب کی گردن پہ ملت کا خوں ہے

یعنی اُسی طرح سے

تو اور آپ بھی اشارے کا کام دیتے ہیں۔ کسی کے ہاتھ میں قلم ہو یا نہایت قریب میز پر کتاب رکھی ہو تو صاحبِ قلم و کتاب کہتا ہے لے لو میرا قلم۔ لو میری کتاب۔

یوں کا لفظ بھی اشارے میں استعمال کرتے ہیں "یوں کہو" "یوں مت کہو" "حقیقت یوں ہے" یہ غلط ہے۔ صحیح یوں ہے۔

اسم اشارہ اور ضمیر میں یہ فرق ہے کہ اشارہ کسی عضو مثلاً ہاتھ۔ آنکھ وغیرہ سے ہوتا ہے ضمیر کا خیال صرف دل میں ہوتا ہے۔

(۴) اسم موصول

معرفے کی چوتھی قسم — اسم موصول وہ اسم ناتمام ہے کہ جب تک ان کے ساتھ ایک جملہ مذکور نہ ہو کسی جملہ کا جزو تام بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا یعنی اکیلا نہ فاعل ہو سکتا ہے نہ مفعول نہ مبتدا نہ خبر وغیرہ۔ اس کے بعد جو جملہ آتا ہے اس کو صلہ کہتے ہیں اور موصول وصلہ دونوں مل کر جزو جملہ ہوتے ہیں۔ جیسے **شعر**

غم نہیں رکھتے کہ انبارِ درم رکھتے نہیں		جو غنی ہیں احتیاجِ بیش وکم رکھتے نہیں	

دوسرے مصرع میں جو اسم موصول ہے۔ غنی ہیں صلہ۔ اسم موصول اپنے صلہ کے ساتھ مل کر مبتدا ہوا۔ اور احتیاج بیش وکم رکھتے نہیں خبر۔

اسمائے موصولہ کا بیان علم نحو میں موصول وصلہ کی بحث میں لکھیں گے۔

فائدہ۔ اقسام معرفہ مذکورہ میں سے عَلَم اور ضمیر اور اسم اشارہ تو بذاتِ خود معرفہ ہیں لیکن اسم موصول کا یہ حال نہیں ہے۔ وہ بدون صلہ کے کسی شخص یا کسی چیز کی تعیین نہیں کر سکتا۔ اور جس طرح کا اسم موصول معرفہ ہے اسی طرح کے اور اسم بھی معرفہ ہیں۔ مثلاً

(۱) منادیٰ۔ جب کسی کو نام لیکر پکاریں تو اُس کے معرفہ ہونے میں کچھ بھی شک نہیں جیسے میاں عابد! اجی میاں ناظر! لیکن کبھی راہ چلتے آدمی کو بھی پکار لیتے ہیں۔ جیسے **شعر**

او دامن اُٹھاکے جانے والے		ٹک[1] ہم کو بھی خاک سے اُٹھالے	

[1] ٹک کا لفظ آجکل متروک ہے۔

دامن اُٹھا کے جانے والا لفظ کی رُو سے معرفہ نہیں ہے۔ مگر چونکہ پکارنے والا ایک خاص شخص کی طرف جو اُس کے سامنے دامن اُٹھائے ہوئے چلا جا رہا ہے اشارہ کرتا ہے اس لیئے وہ بھی معرفہ ہوا۔ اسی طرح اور صفات سے بھی ندا کرتے ہیں اور سب منادیٰ معرفہ ہو جاتے ہیں۔

(۲) معہود خارجی۔ کوئی عام لفظ جو عبارت میں مذکور ہو مگر اس سے خاص معنی مُراد لیئے جائیں۔ جیسے مولوی حالی مدّوجزر اسلام میں کہتے ہیں۔ ع

یہ راعی نے للکار کر جب پکارا

راعی چرواہے کو کہتے ہیں اور یہ ایک عام لفظ ہے۔ مگر قائل نے یہاں خاص پیغمبرِ عربی مُراد لیئے ہیں۔ اس لیئے یہ بھی معرفہ ہے۔

بعض نے معہود ذہنی[۱] کو بھی معرفہ قرار دیا ہے۔ مگر ہم کو اس میں کلام ہے۔

(۳) اسم نکرہ جو معرفے کی طرف مضاف ہو۔

نکرہ جب معرفے کی طرف مضاف ہوتا ہے تو وہ بھی معرفہ ہو جاتا ہے۔ مثلاً تم اپنے نوکر سے کہو "وفادار ہمارا چاقو لانا" تو وہ وہی چاقو لائے گا جو تمہارا ہے کسی اور کا نہیں اُٹھا لائے گا کیونکہ چاقو اگرچہ عام ہے مگر ضمیر کی طرف مضاف ہو کر خاص ہو گیا۔ یا مثلاً "آج ہمارے پاس حامد کا بھائی آیا۔" بھائی کا لفظ عام ہے لیکن حامد نے اُس کو خاص کر دیا۔ اب جس طرح جاننے والا حامد کو جانتا ہے اسی طرح اُس کے بھائی کو پہچانتا ہے۔

(۱) اسمائے نکرہ

اسمِ ذات

جس نام سے ایک چیز کی حقیقت دوسری چیزوں سے الگ سمجھی جائے اور اُس سے

---

[۱] معہود ذہنی سے وہ لفظ مُراد ہے جو عبارت میں مذکور نہ ہو اور متکلم اور مخاطب دونوں کے ذہن میں ہو

کوئی وصف مفہوم نہ ہو اُس کو اسم ذات کہتے ہیں۔ جیسے اونٹ، ہاتھی، گھوڑا، آگ، پانی، ہوا، زمین، آسمان وغیرہ یہ تمام اسم ہر ایک چیز کی حقیقت کو دوسری چیزوں سے الگ کر دیتے ہیں۔

اسم ذات کی قسمیں | اسم ذات کی پانچ قسمیں ہیں۔

(۱) اسم آلہ

وہ اوزار یا ہتھیار جس کے ذریعہ فعل صادر ہو، اُردو میں وزن اور صیغے کے لحاظ سے اسم آلہ مطلق نہیں۔ مگر اُردو کے اہلِ قواعد۔ چاقو۔ قینچی۔ قلم۔ توپ۔ تلوار وغیرہ کو اسمائے آلہ کہتے ہیں۔

کبھی دوسرے الفاظ میں کچھ تصرف کرکے اسم آلہ بناتے ہیں۔ جیسے دھونکنی۔ پھکنی (جو اصل میں پھونکنی تھا) بیلن۔ بیلنی۔ چھلنی (جو اصل میں چھاننی تھا) نکیل۔ گھڑیال (جو اصل میں ناک اور گھڑی تھی)۔

فارسی اور عربی اسمار آلہ بھی اُردو میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ جیسے قلم تراش۔ جاروب رومال۔ مقراض۔ میزان۔ مسواک۔ مضراب۔ مقیاس۔ معیار۔ مسطر۔ محک۔ محراب۔

(۲) اسمِ ظرف

اسم ظرف اُس اسم کو کہتے ہیں جس کے معنی جگہ یا وقت کے ہوں۔ یہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جو مطلق جگہ یا وقت پر دلالت کرے۔ جیسے گھر۔ گلی۔ گاؤں۔ شہر۔ ملک۔ صبح۔ شام رات۔ دن۔ اُس قسم کے اسموں میں سے جو اسم مطلق زمانہ پر دلالت کرے۔ اُسے اسم زماں اور جو مطلق مکاں پر دلالت کرے اُسے اسمِ مکاں کہتے ہیں۔

دوسرے جو کسی خاص چیز کی جگہ پر دلالت کرے جیسے ٹکسال اور پھلواڑی ٹکسال

اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں ٹکے۔ پیسے۔ روپئے۔ اشرفیاں بنتی ہیں۔ پھلواڑی اُس جگہ کو کہتے ہیں جہاں پھولوں کے پودے لگے ہوئے ہوں۔ اس قسم کے اسموں کو اسم ظرف کہتے ہیں۔

کبھی مصدر بھی اسم ظرف کا فائدہ دیتا ہے۔ جیسے جھرنا۔ پانی جھرنے کی جگہ۔ فارسی اور عربی کے بہت سے اسم ظرف اُردو میں استعمال کیئے جاتے ہیں۔ جیسے ہندوستان۔ افغانستان۔ گلستان۔ گلزار۔ گلشن۔ زرخیز۔ حرم سرائے۔ دولت سرائے۔ عشرت سرائے۔ کتب خانہ۔ عبادت خانہ۔ شفاخانہ۔ بُت خانہ۔ کارخانہ۔ رودبار۔ جوئبار۔ عیدگاہ نشست گاہ۔ قلمدان۔ عطردان وغیرہ۔ دان اگرچہ فارسی لفظ ہے مگر کبھی اُردو کے اسموں کے آخر میں بھی ظرفیت کے لیئے آتا ہے۔ جیسے پاندان۔ خاصدان[۱]۔ پیکدان۔ ظرف اگر چھوٹی چیز ہو تو اسم ظرف میں دان پر یائے معروف زیادہ کر دیتے ہیں۔ جیسے چوسے دانی۔ سُرمہ دانی۔

عربی اسمائے ظرف کے اوّل میں میم مفتوح ہوتا ہے۔ جیسے مَحفل مَجلس مَسجد مَشرِق مَغرِب۔ مَدرسہ۔ مَکتب۔ مَنبع وغیرہ۔

ظرفِ زماں اور ظرفِ مکاں

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ وہ نہ وقت کا نام ہیں نہ جگہ کا۔ لیکن اُن میں ظرفیت کے معنے پائے جاتے ہیں۔ جیسے جہاں جس جگہ۔ جہاں جہاں۔ جب۔ جبدم۔ جب جب۔ جس وقت۔ تو جو وقت پر دلالت کرے اُس کو ظرفِ زماں کہتے ہیں اور جو جگہ پر دلالت کرے اُس کو ظرفِ مکاں۔

---

[۱] گلوری رکھنے کا ظرف۔

(۳) اسم صوت

اسم صوت وہ لفظ ہے جس سے ذی روح یا غیر ذی روح کی آواز بیان کریں جیسے قہ قہ کھلکھلا کر ہنسنے کی آواز۔ قُل قُل قُل قُل صراحی میں سے پانی نکلنے کی آواز۔ کائیں کائیں کوّے کی آواز۔ میاؤں بلی کی آواز۔ چھم چھم چھم چھم مینہ برسنے کی آواز خواجہ حالی برکھا رُت میں لکھتے ہیں ؎

کرتے ہیں پپیہے پیہو پیہو	اور مور جھنکارتے ہیں ہر سو

سیّد مرتضیٰ بیان برکھا رُت میں لکھتے ہیں ؎

پڑتی ہیں بوندیں چل بل چھل بل	ہنستی ہیں کلیاں کھلکھل کھلکھل
پھرتی ہیں کرتی ہُر پھُر چڑیاں	اُڑتی ہیں پھُر پھُر پھُر پھُر چڑیاں

ظفر

ذرا بھی سینۂ صد چاک میں جو تڑپا دل	تو ٹوٹ جاتے ہیں تارِ رفو تڑاق تڑاق

بعض الفاظ ایسے ہیں جن سے کسی چیز کی آواز بیان نہیں کرتے بلکہ جانوروں کے ہانکنے وغیرہ میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے دھت دھت۔ بری۔ بری۔ ہاتھی کے ہانکنے اور بٹھانے کے لیے بولتے ہیں۔ اِن کو بھی اسم صوت کہتے ہیں۔

(۴) اسمِ مُصَغّر

جس اسم کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت چھٹائی پائی جائے اُس کو اسم مُصغّر کہتے ہیں مصغّر اسموں کے آخر میں زیادہ تر یائے معروف اور اس سے کم الف ہوتا ہے جیسے پہاڑ۔ پہاڑی پیالہ۔ پیالی۔ بالا۔ بالی۔ لوٹا۔ لٹیا۔ ڈبا۔ ڈبیہ۔ بیٹی۔ بیٹا۔ ان کے علاوہ چند اور علامتیں بھی ہیں جو بہت کم استعمال کی جاتی ہیں جیسے پلنگ۔ پلنگڑی۔ ٹانگ۔ ٹنگڑی۔ صحن۔ صحنچی۔

کھاٹ۔کھٹولا۔کونڈا۔کونڈی۔ٹٹو۔ٹٹوا۔مرد۔مردوا۔

فارسی اسم مُصغر بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔جیسے باغچہ۔باغیچہ۔کوچہ۔دیگچہ۔بغچہ۔مردک

فارسی میں دُہل کا مصغر دُہلک ہے۔اُردو میں اُن کی جگہ ڈھول اور ڈھولک ہے۔

مقامات استعمال۔

(۱) اکثر تو اس سے حقیقت میں چھٹائی مقصود ہوتی ہے۔

(۲) کبھی تحقیر جیسے مَردُوا (یہ لفظ اکثر مستورات بولتی ہیں)

(۳) کبھی چھوٹے کے لیئے پیار اور شفقت سے۔جیسے بچو[۱] بگڑا

(۵) اسمِ مُکبّر

جس لفظ کے معنوں میں اصلی حالت کی نسبت بڑائی پائی جائے اُس کو اسمِ مکبّر کہتے ہیں۔جیسے بات۔بتنگڑا۔پگڑی۔پگڑ۔چھتری، چھتر۔

بعضے لفظ دوسرے لفظوں سے مل کر بڑائی کے معنی پیدا کرتے ہیں جس اسم میں بڑائی کے معنی پیدا ہوتے ہیں وہ اسم مکبّر ہے۔اُردو میں لفظ بڑا بڑائی کے معنی پیدا کرتا ہے۔ جیسے بڑا پہلوان۔بڑا اُستاد۔بڑا بادشاہ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ بڑا کا لفظ جب صفت پڑ واقع ہوتا ہے تو مبالغے کے معنی دیتا ہے (مبالغے کا ذکر آگے آئے گا)

فارسی اسم مکبّر بھی اُردو میں بے تکلف بولے جاتے ہیں۔مثلاً شاہنشاہ۔شاہراہ۔شاہ را شاہ بیت۔شاہ فرد۔شاہباز۔شہسوار۔شہتوت وغیرہ۔

(۲) اسمائے کنایہ

جب کلام میں کسی کا کام صراحتاً لینا یا کسی تعداد کو کھول کر بیان کرنا نہیں چاہتے یا کسی

ـــــــــــــ

[۱] بچہ کا مصغر ہے اور یہ لفظ اہلِ دہلی بولتے ہیں۔

مطلب کو مختصر کرنا منظور ہوتا ہے تو مبہم سے الفاظ استعمال کرتے ہیں۔ ایسے الفاظ اسمائے کنایہ کہلاتے ہیں۔

کسی کا صریح نام نہیں لینا ہوتا وہ یا وہ شخص یا اَمکا۔ ڈھمکا بولتے ہیں۔ اَمکا۔ ڈھمکا اُردو میں وہی ہے جو فارسی میں فلاں و بہماں ہے۔ ایسا۔ تیسا میں تحقیر پائی جاتی ہے۔ رُباعی

جب تک سِتے گرہ میں احمقوں کے پیسے	سب کہتے تھے اُن کو آپ ایسے ایسے
مفلس جو ہوئے تو پھر کسی نے اے ذوق	پوچھا نہ کہ تھے کون وہ ایسے تیسے

اِس رُباعی کے شعر اوّل میں ایسے ایسے بھی بمقام کنایہ مستعمل ہوئے ہیں "اُس کی ایسی تیسی" فلاں فلاں اُردو میں بھی بولے جاتے ہیں۔ مثلاً فلاں شخص وہاں تھا۔ فلاں نہ تھا یا فلاں فلاں شخص وہاں موجود تھے۔

فلاں کا لفظ اپنے لیئے بھی بولتے ہیں۔

کبھی کسی کا نام ظاہر کرنا منظور نہیں ہوتا تو الفاظ تنکیر بولتے ہیں۔ مرزا غالب کہتے ہیں شعر

پھر جی میں ہے کہ در پہ کسی کے پڑے رہیں	سر زیرِ بارِ منتِ دربان سیئے ہوئے

اَمکا۔ ڈھمکا کے ساتھ دَہ۔ وہ شخص جو ہم اوپر لکھ آئے ہیں اُن سے صاف ظاہر ہے کہ اسمائے اشارہ بھی اسمائے کنایہ کا کام دیتے ہیں۔ ذوق

یاں کے آنے کا مُقرر قاصدا وہ دن کرے	جو تو مانگے گا تجھے دونگا خدا وہ دن کرے
میں جو اُس کو سلام کرتا ہوں	گالیاں وہ مجھے سُناتا ہے

اختصارِ مطلب کی مثال سُنو۔ ذوق

چُنّی تو نے افشاں جو اے مہ جبیں ہے	ستاروں میں کیا کیا چناں اور چنیں ہے

اِتنا۔ اِتنے وغیرہ تعداد کے اجمال کے لیئے آتے ہیں۔ جیسے "اتنا روپیہ کافی نہیں" "اُتنے آدمی اس کام کو سرانجام نہیں کرسکتے"۔

اِسم نکرہ کی اقسام میں مصدر حاصل مصدر اسم فاعل اسم مفعول اسم معاوضہ اسم حالیہ کا حال پہلے بیان ہو چکا۔

(۳) اسمائے استفہام

وہ اسم ہیں جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

کون۔کس۔کتنا۔کتنے۔کتنی۔کے۔کیا۔کونسا۔کونسی۔کیسا۔کیسی۔کب۔کب کب۔کہاں کہاں کہاں۔کدھر۔

وہ کون ہے؟ کس نے تم سے کہا؟ یہ مکان کتنا اونچا ہی؟ اِس کمشنری میں کتنے ضلعے ہیں؟ اِس ضلع میں کتنی تحصیلیں ہیں؟ یہ عمارت کتنی بلند ہی؟ تم کے بھائی ہو؟ حامد نے کیا کہا؟ یہ کونسا اندازِ کلام ہی؟ آج کونسی تاریخ ہی؟ وہ کیسا ہی؟ زید کب گیا اور کہاں گیا؟ **میر انشاء اللہ خاں** ؎

تم جو کہتے ہو مجھے تو نے بہت رسوا کیا	کیا گنہ کیا جرم کیا تقصیر میں نے کیا کیا؟
کیا کہا کس سے کہا کس نے سُنا کب کس گھڑی؟	کس جگہ کس وقت کس دم آپ کا چرچا کیا؟
واسطہ باعث سبب جب جہت کچھ بات بھی؟	راز وہ کمبخت کیا تھا میں نے جو افشا کیا؟
بند آنکھیں کیئے جاتا ہی کدھر تو کہ تجھے	ہے ترا نقشِ قدم چشم نمائی کرتا

کون انسان کے لیئے آتا ہے۔کیا حیوان اور چیزوں کے لیئے۔کبھی کیا انسان کے لیئے بھی آجاتا ہے۔اس کی صورت دیکھو۔ **بیت**

کہ کل کون تھے آج کیا ہو گئے تم	ابھی جاگتے تھے ابھی سو گئے تم

کونسا عام ہے۔انسان کے لیئے بھی آتا ہے اور حیوانوں اور چیزوں کے لیئے بھی۔کتے تعداد کے لیئے۔کتنا مقدار کے لیئے۔کتنے اور کتنی تعداد اور مقدار دونوں کے لیئے۔کیسا صفت کے لیئے کب اور کب کب ظرفِ زماں کے لیئے۔کہاں اور کہاں کہاں اور کدھر ظرفِ مکاں کے لیئے۔

کبھی تجاہل عارفانہ سے ایسے شخص یا ایسی چیز کی نسبت سوال کرتے ہیں جس سے خوب واقف ہوتے ہیں اور ایسے طور پر سوال نہایت لُطف دیتا ہے۔جیسے **خواجہ میر درد**۔

حیران آئینہ دار ہیں ہم	کس سے یارب دوچار ہیں ہم

؎۵ مولوی حیدر علی صاحب لکھنوی فرماتے ہیں کہ "کونسی تاریخ کہنا چاہیئے" بیشک لکھنؤ میں کونسی بولتے ہونگے مگر اہلِ دہلی کونسی تاریخ یا کیا تاریخ بولتے ہیں۔

اسمائے استفہام کے علاوہ حروفِ استفہام بھی ہیں، جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں اُن کا ذکر فصلِ حروف میں ہوگا۔

(۴) اسم صفت

اسم صفت وہ اسم ہے جس سے کوئی چیز کسی خصوصیت کے ساتھ سمجھی جائے۔ جیسے۔ سچّا۔ جھوٹا۔ سیدھا۔ اُلٹا۔ ہرا۔ سوکھا۔ بھلا۔ بُرا۔ گورا۔ کالا۔ اندھا۔ کانڑاں[۱]۔ لنگڑا۔ لولا۔ دیکھو

---

[۱] کانڑاں دلّی میں کانے کو کہتے ہیں۔ کانڑاں کے متعلق ایک مزے دار بات بھی سنو۔ مولوی نذیر احمد صاحب نے منتخب الحکایات میں ایک حکایت لکھی ہے کہ دہلی کالج میں اضلاع میرٹھ۔ بجنور۔ سہارنپور۔ مظفرنگر۔ پانی پت۔ گوڑگانوہ۔ علی گڑھ وغیرہ کے اکثر طلبا پڑھتے تھے اور اُن کی بولی میں ایک طرح کی سختی ہوتی تھی ہر ایک حرف کو مشدد بولتے جیسے آٹّا۔ روٹّی۔ بیٹّا۔ نون کو نُون کہتے۔ دانتے کو دانڑاں۔ پانی کو پانڑیں۔ کھانے کو کھانڑاں اور دہلی کے لوگ اُن کی گفتگو پر ہنسا کرتے تھے۔ ایک شخص اُن میں تازہ وارد تھا ہموطنوں نے مل کر اُس کو سمجھایا کہ میاں اب تم یہاں آئے ہو تو ذرا زبان سنبھال کر بولنا۔ ایسا نہ ہو روٹّی۔ آٹّا کہہ بیٹھو اور دلّی والوں کو چھیڑنے اور ہنسنے کا موقع ملے۔ یہ سُن کر اُس شخص نے تشدید کی قسم کھائی اور یہاں تک تخفیف کی مشق بہم پہنچائی کہ واللہ وباللہ۔ کتّا۔ بلّی کو وَلاَ۔ بلاَ۔ کتَا۔ بلِی کہنے لگا* دلّی والے اُس تشدید پر اتنا نہیں ہنستے تھے جتنا اس تخفیف پر لوٹ بوٹ جاتے تھے۔

* یہ تو وہی بات ہوئی کہ ایک شخص قٓ کی جگہ خٓ بولا کرتا تھا مثلاً وقت کو وخت کہتا۔ طاقت کو طاخت۔ قلم کو خلم۔ قینچی کو خینچی علیٰ ہذا القیاس۔ کسی نے اُس سے کہا کمبخت کبھی تو قٓ بولا کر۔ کہا بہت قوب۔

طبع اوّل میں یہ حکایت اتنی ہی لکھی ہے۔ مگر حکایت پڑھنے کے ساتھ اس پر یہ اعتراض وارد ہوتا تھا کہ دلّی والے کھانے کو کھانڑاں کہنے والوں پر تو ہنستے ہیں اور خود کانے کو کانڑاں کہتے ہیں۔ خدا جانے کسی نے مولوی صاحب سے یہ اعتراض بیان کر دیا یا نظرِ ثانی کے وقت خود ہی خیال آگیا۔ ترمیم و نظرِ ثانی کے بعد جو کتاب چھپی ہے اس میں بطورِ دفع دخل مقدر اتنا اور اضافہ کر دیا ہے کہ اسی طرح وہ بیچارہ تو وارد ٹے سے کچھ ایسا ڈر سا گیا تھا کہ کانڑیں کو بھی کانا کہتا۔ دلّی کے لوگ اُس کو اور رونا چھیڑتے مگر حق یہ ہے کہ کانڑیں سے کانا فصیح ہے۔ یہ شیخ مصحفی کا کوئی حریف ظریف کہتا ہے۔ شعر

کانا تھا مصحفی جو چھپانے کو پس از مرگ — رکھے ہوئے تھا آنکھ پہ تابوت میں اُنگلی

ان الفاظ سے جُدا جُدا خصوصیتیں مفہوم ہوتی ہیں۔ اہلِ قواعد نے اس کی چار قسمیں قرار دی ہیں صفتِ مُشبّہ۔ صفتِ نسبتی۔ اسمِ عدد و صفتِ عددی۔ مگر ہمارے نزدیک اسمِ تفضیل اور اسمِ مبالغہ بھی اسمِ صفت کی قسمیں ہیں۔ اب سب کا مفصل حال سُنو۔

صفتِ مُشبّہ

صفتِ مشبّہ اور اسمِ فاعل میں فرق

صفتِ مشبّہ اُس اسم کو کہتے ہیں جس سے وصفِ ذاتی یعنی وصفی معنی بطریقِ دوام سمجھے جائیں۔ صفتِ مشبّہ اور اسمِ فاعل میں اتنا ہی فرق ہے کہ اسمِ فاعل میں فعل ایک وصفِ عارضی ہوتا ہے اور صفتِ مُشبّہ میں وصفِ ذاتی۔ اس فرق کو تم دو تین عربی الفاظ سے خوب سمجھ سکو گے۔ عربی میں عالم اور علیم دونوں لفظوں کے معنی ہیں جاننے والا لیکن عالم وہ جاننے والا ہے جس کو کسی کے بتانے سکھانے سے کسی بات کا علم ہوا ہو اور علیم ایسے جاننے والے کو کہتے ہیں جو بغیر کسی کے بتانے کے جانتا ہے اور جاننے کی صفت اُس کی ذات کے ساتھ قائم ہے۔ ان دونوں لفظوں میں عالم اسمِ فاعل ہے علیم صفتِ مشبّہ۔ اسی طرح سامع و سمیع دونوں کے معنی ہیں سُننے والا لیکن سامع وہ سننے والا ہے کہ ایک شخص کچھ بول یا پڑھ رہا ہو اور وہ سُنتا جاتا ہو مگر اُس کو سمیع نہیں کہہ سکتے اس لیے کہ سمیع میں سننے کا وصف سننے والے کی ذات کے ساتھ قائم ہے اور ایسا شخص خدا کے سوا کوئی نہیں ہو سکتا یہی سبب ہے کہ عربی زبان میں خدا کی صفات ہمیشہ صفتِ مشبّہ کے وزن پر آتی ہیں۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ صفتِ مشبّہ کے لیے موصوف بھی قدیم ہو۔ انسان کو بھی حسین و جمیل وغیرہ کہتے ہیں جس شخص کو حسین و جمیل کہتے ہیں اُس میں حُسن و جمال اُس کی ذات سے لگا ہوا ہوتا ہے یہ نہیں کہ خوبصورتی کا کام کرے تو خوبصورت ہو

لے ۲؎ صفتِ عددی تو ایک قسم کا ایک اسم عددی ہے اور اسم عدد حقیقت میں اسم صفت نہیں مگر جس طرح صفت کا وجود بغیر موصوف کے نہیں ہوتا۔ اسی طرح عدد بھی بغیر معدود کے پایا نہیں جاتا اسی وجہ سے صفت میں شمار کیا گیا ہے

غرض اسم فاعل میں فعل ایک اختیاری بات ہوتی ہے صفت مشبّہ میں لازم پڑھنے والا کسی کو اُسوقت کہا جائے گا جب وہ پڑھے لیکن سخی اور بخیل کو ہر وقت سخی اور بخیل کہیں گے خواہ وہ اُس وقت سخاوت اور بخل کر رہا ہو یا نہ کر رہا ہو۔

اُردو میں صفت مشبّہ بہت کم مشتق ہے۔ جیسے اڑیل ہنسوڑ[۱] کہ اڑنا اور ہنسنا سے مشتق ہے۔

صفتِ مشبّہ میں مذکر کی علامت اکثر الف آخر میں ہوتا ہے۔ جیسے بھلا۔ بُرا۔ میٹھا۔ کڑوا وغیرہ اور کم تر مقامات میں نہیں ہوتا۔ جیسے اپاہج۔ پھوہڑ۔ اکھڑ۔

بعض الفاظ ایسے ہیں جن کے آخر میں الف ہوتا ہے اور مذکر اور مؤنث دونوں پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے دُکھیا۔ لڑاکا۔

کبھی اسم کے آخر میں الف زیادہ کر کے صفتِ مشبّہ بناتے ہیں۔ جیسے بھوکا۔ پیاسا جھوٹا سچا

کبھی حاصل مصدر یا اسم پر حرفِ نفی لگاکر صفتِ مشبّہ بنا لیتے ہیں۔ جیسے بے ڈر۔ نڈر۔ انمول۔ بے مول۔

کبھی عربی الفاظ کے پہلے حرف نفی اور آخر میں الف[۲] سے بڑھاکر جیسے بے فکرا۔ ناشکرا۔ بے وارثا۔

کبھی دو اسموں کی ترکیب سے یہ معنی حاصل ہوتے ہیں۔ جیسے مُنہ زور ذوق ؎

جی عبادت سے چُراناا ور جنت کی طلب	کام چور اس کام پر کس مُنہ سے اُجرت کی طلب

کبھی اسم جامد اور فعل یا اسم مشتق کی ترکیب سے جیسے مُنہ پھٹ۔ ناک کٹا (جو مخفف ہو کر نکٹا ہو گیا ہے) دل چلا۔ من چلا۔

کبھی اسم اور فعل امر فارسی کی ترکیب سے جیسے سمجھدار۔ لچ دار۔

[۱] میر انشاء اللہ خاں کہتے ہیں ؎

رات وہ بولے مجھ سے ہنس کر چاہ میاں کچھ کھیل نہیں — میں ہوں ہنسوڑ اور تو ہے مقطع میرا تیرا میل نہیں

[۲] کبھی یہ الف زیادہ نہیں بھی کرتے اور بے فکر اور ناشکر وغیرہ بولتے ہیں۔

کبھی مصدر کے الف کو یائے معروف سے بدل کر جیسے **حالی**

یُوں تو آیا ہے تباہی میں یہ بیڑا سو بار	پر ڈراؤنی[۱] ہے بہت آج بھنور کی صورت

فائدہ - جس اسم صفت کے آخر میں الف یا ہائے مختفی مذکر میں ہو بحالت تانیث اُن کی تبدیلی یائے معروف سے ہوگی - جیسے اچھا - اچھی - دیوانہ - دیوانی - بندہ - بندی اور جس اسم کے آخر میں یائے معروف ہو تو نون سے بدل جائے گی - جیسے بڑی - بڑن جن اسمائے صفت میں یہ علامتیں نہ ہوں - اُن میں کچھ تغیر و تبدل نہیں ہوتا - جیسے لال - سُرخ - سبز - نیک - بد - پھوہڑ وغیرہ

فارسی اور عربی صفتیں بھی اُردو میں مستعمل ہیں جیسے سیاہ - سفید - ترش - شیریں - رنگین - بہادر دلیر - خلیق[۲] - حسین[۳] - جمیل - شکیل - حکیم - جوان - شجاع وغیرہ -

فائدہ - کبھی اسم مفعول بھی صفت مشبّہ کے معنی دیتا ہے - جیسے پڑھا ہوا -

کبھی دو اسم مفعولوں کی ترکیب اور علامات اسم مفعول کے حذف سے صفت مشبّہ بن جاتی ہے - جیسے پڑھا لکھا -

صفتِ نسبتی

صفتِ نسبتی اُس اسم کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرف نسبت ہوتا ہے اور جب کسی شخص یا چیز پر بولا جاتا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ اس شخص یا چیز کو اس اسم سے کچھ نسبت اور تعلق ہے جیسے ہندی پنڈت - معلوم ہوا کہ پنڈت کو ہندوستان سے رہنے کا علاقہ ہے - عربی گھوڑا معلوم ہوا کہ گھوڑے کو عرب سے نسل اور اصل کا تعلق ہے - بنارسی دوپٹا معلوم ہوا کہ دوپٹے کو بنارس میں بننے

[۱] ڈراؤنی کی جگہ ڈراونی بھی بولتے ہیں -

[۲] [۳] خلیق اور حسین خ اور ح کے فتح سے ہیں - اکثر لوگ جو الفاظ کی صحت سے واقف نہیں ان کے تلفظ میں یہ غلطی کرتے ہیں کہ اُن کو خُلق اور حُسن کے قیاس پر خ اور ح کے ضمہ سے بولتے ہیں - یاد رکھو کہ یہ الفاظ امیر و فقیر کے وزن پر ہیں -

کی نسبت ہی۔ دریائی جانور معلوم ہوا کہ جانور کو دریا میں رہنے کا تعلق ہی۔ جنگلی درخت معلوم ہوا کہ درخت کو جنگل میں اُگنے کا علاقہ ہی۔ کابلی یا کشمیری میوہ معلوم ہوا کہ میوے کو کابل یا کشمیر میں پیدا ہونے کا تعلق ہی۔ یہ صفت اسم کے آخر میں اکثر یائے نسبت کے لگانے سے جو معروف ہوتی ہے بنتی ہے۔ جیسا کہ مثالہائے مذکورے ظاہر ہی۔

بعض اسموں میں جو تغیّر و تبدّل واقع ہوتا ہی اُن میں اِن قواعد کا اتباع کیا جاتا ہے جو عربی و فارسی میں مروّج ہیں اور زیادہ تر تغیّر و تبدّل عربی و فارسی الفاظ میں کیا جاتا ہی۔ جیسا کہ ذیل کے الفاظ سے معلوم ہوگا:-

(۱) جن ناموں کے آخر میں ہ ماقبل مفتوح ہوتی ہی۔ جب اُن میں یائے نسبت لگاتے ہیں تو ہ اکثر حذف ہو جاتی ہی۔ جیسے بنگالہ، بنگالی۔ مکہ، مکّی۔ کوفہ، کوفی۔ کپورتھلہ، کپورتھلی اور کبھی واوٗ مفتوح سے بدل جاتی ہی۔ جیسے آرہ، آروی۔ بٹالہ، بٹالوی۔ کاندھلہ، کاندھلوی ٹانڈہ، ٹانڈوی۔

(۲) اگر آخر میں ہ ہو اور تیسرا حرف یَ ہو تو دونوں گر جاتے ہیں۔ جیسے مدینہ، مَدَنِی۔ ابو حنیفہ، حنفی (حنفی میں ابو حنیفہ کا ابو بھی حذف ہو گیا۔ اِس لئے کہ کنیتوں میں کنیت کے لفظ حذف ہو جاتے ہیں)۔

(۳) اسمائے نکرہ میں ہائے مختفی ہمزے سے بدل جاتی ہے۔ جیسے سُرمہ، سُرمئی۔ پستہ، پستئی۔

(۴) اگر آخر میں یائے معروف ہو تو واوٗ زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے علی، علوی۔ نبیؐ، نبوی۔ غزنی، غزنوی۔ دہلی، دہلوی۔ مگر بمبئی میں صرف ہمزہ حذف کر دیتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ دہلی کو عموماً دِلّی کہتے ہیں۔ مگر نسبت میں دِہلوی ہی بولتے ہیں۔ دِ ہِوی

ـہ بعض لوگ تحریر و تقریر میں بجائے لفظ زیادہ کے ایزاد استعمال کرتے ہیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایزاد کوئی لفظ نہیں اور اس کا استعمال بالکل غلط ہی ۱۲۔

نہیں کہتے البتہ دال کا لفظ بڑھا کر دِلّی وال کہتے ہیں۔

(۵) کبھی بلا لحاظ یؔ کے واؤ زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے دم۔ دموی۔

(۶) آخر میں الف ہو تو یائے نسبت سے پہلے ہمزۂ مکسور بڑھاتے ہیں۔ جیسے طلا، طلائی۔ خدا، خدائی۔ سودا، سودائی[۱]۔ کبھی واؤ زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے سما، سماوی۔ صفرا، صفراوی۔ دنیا، دنیاوی۔ کبھی الف کو حذف کرکے واؤ زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے مولا، مولوی۔ دنیا، دنیوی۔

(۷) اگر آخر میں ایسا الف ہو جو یےؔ کی صورت میں لکھا جاتا ہے تو دونوں طرح جائز ہے جیسے مصطفےٰ، مصطفائی، مصطفوی۔ مرتضےٰ، مرتضائی، مرتضوی۔ موسےٰ، موسائی، موسوی۔ عیسےٰ، عیسائی، عیسوی۔

فائدہ۔ عربی قاعدے کے مطابق موسیٰ اور عیسیٰ سے صرف موسوی اور عیسوی آتا ہے۔ موسائی اور عیسائی نہیں آتا۔ اسی طرح مصطفےٰ اور مرتضےٰ سے نہ مصطفائی اور مرتضائی آتا ہے نہ مصطفوی اور مرتضوی۔ بلکہ مصطفی اور مرتضی (بیائے معروف) آتا ہے۔ پس موسائی اور عیسائی اور مصطفائی اور مصطفوی اور مرتضائی اور مرتضوی اہلِ فارس و ہند کے تصرفات ہیں۔

(۸) بعض اسما کے آخر سے الف و نون حذف کر دیتے ہیں جیسے بدخشاں سے بدخشی۔

(۹) بعض میں الف و نون زیادہ کرتے ہیں جیسے۔ رب، ربّانی۔ حق، حقّانی۔ نور، نورانی۔ تحت، تحتانی۔ فوق، فوقانی۔ روح[۲]، روحانی۔

(۱۰) لفظ ستان کو (جو فارسی میں ظرفیت کے معنی دیتا ہے) حذف کر دیتے ہیں جیسے افغانستان سے افغانی۔ ترکستان سے ترکی۔

(۱۱) بعض الفاظ کی نسبت میں خلاف قیاس تصرف کیا گیا ہے۔ جیسے صنعا سے صنعانی۔ رے سے رازی۔ طے سے طائی۔ مرو سے مروزی۔ یمن سے یمانی۔ آرمینیا سے ارمنی۔

---

[۱] لطیفہ۔ یادگار غالب میں لکھا ہے کہ ایک صحبت میں مرزا (غالب) میر تقی کی تعریف کر رہے تھے۔ شیخ ابراہیم ذوق بھی موجود تھے۔ انھوں نے مرزا رفیع سودا کو میر تقی پر ترجیح دی مرزا (غالب) نے کہا "میں تو تم کو میری ہی سمجھتا تھا مگر اب معلوم ہوا کہ آپ سودائی ہیں"۔ [۲] روحی بھی آتا ہے ۱۲۔

فائدہ۔ کبھی کسی خاص وجہ سے منسوب الیہ[1] ایسا مشہور ہو جاتا ہے کہ منسوب کا اصلی نام کوئی بھی نہیں جانتا۔ منسوب الیہ ہی بلالحاظ نسبت منسوب کا نام ہو جاتا ہے۔ جیسے مصری یہ حقیقت میں کسی چیز کا نام نہیں ہے۔ صفتِ نسبتی ہے۔ کسی زمانے میں ملک عرب میں مصر سے بہتر مصری اور ممالک سے نہیں جاتی تھی تو چونکہ سب سے اچھی مصری مصر کی وہاں جاتی تھی اس لئے لوگوں نے اس کا نام ہی مصری رکھ لیا۔ اب یہ ایسا نام ہو گیا ہے کہ کسی کا ذہن اس طرف منتقل ہی نہیں ہوتا کہ یہ چیز مصر کی طرف منسوب ہے۔

اِسمِ عدد

اسم عدد اس کو کہتے ہیں جو چیزوں کی تعداد ظاہر کرے اور جن چیزوں کی تعداد ظاہر کرے انسان ہوں یا غیر انسان اُن کو معدود کہتے ہیں۔ جیسے ایک آدمی دو گھوڑے۔ تین کتابیں۔ چار قلمدان۔ ساڑھے سات من چاول۔ پونے دس ماشے سونا۔ سوا چھ گز ململ۔ اِن میں ایک۔ دو۔ تین۔ چار۔ ساڑھے سات من پونے دس ماشے۔ سوا چھ گز۔ اسم عدد ہیں اور آدمی۔ گھوڑے۔ کتابیں۔ قلمدان۔ چاول۔ سونا۔ ململ۔ معدود۔

ایک کے سوا تمام اسمائے عدد کے معدود عموماً جمع بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے ظاہر ہے۔

نثر میں اسم عدد ہمیشہ مقدم اور معدود مؤخر آتا ہے۔ مگر نظم میں کبھی معدود پہلے اور اسم عدد پیچھے آتا ہے۔ جیسے **مصرع** ۔ برس پندرہ یا کہ سولہ کا سن ۔ **بیت** ۔

کہے ایک جب سن سے انسان دو	کہ حق نے زباں ایک دی کان دو

کبھی معدود کو محذوف کر دیتے ہیں مثلاً تم پوچھو کہ زید کا مشاہرہ کیا ہے؟ جواب دینے والا جواب دے کہ چالیس۔ یعنی چالیس روپئے۔

[1] جس چیز کی طرف نسبت کریں اُس کو منسوب الیہ کہتے ہیں ۱۲

فائدہ۔ پانچ کے ساتھ چھ اور سات اور سو کا لفظ آئے تو یچ کو حذف کرکے پان[1] چھ اور پان سات اور پان سو کہتے ہیں۔

فائدہ۔ استغراق مقصود ہو یعنی سب کی سب چیزیں مراد ہوں تو اکائیوں میں تین سے لیکر تمام اعداد کے آخر میں واو مجہول اور نون غنہ زیادہ کردیتے ہیں۔ جیسے تینوں، چاروں، پانچوں، چھیوں، ساتوں وغیرہ یعنی پورے تین۔ پورے چار۔ پورے پانچ وغیرہ۔ دُو کے استغراق میں لفظ نون بواو مجہول زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر۔

	دیدہ و دل عذاب ہیں دونوں		ایک سب آگ ایک سب پانی	

بعض اہلِ زبان نون غنہ نہیں بڑھاتے صرف لفظِ نو بڑھاکر دونو کہتے ہیں مگر یہ ہمارے نزدیک صحیح نہیں۔

محاورے میں بعض اوقات اسم عدد مکرر آتا ہے۔ مثلاً ایک جگہ کئی قسم کی کئی چیزیں ہوں اور تم اُن کی قیمت دریافت کرنا چاہو اور پوچھو کہ اِن چیزوں کی کیا کیا قیمت ہے تو جواب دینے والا جواب دیگا کہ ایک ایک روپیہ۔ یا دس دس روپئے۔

تنبیہ۔ یاد رکھو کہ ایسے موقع پر جب کہ اسم عدد دو ایسے عدد ہوں کہ ایک اعلیٰ ہو ایک ادنیٰ تو صرف عدد ادنیٰ کو مکرر لائیں گے۔ جیسے ایک سو بیں بیں۔ دو سو اسّی اسّی۔ لیکن اگر سیکڑوں یا ہزاروں یا لاکھوں کی اس طرح تعداد ظاہر کرنی ہو کہ وہ ایک ہی یا دو یا تین وغیرہ۔ جیسے ایک دو ہزار۔ تین لاکھ تو صرف ایک یا دو یا تین وغیرہ کو مکرر لاتے ہیں۔ مثلاً ایک ایک سو۔ دو دو ہزار۔ تین تین لاکھ۔ علیٰ ہذا القیاس۔

فائدہ۔ کبھی نظم میں ایک اِک ہوجاتا ہے۔ شعر

پراک تو دَم نہ ہوئی ایک یہ کہ تم نہ ہوئے		اُٹھایا بارِ کتب خوب شیخ صاحب نے

کبھی اسم عدد سے کثرت کے معنی لئے جاتے ہیں۔ جیسے۔ حالی

[1] پان چھ بعض فصحا بولتے ہیں۔ ورنہ عموماً پانچ چھ بولا جاتا ہے۔ ۱۲

ہولاکھ غیر دل کا غیر کوئی نہ جانا اس کو غیر ہرگز	جو سایہ اپنا بھی ہو تو اُس کو تصور اپنا نہ کیجئے گا
رات اُن کو بات بات پہ سَو سَو دیئے جواب	مجھکو خود اپنی ذات سے ایسا گماں نہ تھا

عددِ کسری آدھا۔ تہائی۔ چوتھائی۔ پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں۔ آٹھواں۔ نواں۔ دسواں وغیرہ عددِ کسری کہلاتے ہیں۔ حروفِ عاملہ کے آنے سے آدھا اور پانچواں وغیرہ کا پچھلا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے جیسے آدھے میں پانچویں سے چھٹے کا۔ آدھا ایک کے ساتھ مل کر ڈیڑھ اور دو کے ساتھ مل کر اڑھائی ہوجاتا ہے اور دیگر تمام اعداد کے ساتھ مل کر ساڑھے بولا جاتا ہے جیسے ساڑھے تین۔ ساڑھے چار وغیرہ۔

فائدہ۔ نوٹ[1] کے آدھے ٹکڑے کو ادھّا (الف مقصور ادھا مشدّد) کہتے ہیں۔

صفتِ عددی

صفتِ عددی وہ اسم صفت ہے جس سے کسی چیز کا شمار درجے یا رتبے میں معلوم ہو۔ اسم عدد اور صفتِ عددی میں یہ فرق ہے کہ اسم عدد میں مطلق تعداد ہوتی ہے اور صفتِ عددی میں ترتیب کا لحاظ ہوتا ہے۔ جیسے پہلا۔ دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔ پانچواں۔ چھٹا۔ ساتواں۔ آٹھواں۔ نواں۔ دسواں۔ بیسواں۔ تیسواں وغیرہ یہ سب صفات عددی ہیں "پانچواں" میں اور "ساتواں" سے لے کر آگے تمام اعداد میں واں لگایا جاتا ہے۔

فائدہ۔ حرف عامل یا تابع عامل کے آنے سے پہلا۔ دوسرا۔ تیسرا۔ چوتھا۔ چھٹا اور واں کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ جیسے دسویں شخص نے۔ جمع مذکر کی ضمیر بھی یہی عمل کرتی ہے۔ جیسے۔ مصرع۔ ہم بھی ہیں پانچویں سواروں میں۔

تانیث کی حالت میں واں کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہے جیسے جون کی بائیسویں تاریخ۔

فائدہ۔ صفتِ عددی کے بعد یہ لفظ واقع ہو تو بھی اُس میں وہی تبدیلی ہوگی جو اوپر مذکور ہوئی جیسے پہلے یہ دوسرے یہ علیٰ ہذا القیاس۔

---

[1] وہ کاغذ مراد ہے جو بطور سکّۂ شاہی رائج ہو۔ اور جس کو کاغذِ زر کہتے ہیں۔

اسمِ تفضیل

جو اسم صفت اپنے موصوف میں دوسری چیز کی نسبت ترجیح ظاہر کرے اُس کو اسم تفضیل کہتے ہیں مگر نفس صیغہ اور ہیئت کے لحاظ سے اردو میں اسم تفضیل مطلق نہیں اسم تفضیل کے یہ معنی نہیں ہیں کہ چند الفاظ کے ذریعہ سے تفضیلی معنی پیدا کئے جائیں۔ جیسا کہ دیگر اہلِ قواعد نے کیا ہی۔ البتہ عربی اور فارسی کے اسم تفضیل اردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے یہ اُس سے کمتر ہی۔ وہ اُس سے برتر ہی۔ حامد محمود سے افضل ہی۔

اردو کے اہلِ قواعد نے جہاں اردو میں اسم تفضیل پیدا کیا ہی وہاں اِس کے تین درجے بھی قرار دیئے ہیں۔ مثلاً اچھا۔ بہت اچھا۔ نہایت اچھا۔ یا برا۔ بہت برا۔ نہایت برا۔ پہلے کو تفضیلِ نفسی کہا ہی۔ دوسرے کو تفضیل بعض۔ تیسرے کو تفضیل کُل۔ جس کو ترجیح دیتے ہیں اُس کو مفضل کہتے ہیں اور جس پر ترجیح دیتے ہیں اُسے مفضل علیہ۔

عربی میں اسم تفضیل اَفعل کے وزن پر آتا ہی۔ جیسے اَفضل۔ اکبر۔ اَصغر۔ اَصلح۔ اسعد۔ مگر اس وزن کے جن صیغوں میں عیب یا رنگ کے معنی پائے جائیں وہ اسم تفضیل نہیں ہیں صفتِ مشبّہ ہیں۔ جیسے احول۔ احمر۔ ابیض۔ اسود۔

فارسی میں تر اور ترین تفضیل کے لئے آتے ہیں۔ جیسے بہتر۔ بدتر۔ نیک ترین۔ کمترین۔

	لاغری سے زندگی مشکل ہوئی	مومن	ہی گراں تر جان جسمِ زار سے	

اسم مبالغہ

جو اسم صفت اپنے موصوف کے وصف میں زیادتی ظاہر کرے اُس کو اسم مبالغہ کہتے ہیں۔ اسم تفضیل اور اسم مبالغہ میں یہ فرق ہے کہ اُس میں دوسرے کے مقابل وصف میں ترجیح ہوتی ہی۔ اِس میں دوسرے کے مقابلے کا لحاظ نہیں ہوتا۔ بہت بڑا۔ بہت ~~بڑا~~ ہی۔ نہایت۔ نہایت ہی۔ یہ الفاظ اسمِ صفت پر واقع ہو کر اسم مبالغہ بنا دیتے ہیں۔ جیسے زید بہت

دانشمند ہی۔ بڑا عالم ہی۔ بہت بڑا عالم ہی۔ بڑا ہی عالم ہی۔ نہایت خوش بیان ہی۔ نہایت ہی خوش بیان ہی۔

خوب اور عجب بھی وصف میں زیادتی پیدا کرتے ہیں۔ جیسے حامد خوب تقریر کرنے والا شخص ہی۔ زید عجب نالائق ہی۔

بعض اسمائے صفات میں لفظ پاک بھی مبالغے کے معنی پیدا کرتا ہی۔ جیسے پاک شہدا۔ پاک بے حیا۔

بعض الفاظ پر سخت کا لفظ داخل ہو کر مبالغے کے معنی دیتا ہی۔ جیسے سخت افسوس کی بات ہی۔ سخت تعجّب کا مقام ہی۔

بعضے عربی اسم مبالغے بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔ جیسے علاّم۔ خلاّق۔ رزّاق۔ غفّار۔ رحیم۔ رحمان وغیرہ۔

مذکّر و مؤنث

اصل میں تو نر مذکّر ہی اور مادہ مؤنث مگر جو چیزیں کہ نر اور مادہ نہیں ہیں، اہلِ زبان بولنے میں اُن کو بھی مذکّر یا مؤنث قرار دے لیتے ہیں۔ یہی وجہ ہی کہ ہر زبان کی تذکیر و تانیث میں فرق کرنا بہت مشکل ہوتا ہی۔ اور اُردو میں بالخصوص زیادہ مشکل ہی۔ مثال کے طور پر گھن اور دھن کو دیکھو۔ دونوں لفظوں میں حروف کی تعداد اور حرکات و سکنات اور وزن میں کچھ فرق نہیں۔ مگر تذکیر و تانیث کے لحاظ سے ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ یعنی گھن مذکّر بولا جاتا ہی۔ دھن مؤنث۔

جن چیزوں میں نر اور مادہ ہونے کی قابلیت نہیں لیکن مؤنث کر کے بولی جاتی ہیں۔ اگر اُن میں منجملہ علامات تانیث (جن کا ذکر آگے آتا ہی) کوئی علامت ہو تو اُن کو مؤنثِ قیاسی کہتے ہیں۔ جیسے چھڑی۔ ٹوپی۔ حیا۔ دفا وغیرہ اور اگر کوئی علامت نہ ہو تو مؤنث سماعی۔ جیسے

کتاب پنسل اور زیادہ تر دقت ایسے ہی الفاظ میں واقع ہوتی ہی جن میں نر اور مادہ ہونے کی قابلیت نہیں

تذکیر و تانیث حقیقی و غیر حقیقی | جو چیزیں روح حیوانی رکھتی ہیں یعنی جاندار ہوتی ہیں اُن کی تذکیر و تانیث کو تذکیر و تانیث حقیقی کہتے ہیں۔ اس لئے کہ اُن میں نر کے مقابل مادہ اور مادہ کے مقابل نر ہوتا ہی اور جو روح حیوانی نہیں رکھتیں اُن کی تذکیر و تانیث غیر حقیقی کہلاتی ہی۔ کیونکہ اِن میں یہ امر صرف اعتباری ہوتا ہی۔ بعضے جاندار ایسے ہیں کہ بلا امتیاز نر و مادہ مذکر بولے جاتے ہیں جیسے طوطی، کوّا، ہُدہُد، گِدھ، اُلّو، طوطا، خرگوش اور بعضے بلا امتیاز نر و مادہ مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسے قُمری، فاختہ، مَینا، لومڑی، چیل۔

بُلبُل کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہی اکثر اس کو مؤنث بولتے ہیں اور بعضے مذکر۔

فائدہ۔ جانداروں کی تانیث کی اگرچہ علامات بھی مقرر ہیں مگر بعض الفاظ میں تذکیر و تانیث بلالحاظ علامت صرف معنوں سے پہچانی جاتی ہی۔ یعنی جو لفظ مذکر کے لئے ہوتا ہی اُس کو مذکر بولتے ہیں اور جو مؤنث کے لئے ہوتا ہی اُس کو مؤنث۔ مثالیں بیانِ آئندہ میں معلوم ہوں گی۔

انسان کی تانیث۔ | اردو میں انسان کی تانیث کی دو صورتیں ہیں۔

اوّل۔ نر کے لئے اور لفظ اور مادہ کے لئے اور اُس کے مقابل اور لفظ یعنی باختلاف الفاظ و بلا علامت تانیث اور ایسے الفاظ تھوڑے ہیں۔

مذکر	مؤنث	مذکر	مؤنث
باپ	ماں	میاں	بیوی
باوا		خصم	جورو
ابّا	امّاں	سُسرا	ساس
بھائی	بہن[1]	دُولھا	دُلھن

[1] بعض نے بھائی کے مقابل بھاوج کو مؤنث قرار دیا ہی۔ اگر یہ خیال کیا جائے کہ بھاوج بھائی کا جوڑا ہی تو خیر اسے بھی صحیح سمجھ لو۔

مذکّر	مؤنث	مذکّر	مؤنث
داماد	بہو	صاحب	میم
مرد	عورت	راجہ، رائے	رانی
بادشاہ، نواب	بیگم	غلام	لونڈی

دوسرے۔ علامات تانیث کے لگانے سے تانیث ظاہر ہوتی ہے اور اس کے قاعدے حسب ذیل ہیں:-

(۱) اگر اسم مذکّر کے آخر میں الف ہو تو تانیث میں یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے بیٹا، بیٹی۔ چچا، چچی۔ دادا، دادی۔ نانا، نانی۔

(۲) ہائے مختفی آخر میں ہو تو اُس کو بھی یَ سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے بندہ، بندی۔ ذات۔ اور پیشے اور لقب اور قوم اور مذہب کے لحاظ سے پریشان قاعدے ہیں:-

۱۔ کہیں تو مذکّر کے الف کو یائے معروف سے بدل دیتے ہیں۔ جیسے۔ بھٹیارا، بھٹیاری اور کہیں نون سے جیسے۔ سقّا، سقّن۔ جلّاہا، جُلاہن۔

۲۔ جس اسم کے آخر میں یائے معروف ہو اکثر نون سے بدلتے ہیں۔ جیسے درزی، درزن۔ دھوبی، دھوبن۔ تیلی، تیلن۔ موچی، موچن۔ حلوائی، حلوائن۔ نائی، نائن۔ فرنگی، فرنگن۔ یہودی، یہودن۔ مولوی، مولوِن۔ اور کبھی یَے سے پہلے الف نون زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے کھتری، کھترانی۔

۳۔ رائے حطّہ آخر میں ہو تو اکثر یائے معروف زیادہ کرتے ہیں جیسے سُنار، سُناری۔ لُہار، لُہاری۔ کُمہار، کُمہاری۔ چمار، چماری۔ حلال خور، حلال خوری۔ اور کبھی نون۔ جیسے سُنار، سُنارن[۱]

۴۔ نون آخر میں ہو تو بھی یائے معروف زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے برہمن، برہمنی۔

[۱] اہل دہلی تو اِس طرح بولتے ہیں۔ مگر معلوم ہوتا ہے کہ بعض اطراف میں سُنارن کی طرح لہارن اور کمہارن اور چمارن بولتے ہیں ۱۲

۵۔ زائے معجمہ آخر میں ہو تو نون ساکن زیادہ کرتے ہیں جیسے انگریز، انگریزن۔

۶۔ الف نون آخر میں ہو تو کہیں صرف یائے معروف زیادہ کرتے ہیں جیسے پٹھان، پٹھانی۔ اور کہیں نون اور یائے معروف جیسے مسلمان، مسلمانی۔ اور جہاں یہ حروف نہ ہوں وہاں نون ی (نی)، یا الف۔ن۔ی (آنی)، زیادہ کرتے ہیں جیسے نٹ، نٹنی۔ ڈوم، ڈومنی شیخ، شیخانی۔ مغل، مغلانی۔ سیّد، سیدانی[1]۔ ہندو کی تانیث میں و حذف ہو کر ہندنی ہو جاتی ہے۔ اور اُستاد کی تانیث میں دال حذف ہو کر اُستانی۔

بعض اسم مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے یکساں بولے جاتے ہیں۔ جیسے بچّہ۔ نوکر۔ داروغہ
بعض عربی اور فارسی اور ترکی الفاظ بہ امتیاز تذکیر و تانیث اردو میں استعمال کئے جاتے ہیں جیسے

مذکّر	مؤنث
والد	والدہ
خالو	خالہ
مَلِک	ملکہ
خادِم	خادِمہ
داماد	عروس
خان	خانم } یہ الفاظ اصل میں ترکی ہیں
بیگ	بیگم } یہ الفاظ اصل میں ترکی ہیں
بادشاہ	بادشاہ بیگم
نواب	بیگم

حیوانات کی تانیث:۔ جانوروں میں اکثر علاماتِ تانیث یائے معروف یا نون ساکن یا لفظ نی پایا ہے۔ اگر مذکّر کے آخر میں الف ہو تو مؤنث میں یائے معروف سے بدل جاتا ہے۔ جیسے مُرغا، مُرغی ۔ بلاّ، بلّی ۔

[1] اس لفظ کا تلفظ بہ تخفیف یا ہے جو بحالتِ مذکر مشدد تھی۔ میر انیس ؎
سیدانیاں دیتی ہیں محمد کی دُہائی　　اعدا میں یہ غل ہے کہ کرو فتح لڑائی

گھوڑا گھوڑی۔ چڑیا اور کُتیا جو چڑا اور کُتا کی مؤنث ہیں اِس سے مستثنیٰ ہیں۔ اور اگر الف نہ ہو تو علاماتِ مذکورہ میں سے ایک علامت ہوتی ہے۔ جیسے کبوتر، کبوتری۔ ناگ، ناگن۔ شیر، شیرنی۔ اونٹ، اونٹنی۔ ہاتھی، ہتھنی۔ بندر، بندریا۔

بعض حیوان ایسے ہیں کہ اُن کے مذکر و مؤنث کے لئے مختلف الفاظ ہیں جیسے بیل۔ گائے۔

بعضے لفظ مذکر اور مؤنث دونوں کے لئے یکساں استعمال کئے جاتے ہیں جیسے بچہ۔ پِلّا۔

بے جان چیزوں کی تذکیر۔ یہ پہلے بیان ہو چکا ہے کہ بے جان چیزوں کی تذکیر غیر حقیقی ہوتی ہے۔ اُردو میں تذکیر کی علامت الف اور ہ ہے خواہ وہ الفاظ جن کے آخر میں الف اور ہ ہو عربی ہوں یا فارسی (باستثنائے اُن عربی الفاظ کے جن کا بیان بے جان چیزوں کی تانیث میں آتا ہے۔) جیسے سونا۔ لوہا۔ چنا۔ پودا۔ بوریا۔ دریا۔ ملکہ[1]۔ بندہ۔ نشانہ۔ دانہ۔ پروانہ[2]۔

عربی میں ہائے مختفی نہیں ہوتی۔ البتہ چند قسم کی تائیں ہیں جو فارسی اور اُردو میں اس ہ کا کام دیتی ہیں جیسے زبدہ، ندوہ، خلاصہ وغیرہ۔ اِس قسم کے تمام لفظ اُردو میں مذکر بولے جاتے ہیں۔ ہاں جن الفاظ میں تائے تانیث ہو اُن کو مؤنث بولنا چاہیئے۔ جیسے زوجہ، ملکہ، خادمہ۔ اُردو میں چند لفظ جن کے آخر میں الف ہے جیسے مالا۔ گھٹا۔ چھالیا۔ ٹھلیا۔ گنگا۔ جمنا مؤنث بولے جاتے ہیں۔

عربی مصدر جو افعال اور انفعال اور افتعال کے وزن پر آتے ہیں باستثنائے چند الفاظ مثلاً افراط، اسناد، ابتدا، انتہا، احتیاط، التجا وغیرہ کے مذکر بولے جاتے ہیں جیسے اکرام، انصاف، احسان، اقدام، انعام، اجلاس، اقرار، انکار، انحصار، انکسار، انحطاط، اندمال، انفعال، التوا، اقتضا، انتظام، اہتمام، اعتقاد، اتفاق وغیرہ[3]۔

---

[1] م، ل، ک کے زیر سے کسی چیز کا ڈھب آجانے اور اُس پر قدرت حاصل کرنے کو ملکہ کہتے ہیں ۱۲

[2] اگرچہ شمع کا پروانہ بھی مذکر ہے مگر چونکہ اس مقام میں بے جان چیزوں کا ذکر ہے اِس لئے یہاں پروانے سے حاکم وقت کا حکم تحریری مراد ہے جس سے لوگ عموماً واقف ہیں ۱۲

[3] مولوی علی حیدر صاحب لکھتے ہیں کہ افعال اور انفعال اور افتعال کے وزن پر اگر باب ناقص سے ہوں تو مؤنث ہیں جیسے ایذا و انجلا و التجا ورنہ اکثر مذکر ہی ہیں جیسے الزام و انفعال و اعتقاد ۱۲ -

اقتدار ایک ایسا مصدر ہی جسے اکثر مذکّر بولتے ہیں اور بعضے مؤنث بھی بولتے ہیں۔[۱]
باب تفعّل کے مصدر بھی مذکّر بولے جاتے ہیں۔ جیسے تبسّم۔ تقرّر۔ تصرّف۔ تصوّف۔ تصنّع
تکلّف۔ تکلّم۔ تعلّم وغیرہ باستثنا اُن الفاظ کے جن کے آخر میں یائے معروف یا الف مبدل
بہ یا آتا ہی۔ جیسے تسلّی اور تمنّا کہ اصل میں تمنّی تھا۔ غالب۔

دہر میں نقشِ وفا وجہ تسلّی نہ ہوا	ہی یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا
ناداں ہیں جو کہتے ہیں کہ کیوں جیتے ہیں غالب	قسمت میں ہی مرنے کی تمنّا کوئی دن اور

البتہ توجّہ کو مونث بولتے ہیں اور یہ شاذ ہی۔
فائدہ۔ باب افتعال کے مصادر کے آخر جو الف ہوتا ہی حقیقت میں ممدود ہوتا ہی۔ مگر فارسی اور اُردو میں مقصور پڑھا جاتا ہی اور فارسی میں اضافت کے وقت وہی ہمزہ عود کر آتا ہی جو حذف ہو جاتا ہی۔ جیسے ابتدائے عالم۔ انتہائے عمر۔
باب تفاعل کے مصدر بھی باب تفعّل کے مصدروں کی طرح مذکّر بولے جاتے ہیں اور جن مصادر کے آخر میں ی ہوتی ہی وہ مؤنث۔ فرق صرف اتنا ہی کہ باب تفاعل کے جس مصدر کے آخر الف مبدل بہ یا آتا ہی وہ مذکّر بولا جاتا ہی۔ بخلاف مصادر باب تفعّل کے کہ اِن کے آخر الف مبدل بہ یا آئے تو مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسا کہ مذکور ہوا۔
تجاہل، توارد، تعاقب، تقاطع، تقابل۔ یہ سب الفاظ مذکّر بولے جاتے ہیں اور تقابل، تلافی، تساوی، مونث۔ تقاضا اور تماشا کہ اصل میں تقاضی اور تماشی تھا مذکّر۔ تواضع کو جو مؤنث بولا جاتا ہی شاذ سمجھو۔
باب مفاعلہ کے مصادر جب کہ اُن کے آخر ۃ کی آوازہ کی ہو۔ جیسے مراسلہ، ملاحظہ، معائنہ، محاورہ، مکالمہ، مباحثہ، مناظرہ، مقابلہ، محاکمہ وغیرہ۔
اُردو کے مصادر بھی جب کہ تنہا بولے جائیں۔ یا جب متعدی مصدروں کے ساتھ

[۱] شمس العلما مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی نے اپنے ایک خط میں اسی طرح تحریر فرمایا ہی۔

مفعول مذکرؔ مذکور ہو تو مذکرؔ بولے جاتے ہیں۔

عربی الفاظ جو فاعلہ کے وزن پر آتے ہیں اکثر مذکرؔ بولے جاتے ہیں۔ جیسے ناطقہ، حافظہ، ہاضمہ، قاعدہ، واقعہ وغیرہ۔

منجملہ حروفِ تہجی کے یہ اکیس حرف مذکرؔ بولے جاتے ہیں آ، ج، جھا، دھا، ڈھا، س، ش، ص، ض، ع، غ، ق، ک، گ، ل، لھا، م، مھا، ن، نھا، و[1]۔ باقی سب مؤنث ہیں۔

بے جان کی تانیث (۱) جس لفظ کے آخر یائے معروف ہو اُس کو مؤنث کر کے بولتے ہیں جیسے نیکی، بدی، چھڑی، سوئی وغیرہ، البتہ موتی، گھی، پانی مذکر بولے جاتے ہیں۔ دہی[2] کو مذکر کبھی بولتے ہیں مؤنث بھی۔

(۲) جن عربی مصدروں کے اوزان کا بے جان کی تذکیر میں ذکر ہو چکا ہے اُن کے علاوہ وہ مصادر جن کے آخر الف آتا ہے جیسے وفا، حیا، قضا، رضا، عطا، دُعا۔

(۳) جن عربی مصدروں کے آخر میں تؔ ہو جیسے شہرت، قوّت، مقدرت، عزّت، ذلّت، حکمت، رخصت وغیرہ۔

(۴) باب مفاعلہ کے مصادر جب کہ اُن کے آخر تؔ ظاہر کر کے پڑھی جائے۔ جیسے مکالمت، مراسلت، موافقت، مخالفت، معاشرت، معاونت وغیرہ۔

(۵) جو عربی مصدر تفعیل کے وزن پر ہوں جیسے تقریر، تحریر، تنبیہ، تصویر، تعلیم، تقدیم، تاخیر، تعجیل، تاثیر وغیرہ مگر تعویذ مستثنیٰ ہے۔

(۶) فارسی کے حاصل مصدر جن کے آخر میں شؔ ہو جیسے کوشش، آسائش، آرائش، گزارش، بخشش، نازش، سفارش، آمیزش وغیرہ۔

اِن کے علاوہ اور حاصل مصدر بھی اکثر مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسے گفتگو، جستجو، رفتار، گفتار۔

---

[1] بعض واؤ کو مؤنث بولتے ہیں ۱۲

[2] ہم نے شمس العلماء مولوی ذکاء اللہ صاحب دہلوی سے دہی کو مذکر و مؤنث کے بارہ میں دریافت کیا وہ لکھتے ہیں کہ۔ دہی کو یہاں مذکر و مؤنث دونوں طرح ہندو مسلمان بولتے ہیں۔ کوئی کہتا ہے کہ دہی کھٹا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ دہی کھٹی ہے ۱۲۔

آمد و رفت، خرید و فروخت، نشست و برخاست، فروگزاشت، برداشت، آسودگی، افسردگی، آزردگی وغیرہ۔

(۷) اُردو کے مصدر متعدی جب کہ اُنکے ساتھ مفعول مؤنث مذکر ہو جیسے کتاب پڑھنی، روٹی کھانی

(۸) اُردو کے حاصل مصدر جو بصورت امر آئیں جیسے مار، لوٹ یا جن میں بعد حذف علامتِ مصدر نؔ یا نؔ تؔ یا ہٹؔ یا اوٹؔ یا آریؔ یا دؔ اس یا ئیؔ یا ریؔ زیادہ کیا جائے یا کچھ اور تصرف کرنے سے آخر میں سؔ یا کؔ یا لؔ آئے جیسے جلن، پڑھنت، گھبراہٹ، کماوٹ، لگاوٹ، اور ملاوٹ، لڑائی، بکواس، ہنسی، بکری، لٹس، لاگ، چال۔

(۹) عربی کے اکثر الفاظ جن میں تائے تانیث ہوتی ہو اور فارسی میں اور اُردو میں ہ پڑھی جاتی ہو مؤنث بولے جاتے ہیں۔ جیسے حسینہ، جمیلہ۔ خادمہ وغیرہ۔

(۱۰) جس اسم صفت کے آخر میں الف ہو وہ یائے معروف سے بدل جاتا ہو جیسے اچھا، اچھّی۔ بُرا، بُری۔

فائدہ۔ بعض لفظ ایسے ہیں کہ مذکر اور مؤنث دونوں طرح بولے جاتے ہیں جیسے طرز، فکر، اپیل، کیبنٹ، اڈیشن۔ ہمارے نزدیک پچھلے دونوں لفظوں کو مذکر ہی بولنا چاہیے۔

فائدہ۔ کبھی ایک ہی لفظ مختلف معنی دیتا ہو تو ایک معنی کے لحاظ سے مذکر بولا جاتا ہو۔ اور دوسرے کے اعتبار سے مؤنث جیسے لب جو ہونٹھ کے معنوں میں مذکر بولا جاتا ہو مگر مونچھ کو بھی لب کہتے ہیں۔ دیکھو اس بیت میں مؤنث ہو گیا **بیت**

لبیں بڑھ رہی ہوں نہ ڈاڑھی چڑھی ہو	ازار اپنی حد سے نہ آگے بڑھی ہو

یا جیسے کان کہ جب اِس سے جسم کا وہ عضو مراد ہو جس کے ذریعہ سے سنتے ہیں تو مذکر ہی اور جب وہ قطعہ زمین مراد ہو جہاں سے لوہا اور سونا چاندی وغیرہ نکلتا ہی تو مؤنث۔

فائدہ۔ بعض لفظ ایسے ہیں کہ مذکر اور مؤنث دونوں پر بولے جاتے ہیں۔ جیسے بھاری۔ اینٹ کو بھی بھاری کہتے ہیں اور پتھر کو بھی۔

بعض عربی الفاظ جو بحالتِ وحدت مذکّر بولے جاتے ہیں جمع کی حالت میں اُن کی تذکیر و تانیث میں اختلاف ہے۔ جیسے "سوانح عمری" اکثر تو یوں بولتے ہیں کہ اُن کی سوانح عمری میں لکھا ہے اور بعض یوں کہ اُن کے سوانح عمری میں لکھا ہے۔ یہی حال لفظ معلومات کا ہے کہ زیادہ تر مذکّر بولا جاتا ہے اور کم تر مؤنث۔ اسی طرح بعض الفاظ جو بحالتِ وحدت مؤنث بولے جاتے ہیں جمع کی حالت میں اُن کی تذکیر و تانیث میں بھی اختلاف ہے۔ جیسے شرائط، وجوہ، منازل، مذکّر بولنے والے یوں بولتے ہیں کہ "تمام شرائط پورے ہو گئے"۔ "اِن کی صداقت کے یہی وجوہ ہیں"۔ "اُس نے سب منازل طے کر لئے"۔ جو مؤنث بولتے ہیں وہ یوں کہتے ہیں کہ "تمام شرائط پوری ہو گئیں"۔ "اُن کی صداقت کی یہی وجوہ ہیں"۔ "اُس نے سب منازل طے کر لیں"۔

وحدت و جمع

شمار کی رو سے اسم دو طرح کا ہوتا ہے۔ واحد اور جمع

جو اسم ایک کے لئے بولا جاتا ہے اُسے واحد کہتے ہیں اور جو دو یا دو سے زیادہ کے لئے بولا جاتا ہے اُسے جمع جیسے لڑکا، بندہ۔ لڑکے، بندے۔ پہلے دو اسموں سے ایک ہی چیز سمجھی جاتی ہے اس لئے وہ واحد ہیں اور پچھلے دو سے ایک سے زیادہ کئی کئی چیزیں سمجھی جاتی ہیں اس لئے وہ جمع ہیں۔

عربی میں دو کے لئے علیحدہ لفظ ہوتا ہے جسے تثنیہ کہتے ہیں۔ فارسی اور اُردو میں تثنیہ نہیں ہے البتہ فریقین اور جانبین اور طرفین اور والدین جو عربی الفاظ ہیں اُردو میں مستعمل ہیں۔

اُردو میں جمع کی علامتیں چھ ہیں۔ یائے مجہول، واؤ مجہول، وں، ؤں، اں، یں۔ جیسے لڑکے، لڑکو، لڑکوں، راجاؤں، لڑکیاں، عورتیں۔

جمع کا عام قاعدہ

کسی اسم مذکّر یا مؤنث پر خواہ اُس کے آخر میں علامت تذکیر و تانیث ہو یا نہ ہو جب حرف عامل یا تابع عامل آئے تو علامتِ جمع واؤ مجہول اور نون غنّہ ہوگی۔ جیسے مردوں نے لڑکیوں نے کتابوں سے قلموں سے اور اگر اسم کے آخر میں الف یا ہ ہو تو حذف ہو جائے گا۔ جیسے

لڑکوں نے، بچّوں نے، بندوں نے مگر بعض اسم ایسے ہیں کہ اُن کے آخر سے علامتِ تذکیر حذف نہیں کی جاتی اور جمع میں واؤ نون سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کیا جاتا ہے۔ جیسے راجا[1]۔ راجاؤں نے۔

ندا کی حالت میں صرف واؤ مجہول[2] علامت جمع ہے اور الف اور ہ حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے اے لڑکیو۔ اے لڑکو۔ اے بچو۔ اے بندو۔

دوسری صورتوں میں قواعد ذیل ہیں:۔

مذکّر کی جمع

جس اسم کے آخر میں الف یا ہ علاماتِ تذکیر ہوں تو جمع میں یہ علامتیں یائے مجہول سے بدل جائیں گی۔ جیسے لڑکا، لڑکے۔ کپڑا، کپڑے۔ بندہ، بندے۔ بچّہ، بچّے۔ پلّہ، پلّے اور اگر آخر میں نونِ غنّہ اور اُس سے پہلے الف ہو تو جمع میں الف یائے مجہول سے بدل جائے گا۔ جیسے کنواں، کنوئیں۔ سماں، سمیں۔ شعر

نالہ اک دم میں اُڑا دیگا دھوئیں	چرخ کیا اور چرخ کی بنیاد کیا

اور اگر علاماتِ مذکورہ آخر میں نہ ہوں تو واحد اور جمع یکساں ہے۔ یعنی واحد میں کچھ تصرف نہیں کیا جاتا۔ جیسے مرد آیا، مرد آئے۔ پتھر پڑا، پتھر پڑے۔

مؤنث کی جمع

جس اسم کے آخر میں علامتِ تانیث یعنی یائے معروف ہو تو اُس کی جمع میں الف اور نونِ غنّہ

---

[1] راجا کا لفظ دو طرح سے لکھا جاتا ہے۔ راجہ۔ راجا۔ پہلی صورت میں بحالتِ جمع ہ الف سے بدل جاتی ہے۔

[2] سر سید احمد خاں مرحوم ندا کی حالت میں واؤ کے ساتھ نون غنّہ بھی استعمال کرتے اور اے دوستوں اور اے صاحبوں کہتے تھے مگر وہ اِس میں منفرد تھے۔

بعض لفظ ایسے ہیں کہ بولنے والا خیال کرتا ہے کہ اُن کے آخر میں نون غنّہ بولا جاتا ہے اور اس مغالطے کی وجہ سے نون لکھ دیتا ہے جیسے سہل ہے

نظرِ لطف بھی تم جانتے ہو خوش چشموں یا فقط آنکھ ہی غصّہ کی دکھا آتی ہے

اسی طرح بعض ہندوؤں اور مومنو اور مسلمانو کے آخر میں بھی نون لکھ دیتے ہیں۔

زیادہ کیا جائے گا۔ جیسے لڑکی، لڑکیاں۔ نیکی، نیکیاں اور اگر یہ علامت نہ ہو تو یائے مجہول اور نون غنہ علامت جمع ہوگی۔ جیسے تلوار، تلواریں۔ تصویر، تصویریں۔ عید، عیدیں۔ نماز، نمازیں اور آخر میں واؤ یا الف ہو تو جمع میں یائے مجہول اور نون غنہ سے پہلے ایک ہمزہ بھی زیادہ کیا جائیگا۔ جیسے خوشبو، خوشبوئیں۔ جورو، جوروئیں۔ بلا، بلائیں۔ بیت

صدائیں یہ ہر سمت سے آرہی ہیں
کہ راجا سے پرجا تلک سب سکھی ہیں

اور اگر اسم کے آخر میں نون غنہ اور اُس سے پہلے الف یا واؤ معروف ہو تو جمع میں نون غنہ سے پہلے ہمزہ اور یائے مجہول زیادہ کی جائے گی جیسے ماں، مائیں۔ جوں، جوئیں۔

یہ قاعدے اسم ذات کے متعلق ہیں۔ اسم صفت اور اسم فاعل اور اسم مفعول وغیرہ کی جمع مؤنث دو طرح سے آتی ہے۔ ایک پہلی جمع مؤنث کی طرح یعنی الف اور نون غنہ کے ساتھ دوسری صرف نون غنہ کے ساتھ جیسے اونچی۔ اونچیاں[1]۔ اونچیں[2]۔ لڑنے والی۔ لڑنے والیاں۔ لڑنے والیں۔

ذیل کے نقشہ سے ہر ایک قسم کی جمع کا مفصل حال معلوم ہوگا۔

اسم کی قسم	واحد	جمع
اسم ذات مذکر	لڑکا	لڑکے۔ لڑکوں۔ لڑکو!
ایضاً	بندہ	بندے۔ بندوں۔ بندو!
ایضاً	راجہ	راجے۔ راجاؤں۔ راجاؤ!
ایضاً	کنواں	کنوئیں۔ کنوؤں۔ کنوؤ!
اسم ذات مؤنث	لڑکی	لڑکیاں۔ لڑکیوں۔ لڑکیو!
ایضاً	کتاب	کتابیں۔ کتابوں۔ کتابو!
صفت مشبہ مذکر	اچھا	اچھے۔ اچھوں۔ اچھو!
صفت مشبہ مؤنث	اچھی	اچھیاں۔ اچھیں۔ اچھیوں۔ اچھیو!
اسم فاعل مذکر	لڑنے والا	لڑنے والے۔ لڑنے والوں۔ لڑنے والو!
اسم فاعل مؤنث	لڑنے والی	لڑنے والیاں۔ لڑنے والیں۔ لڑنے والیوں۔ لڑنے والیو!
اسم مفعول مذکر	گیا ہوا	گئے ہوئے۔ گئے ہوؤں۔ گئے ہوؤ!
اسم مفعول مؤنث	گئی ہوئی	گئی ہوئیں۔ گئی ہوئیوں۔ گئی ہوئیو!
اسم حالیہ مذکر	ہنستا۔ ہنستا ہوا	ہنستے۔ ہنستے ہوئے۔
اسم حالیہ مؤنث	ہنستی۔ ہنستی ہوئی	ہنستیں۔ ہنستی ہوئیں۔

[1][2] قاعدے کی رو سے تو اونچیاں۔ اونچیں اور اچھیاں، اچھیں وغیرہ آتا ہے مگر اس طرح کے الفاظ کم استعمال کئے جاتے ہیں۔

فائدہ۔ بعض الفاظ کی جمع فارسی کے طور پر بھی اردو میں مستعمل ہے۔ جیسے کرد رہا۔

فائدہ۔ عربی جمعیں بھی اردو میں بہت آتی ہیں۔ جیسے حکم، احکام۔ عالم، علماء۔ ناظر، ناظرین۔ حاضر، حاضرین۔ سامع، سامعین۔ فعل، افعال۔ عمل، اعمال۔ مخالف، مخالفین۔ نبی، انبیاء۔ ولی، اولیا۔ معاملہ، معاملات۔ مشاہدہ، مشاہدات۔

فائدہ۔ لفظ ہندی یا ہندو کی جمع ہنود ہے۔ بہت سے لوگ جو عربی سے واقف بھی ہیں ہنود کے ساتھ اہل کا لفظ مِلا کر اہلِ ہنود کہتے ہیں مگر ہنود کے ساتھ اہل کا لفظ استعمال کرنا ایسا ہی جیسے مسلمین کو اہلِ مسلمین کہنا اور یہ کسی صورت میں صحیح نہیں۔ آسان قاعدہ یاد رکھنا چاہئے کہ جو لفظ کسی مبتدا یا اسم کی خبر ہو سکے اُس پر اہل کا لفظ کبھی نہیں آتا۔ یوں تو کہہ سکتے ہیں کہ عبداللہ اہلِ اسلام ہے۔ لیکن یوں نہیں کہہ سکتے کہ رام داس اہلِ ہنود ہے اور جب ہندو پر اہل کا لفظ نہیں آتا تو ہنود پر کہ اُسی کی جمع ہے کیوں آئے۔

فائدہ۔ کبھی جمع کو واحد قرار دیتے ہیں جیسے وہ بڑا اشراف آدمی ہے۔ اشراف شریف کی جمع ہے۔ مگر اردو میں اکثر واحد یعنی شریف کی جگہ مستعمل ہوتا ہے۔ اسی طرح احوال حال کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ مولوی حالیؔ کہتے ہیں ؎

فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا	تاسّف کے قابل ہے احوال سب کا

سہ حرفی الفاظ جن کے پہلے دو حرف متحرک ہوں اور تیسرا ساکن ہو جمع میں اُن کا حرفِ ثانی اکثر ساکن ہو جاتا ہے جیسے قدموں۔ نظروں۔ ناسخ۔

ہے عجب راہِ عدم بھی جو چلا اِس راہ میں	اک قدم میں پیش قدموں کے برابر ہو گیا

حالی

جچتا نہیں نظروں میں ترا خلعتِ سلطانی	کملی میں مگن اپنی رہتا ہے گدا تیرا

کبھی متحرک ہی رہتا ہے۔ جیسے۔ ظفر

ہمارے حال سے وہ بے خبر نہیں آگاہ	وگرنہ یہ خبریں ہیں کہاں کہاں دوڑیں

جمع الجمع

کبھی جمع کی جمع کرتے ہیں اور اُسے جمع الجمع کہتے ہیں۔ جیسے علماؤں[1]، انبیاؤں، اولیاؤں مگر فصحا کے کلام میں ان الفاظ کی جمع نہیں دیکھی گئی اور اب تو ان الفاظ کا بولنا غلط سمجھا جاتا ہے۔ اشرافوں کو جمع اور جمع الجمع دونوں ہی کہہ سکتے ہیں یعنی اشراف کو واحد قرار دیا جائے تو جمع اور اگر جمع سمجھا جائے تو جمع الجمع۔ مگر حقیقت میں جمع الجمع ہی ہے۔

اسمِ جمع

بعض اسم ایسے ہیں کہ لفظاً واحد ہیں اور معنیً جمع۔ یعنی اُن میں جمع کی کوئی علامت نہیں لیکن جمع کے معنی دیتے ہیں جیسے لوگ، فوج، لشکر، بھیڑ، گروہ، انبوہ، خلقت، قافلہ، جماعت وغیرہ۔ ایسے لفظوں کو اسمِ جمع کہتے ہیں۔

فائدہ۔ لوگ کے ساتھ جب حروف عاملہ آتے ہیں تو لوگوں ہو جاتا ہے جیسے لوگوں نے کہا۔

جو پہلے دن ہی سے دل کا کہانہ کرتے ہم	بیت	تو اب یہ لوگوں سے باتیں سُنا نہ کرتے ہم

جنس اور اسمِ جنس

جنس | بعض لفظ ایسے ہیں کہ قلیل و کثیر یا سالم شے اور اُس کے جزو دونوں پر بولے جاتے ہیں جیسے پانی۔ ایک قطرۂ آب کو بھی پانی کہتے ہیں۔ دریا کو بھی پانی۔ اسی طرح گیہوں۔ ایک دانہ ہو تو بھی گیہوں۔ ڈھیر ہو تو بھی گیہوں۔ ایسے الفاظ جنس کہلاتے ہیں۔

اسمِ جنس | بعض لفظ ایسے ہیں کہ جزو شے پر نہیں بولے جاتے ہیں اور نہ بہتوں پر بولے جاتے ہیں بلکہ ہر فرد پر بولے جاتے ہیں جیسے آدمی، گھوڑا، بیل وغیرہ۔ دیکھو آدمی کے سر یا پاؤں یا ہاتھ یا ٹانگ کو آدمی نہیں کہتے اور نہ بہت سے گھوڑوں یا بیلوں کو گھوڑا یا بیل کہہ سکتے ہیں بلکہ ہر گھوڑے کو گھوڑا اور ہر بیل کو بیل کہتے ہیں۔ ایسے الفاظ اسمِ جنس کہلاتے ہیں۔

---

[1] پنجاب میں علما اور انبیا اور اولیا بھی اشراف کی طرح واحد کی جگہ بولے جاتے ہیں اور ان کی جمع علماؤں اور انبیاؤں اور اولیاؤں آتی ہے۔

الفاظ تنکیر

پہلے بیان ہو چکا ہی کہ نکرہ غیر معین شے کو کہتے ہیں جن الفاظ سے غیر معین شے کو بولتے ہیں وہ یہ ہیں۔ کوئی۔ کوئی سا کچھ کسی۔ جیسے کوئی آدمی کوئی شخص۔ کوئی چیز کوئی سا حصہ۔ کوئی سی بات کچھ کام۔ کچھ مطلب۔ کوئی اور کوئی سا عام ہیں۔ ذی روح اور غیر ذی روح دونوں کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ کچھ خاص ہی صرف غیر ذی روح کے لئے آتا ہی۔

جب اِن کے بعد حروفِ عامل یا توابع عامل آئیں تو اُن کی تبدیلی کسی سے ہو جاتی ہی۔ جیسے کسی سے کچھ امید نہ رکھو۔ کسی چیز کا افسوس نہ کرو۔ مگر بعض اوقات کوئی بدستور رہتا ہی اور حروفِ عاملہ اس میں کچھ عمل نہیں کرتے۔ جیسے **شعر**۔

آنا ہی تو آجا کہ کوئی دم کی ہی مہلت	پھر دیکھیے آنا بھی ہی دم یا نہیں آتا

اسم واحد کے حرف اخیر کی تبدیلی

جب اسم کے آخر الف یا ہائے ماقبل مفتوح ہو اور اُس کے آخر میں حروفِ عامل یا توابع عامل میں سے کوئی حرف آئے تو الف اور ہ یائے مجہول سے بدل جاتے ہیں۔ جیسے بندے نے ہفتے سے۔ معاملے سے۔ لڑکے نے۔ اچھے کو۔ بڑے کو کہنے سے۔ سُننے سے۔ **گلزار نسیم**۔

ہر چند کہ تھا وہ دیو کڑوا	حلوے سے کیا مُنہ اُس کا میٹھا
ننھے منّے بڑے سب قسم کے مچھر لپٹے	لنگڑے لولے تو جدا۔ ٹوٹ پڑے کاٹے تک
تھے جو بھوکے سے تو کی خوب ہی ریلا پیلی	ایسے حملے کئے فرصت نہ دی کھجلانے تک

جو الف بصورت یا لکھا جائے اُس پر بھی یہی قاعدہ عمل کرتا ہی۔ جیسے دعوے[1]۔ موسے۔ فتوے ہیں۔

[1] تانیث سا کا الف یائے معروف سے بدل جاتا ہی ۱۲

مگر چند اقسام کے الفاظ اِس قاعدے سے مستثنیٰ ہیں۔

(۱) اعلام۔ جیسے خدا۔ زکریا۔ یحییٰ۔ موسیٰ۔ عیسےٰ۔ مسیحا۔ مصرع

وہ کیا ہی جو نہیں ہوتا خدا سے

(۲) فارسی اسم فاعل سماعی۔ جیسے دانا۔ بینا شعر۔

اِسی طرح راہِ طلب میں ہیں پویا
بہت دُور ابھی ان کو جانا ہی گویا

(۳) جو الفاظ رشتوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ جیسے ابّا۔ چچّا۔ دادا۔ نانا۔ پھوپھا وغیرہ وغیرہ زبانوں کے الفاظ کا بھی یہی حال ہی۔ جیسے ماتا۔ پتا۔

(۴) کریما۔ شمس یازغہ۔ اہل دہلی کے یہاں کریما غیر متصرف ہی اور وہ کریما کا سبق بولتے ہیں۔ ذوق لکھتے ہیں ؎

ہوا ہی مدرسہ بھی درس گاہِ عیش و نشاط
کہ شمس یازغہ کی جا پڑھیں ہیں بدرِ مُنیر

(۵) بعض شہروں کے نام جیسے بلیا، متھرا، کالکا، گیا وغیرہ۔

(۶) وہ مصدر جس کے کسی امر متعلق کا ذکر ہو۔ جیسے جانا کا ماضی مطلق گیا ہی اور بکنا کا متعدی بیچا۔

(۷) بعض عربی مصدر جیسے اِدّعا۔ التجا۔ اِتّقا۔ اقتضا۔ ایما۔

(۸) عربی اسم مفعول جیسے مدعا۔ مُقتضا۔

(۹) عربی اسم تفضیل جیسے ادنیٰ۔ اعلےٰ۔ اقصیٰ۔

(۱۰) وہ الفاظ جو مؤنث بولے جاتے ہیں جیسے ماما۔ انّا۔ آپا۔ ددا۔ دایہ۔ فاختہ۔ مینا۔ ہوا۔ دغا۔ دُعا کہتے ہیں "نہ دوا نے کچھ اثر کیا نہ دعا نے"۔ "ملکہ معظمہ کی فیّاضیوں کی کیا تعریف ہو سکتی ہی"۔

(۱۱) وہ الفاظ جو عبارت میں بہ ترکیب فارسی واقع ہوں جیسے "موصول وصلہ کی بحث آگے آئے گی"۔ مقتول ؎

آہ وگریہ سے مجھے حاصل ہی سیرِ خشک و تر	ہوں کبھی دریا میں اے وحشت کبھی جنگل میں ہوں

کبھی ایسے الفاظ کو حروفِ عامل کے آنے سے بدل بھی دیتے ہیں جیسے سرور ؎

کل تلک تھا جس مکاں پر شمع رویوں کا ہجوم	چھانتے ہیں اب وہاں پر خاکِ پروانے کو ہم

جس غزل میں کا یہ شعر ہی اُس کا قافیہ افسانے اور سُلجھانے ہی۔

(۱۲) چند اور الفاظ جن کے لئے کوئی قاعدہ مقرر نہیں کیا جاسکتا ہی۔ جیسے راجا۔ عنقا۔ ہما۔ دریا۔ صحرا۔

جس اسم میں ہ سے پہلے ایسی یَ ہو۔ جس کے پہلے الف ہو۔ تو یَ ہمزے سے بدل جاتی ہی۔ جیسے ہدائے میں لکھا ہی۔ سرائے کی ضرورت ہی۔ وہ کرائے کے مکان میں رہتے ہیں۔ امیر۔

میں مٹ گیا تو ساتھ مِرے یہ بھی مٹ گیا	سائے سے خوب حقِ رفاقت ادا ہوا

بعض الفاظ ایسے ہیں کہ بعض اہل زبان اِن میں تغیر کر دیتے ہیں۔ بعض نہیں کرتے۔ مثلاً سودا جب کہ جنون و دیوانگی کے معنوں میں ہو تو جو تغیر کرتے ہیں وہ "سودے نے" کہتے ہیں۔ اور جو نہیں کرتے وہ "سودا نے" بولتے ہیں لیکن جب یہ لفظ خرید فروخت کے معنوں میں آئے تو بالاتفاق بدل دیا جاتا ہی۔ جیسے "اُس سودے میں بہت فائدہ ہی"۔

فائدہ۔ جن الفاظ میں حروفِ عاملہ کے آنے سے تغیّر ہو جاتا ہی وہ منصرف کہلاتے ہیں، اور جن میں تغیّر نہیں ہوتا وہ غیر منصرف۔ تو جتنے الفاظ مستثنیات میں ذکر کئے گئے ہیں سب غیر منصرف ہیں۔

فائدہ۔ بعض الفاظ جن کے آخر میں عین ماقبل مفتوح آتا ہی۔ جیسے مجمع۔ موقع۔ مطبَع

مصرع۔ جب اِن کے ساتھ حروفِ عاملہ آتے ہیں یا یہ الفاظ جمع کے مقام پر استعمال کئے جاتے ہیں تو اُن کے تلفظ میں یہ تبدیلی ہو جاتی ہی کہ عین کا پہلا حرف مکسور بولا جاتا ہی۔ جیسے "بھرے مجمع میں" "ایسے موقع پر" "مصطفائی مطبع کا مالک" ع

ایک مصرع کی بڑھ گئی ہی دُم

شعر

برقع کو اُٹھا چہرے سے وہ بُت اگر آئے		اللہ کی قدرت کا تماشا نظر آئے	

نہ ہو حیراں اگر عالم میں ہر صورت علیحدہ ہی
مرقع میں ہزاروں رنگ کی تصویریں ہوتی ہیں

مرزا غالب کہتے ہیں۔ **شعر**

مقطع میں آپڑی ہی سخن گسترانہ بات		مقصود اس سے قطع محبت نہیں مجھے	

مولوی محمد حسین صاحب آزاد مثنوی ابرِ کرم میں لکھتے ہیں۔ **بیت**۔

روشن سب اِس میں عہد بعید و قریب ہیں
شاہانِ ماسلف کے مرقع عجیب ہیں

یہاں مرقع جمع کے محل میں استعمال ہوا اور پڑھنے میں مرقع آیا ہی۔ بعض لوگ مقامات مذکورہ میں ایسے الفاظ کے آخر میں یائے مجہول زیادہ کر دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں اس لئے کہ اہل زبان مجمعے اور مطبعے اور مرقعے اور مطلعے نہیں بولتے اور الفاظ لکھے تو اُسی طرح جاتے ہیں جس طرح بولے جاتے ہیں۔

دوسرا حِصّہ

نحو کے علم میں

نحو

نحو وہ علم ہی جس سے اجزائے کلام کو ترکیب دینے اور جدا جدا کرنے کا ڈھنگ آتا اور کلمات کے ربط اور باہمی تعلق کا حال معلوم ہوتا ہی اور جس غلطی سے مطلب میں خلل واقع ہو اُس سے کلام کو بچاتا ہی۔

کلام | جب دو یا دو سے زیادہ کلمات ترکیب پائیں تو اُس کو کلام کہتے ہیں۔ کلام تام میں اسناد کا ہونا بھی ضرور ہی جیسا آگے بیان ہوگا۔

کلام کی قسمیں

کلام کی دو قسمیں ہیں۔ ناقص۱۔ تام۲۔ کلام ناقص وہ مرکب ہی جس سے سننے والے کو پورا فائدہ حاصل نہ ہو یعنی خاطر جمع نہ ہو۔ جیسے زید کی کتاب، خالد کا سبق، سفید کپڑا، ایک سو بیس، اِن کلمات سے سامع فائدہ تام حاصل نہیں کرسکتا اور پورے مطلب کے بیان کا منتظر رہتا ہی ایسے کلام کو مرکب ناقص بھی کہتے ہیں اور وہ ہمیشہ جزو جملہ ہوتا ہی۔

کلامِ تام وہ مرکب ہی جس کے سننے سے پورا فائدہ حاصل ہو۔ جیسے مصرع

توفیقِ کارِ نیک ہمیں اے کریم دے

مرزا غالب ؎

وہ آئے گھر میں ہمارے خدا کی قدرت ہی		کبھی ہم اُن کو کبھی اپنے گھر کو دیکھتے ہیں

پہلی مثال میں شاعر خدا سے کارِ نیک کی توفیق مانگتا ہی اور سامع اِس کلام سے فائدہ تام حاصل کرتا ہی۔

دوسری میں شاعر کسی ایسے شخص کے آنے کا حال بیان کرتا ہی جس کو عزّت اور محبّت کی نگاہ سے دیکھتا اور اُس کے اپنے گھر آنے پر مسرت آمیز تعجب ظاہر کرتا ہی اور سننے والا اُس کلام کو سُن کر بیان مزید کا منتظر نہیں رہتا۔

مُرکّب ناقِص کا بیان

اِس کی کئی قسمیں ہیں۔ مرکّب اضافی۔ مرکّب توصیفی۔ مرکّب عددی۔ مرکّب عطفی۔ مرکّب ظرفی۔ مرکّب امتزاجی۔ بدل و مبدل منہ۔ عطفِ بیان۔ تابع مہمل۔ تابع موضوع۔ تاکید و موکدّ۔ تمیز و ممیّز۔ اسم فاعل ترکیبی۔ اسم مفعول ترکیبی۔ اِسم صفت ترکیبی اِسم مکبّر جو مرکب ہو۔ اِسم مبالغہ۔ اسم تفضیل۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ۔

(۱) مُرکّب اضافی

اضافت۔ مضاف۔ مضاف الیہ

جب دو اسم آپس میں ملتے ہیں تو اُن میں ایک ادھورا سا تعلق پیدا ہو جاتا ہی اُس ناتمام لگاؤ کا نام اضافت ہی۔ جس اِسم کا دوسرے کے ساتھ تعلق ظاہر کیا جائے اُس کو مضاف کہتے ہیں اور جس اِسم کے ساتھ ظاہر کیا جائے اُس کو مضاف الیہ اور مجموعے کو مرکّب اضافی۔

عربی اور فارسی میں مضاف مقدم آتا ہی اور مضاف الیہ مؤخر۔ مگر اُردو میں مضاف الیہ کو پہلے اور مضاف کو پیچھے لاتے اور اُس کے خلاف کو خلافِ فصاحت سمجھتے ہیں۔ جیسے غالب

شوریدگی کے ہاتھ سے سر ہو وبالِ دوش	صحرا میں اے خدا کوئی دیوار بھی نہیں

اس شعر میں شوریدگی مضاف الیہ ہی جو مقدم ہی اور ہاتھ مضاف ہی جو مؤخر ہی۔ نظم میں ضرورتِ شعری کے سبب بسا اوقات مضاف مقدم اور مضاف الیہ مؤخر آتا ہی جیسے حالی

قفلِ درِ مُراد سب اک بار کُھل گئے
چھوڑا جب آرزو نے بھروسہ کلید کا

یہاں بھروسا مضاف مقدم ہی اور کلید مضاف الیہ مؤخر داغ

جو ہر دکھاؤ صاحبِ جوہر کے روبرو
ہی قدر آئینے کی سکندر کے روبرو

اس شعر میں قدر مضاف مقدم ہی اور آئینہ مضاف الیہ مؤخر۔

نثر میں بھی بعض اوقات تقدیم و تاخیر کر دیتے ہیں۔ یعنی مضاف کو پہلے اور مضاف الیہ کو پیچھے لاتے ہیں اور وہاں وہی ترکیب اچھی معلوم ہوتی ہی۔ جیسے "دین دوا ہی بیمار کی۔ تسلّی ہی بے قرار کی۔ متاع ہی خریدار کی۔ بشارت ہی اُمیدوار کی۔ نجات ہی گنہگار کی۔ یعنی عنایت ہی پروردگار کی"۔

مضاف اور مضاف الیہ کے پہچاننے کی عام علامت یہ ہی کہ سوال میں جس اسم کے ساتھ کس کا۔ کس کے۔ کس کی۔ کن کا۔ کن کے۔ کن کی لگ سکے وہ مضاف ہی اور جو اسم اُس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ۔ جیسے عارف کا سبق۔ یہاں اگر پوچھیں کس کا سبق تو جواب ہوگا عارف کا۔ پس سبق مضاف ہی اور عارف مضاف الیہ۔ چونکہ اضافی کی کئی قسمیں ہیں جن کا بیان آگے آتا ہی۔ اس لئے بعض اضافتوں میں مضاف کے ساتھ کونسا اور بعض میں کاہی کا یا کس چیز کا لگتا اور جو اُس کے جواب میں واقع ہو وہ مضاف الیہ ہوتا ہی۔ جیسے جنوری کا مہینہ۔ یہاں اگر پوچھیں کونسا مہینہ؟ تو جواب ہوگا جنوری کا۔ پس مہینہ مضاف ہی اور جنوری مضاف الیہ۔ اسی طرح چاندی کی انگوٹھی

اگر پوچھیں کا ہے کی یا کس چیز کی انگوٹھی ؟ تو جواب ہوگا چاندی کی۔ پس انگوٹھی مضاف ہی اور چاندی مضاف الیہ۔

جب مضاف الیہ منجملہ اُن الفاظ کے نہ ہو جن کے آخر را۔ رتے۔ رتی۔ نا۔ نے۔ نی آتا ہی تو اُس کے ساتھ ہمیشہ کا۔ یا کے یا کی آتا ہی۔ اسی لئے اِن الفاظ کو علامتِ اضافت کہا گیا ہی۔ مگر یہ ضرور نہیں کہ جس اسم کے ساتھ یہ لفظ آئیں وہ مضاف الیہ ہی ہو کیونکہ بعض اوقات اور الفاظ کے ساتھ زائد بھی آتے ہیں۔ جیسے "علم کے معنی جانتے کے ہیں"۔ یہاں دوسرا کے زائد ہی۔ کبھی یہ علامت حذف ہو جاتی ہی۔ جیسے۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ یعنی ہاتھ کے کنگن کو۔

جب میرا۔ میرے۔ میری۔ تیرا۔ تیرے۔ تیری۔ ہمارا۔ ہمارے۔ ہماری۔ تمھارا۔ تمھارے۔ تمھاری۔ اپنا۔ اپنے۔ اپنی۔ مضاف الیہ ہوتے ہیں تو کا۔ کے۔ کی میں سے کوئی علامتِ اضافت نہیں آتی۔

اضافت کا قاعدہ یہ ہی کہ مضاف میں کسی نہ کسی طرح کی خصوصیت یا وضاحت پیدا کر دیتی ہی اور اِس کی کئی قسمیں ہیں۔

(۱) اضافتِ تملیکی۔ جب مملوک کی اضافت مالک کی طرف یا مالک کی اضافت مملوک کی طرف ہو تو اُس کو اضافتِ تملیکی کہتے ہیں۔ جیسے ناصر کا گھوڑا۔ ہندوستان کا بادشاہ پہلی مثال میں مضاف یعنی گھوڑا مملوک ہی اور ناصر مالک، دوسری میں بادشاہ مالک اور ہندوستان مملوک۔

(۲) ظرفی۔ اس میں مضاف مظروف اور مضاف الیہ ظرف ہوتا ہی۔ جیسے کنوئیں کا پانی۔ باغ کا پھول۔ یہ مثالیں ظرف مکانی کی ہیں۔ ظرف زماں جیسے صبح کی ہوا۔ دوپہر کی دھوپ

بیت نہ لُو جیٹھ کی جی چھڑاتی ہی اُن کا
نہ ٹھر ماہ کی دم تڑاتی ہی اُن کا

اسی طرح ڈھاکے کی ململ۔ مراد آباد کے بھرت کے برتن۔ کشمیر کی زعفران[1] اور دوشالہ۔ نگینے کی کنگھی۔ لاہور کے ریشمی ازار بند۔ دلی کا مرصع زیور۔ بنارس کا گلبدن اور کمخواب۔ چھپرامئو کے پیڑے۔ ہوشیارپور کا جوتا۔ گورکھپور کا اناناس۔ قنوج کا عطر۔ کالپی کا کاغذ اور مصری۔ ٹانڈے اور امروہہ کے مٹی کے باسن۔ جھانسی کا کیوڑا۔ کانپور کا چرمی اسباب یہ سب اضافتیں ظرفی ہیں۔

کبھی مضاف الیہ مظروف ہوتا ہے اور مضاف ظرف جیسے۔ سونے کی کان۔ چار کا پیالہ پانی کا گھڑا۔

(۳) تخصیصی۔ جس میں مضاف اپنے مضاف الیہ کے سبب خصوصیت حاصل کرے اور تملیکی وظرفی نہ ہو جیسے حامد کا غلام۔ ریل کا اسٹیشن۔ یاد رکھو کہ اس اضافت میں کبھی وہ چیز جو مضاف ہوتی ہے مضاف الیہ کا جزو ہوتی ہے۔ جیسے عارف کا ہاتھ۔ عقل کا پاؤں۔

(۴) توضیحی۔ جس میں مضاف الیہ مضاف کی وضاحت کرے اس اضافت میں مضاف علم ہوتا ہے اور مضاف الیہ خاص یا یہ کہ مضاف کلی[2] ہوتا ہے اور مضاف الیہ جزئی۔ اسی وجہ سے ہمیشہ مضاف الیہ پر مضاف کا اطلاق کر سکتے ہیں۔ لیکن ہر جگہ مضاف پر مضاف الیہ کا اطلاق نہیں کر سکتے۔ جیسے مارچ[3] کا مہینہ۔ جمعہ کا دن۔ بمبئی کا شہر۔ ان مثالوں میں ہمیشہ مارچ کو

---

[1] زعفران کو اہل لکھنؤ مؤنث بولتے ہیں اور اہل دہلی مؤنث بھی اور مذکر بھی ۱۲۔

[2] کلی اصطلاح منطق میں اس چیز کو کہتے ہیں جس کے بہت سے افراد ہوں اور جزئی کلی کے ہر فرد کو کہتے ہیں۔ جیسے انسان یہ کلی ہے اور ہم تم جو اس کے افراد ہیں جزئی ہیں۔ کلی ایسی چیز ہے کہ اس کا وجود بغیر جزئی کے کبھی نہیں پایا جاتا۔

[3] بعض اہل دہلی مہینے اور اس کے افراد میں لفظ کا استعمال نہیں کرتے مثلاً مارچ کا مہینہ نہیں کہتے مارچ مہینہ کہتے ہیں ہم کو اس کی وجہ معلوم نہیں عجب نہیں کہ وہ اس ترکیب کو مضاف و مضاف الیہ نہ سمجھتے ہوں یا اس ترکیب میں ان کے نزدیک حذف علامت اضافت جائز ہو۔ فصحائے لکھنؤ اس اضافت میں کا استعمال کرتے ہیں۔ میر انیس لکھتے ہیں ؎

مہینہ جیٹھ کا تھا دھوپ میں یہ تھی تب و تاب	کہ دشت کیں کی زمیں بھی زمین روز حساب

مہینہ اور جمعے کو دن اور بمبئی کو شہر کہہ سکتے ہیں۔ لیکن ہر مہینہ کو مارچ اور ہر دن کو جمعہ اور ہر شہر کو بمبئی نہیں کہہ سکتے۔ اِس بیان سے اضافتِ تخصیصی اور توضیحی میں جو فرق ہی وہ تم نے بخوبی سمجھ لیا ہوگا۔

(۵) **اضافتِ بیانی**۔ جس میں مضاف اُس چیز سے جو مضاف الیہ ہو بنا ہوا ہو جیسے کشمیرے کا کوٹ۔ بانات کا چغہ۔ چاندی کا قلمدان۔ سونے کا جھومر۔

اضافتِ بیانی میں مضاف الیہ کس چیز کا یا کاہی کا کے جواب میں واقع ہوتا ہی۔ مثلاً جب پوچھیں کہ کس چیز کا یا کاہی کا کوٹ؟ تو جواب ہوگا کشمیرے کا۔

(۶) **اضافتِ تشبیہی**۔ تشبیہ کے معنی ہیں ایک چیز کو دوسری کی مانند کہنا۔ تشبیہ میں چار چیزوں کا ہونا ضرور ہی۔ اوّل جس کو تشبیہ دیں اُس کو مشبّہ کہتے ہیں۔ دوسرے جس سے تشبیہ دیں۔ اُس کا نام مشبّہ بہ ہی۔ تیسرے جس بات میں تشبیہ دیں اُس کو وجہ شبہ یا وجہ تشبیہ کہتے ہیں اور یہ مضاف و مضاف الیہ یعنی اضافت میں مذکور نہیں ہوتی چوتھے حرفِ تشبیہ اضافتِ تشبیہی حقیقت میں ایک جملہ ہوتا ہی جس میں اضافت کے سبب حروفِ تشبیہ اور فعل[۱] کے ذکر اور وجہ شبہ کی صراحت کی ضرورت نہیں ہوتی اور مضاف و مضاف الیہ ہی سے تینوں باتیں خود بخود معلوم ہو جاتی ہیں۔ جیسے طعنے کا نیزہ۔ یعنی طعنہ جو دل میں جا کر لگنے اور زخم کر دینے میں نیزے کی مانند ہی اُس عبارت میں پانچوں چیزیں موجود ہیں۔ طعنہ[۱] مشبّہ۔ نیزہ[۲] مشبّہ بہ۔ دل میں[۳] جا کر لگنا اور زخم کرنا وجہ تشبیہ۔ مانند[۴] حرفِ تشبیہ۔ ہی[۵] فعل۔ دیکھو یہاں صرف اضافت سے وجہ تشبیہ اور حرفِ تشبیہ اور فعل کی کفایت ہو گئی اسی طرح نگاہ کا تیر اور غصّے کی آگ وغیرہ۔

یاد رکھو کہ اضافتِ تشبیہی میں مشبّہ بہ مضاف ہوتا ہی اور مشبّہ مضاف الیہ۔

---

[۱] جس کلمہ کو ہم نے فعل کہا ہی اُس کا ذکر ابھی ابھی آتا ہی ۱۲

[۲] ہی کو ہم اس کتاب میں فعلِ ناقص ثابت کریں گے۔ ہمارے نزدیک اس کو حرفِ ربط کہنا صحیح نہیں ۱۲

(۷) **اضافتِ استعارہ** - استعارہ لغت میں مانگے لینے کو کہتے ہیں چونکہ اس اضافت میں کسی لفظ کے مفہوم کو کچھ اور فرض کر لیتے ہیں اس لئے اس کا نام اضافتِ استعارہ رکھا گیا استعارہ میں تین چیزوں کا ہونا ضرور ہی - اوّل اُس چیز کا جس سے کچھ مانگا جائے اُسے مستعار منہ کہتے ہیں - دوسرے اُس چیز کا جس کے لئے مانگا جائے اُس کا نام مستعارلہٗ ہی - تیسرے اُس چیز کا جو مانگی جائے اُسے مستعار کہتے ہیں -

اضافتِ استعارہ میں مستعار منہ کے لوازمات میں سے کسی چیز کو مستعارلہٗ کی طرف مضاف کرتے ہیں جیسے **شعر**

دامن صبا نہ چھو سکے جس شہسوار کا	پہنچے کب اُس کو ہاتھ ہمارے غبار کا

اس شعر میں وہ شے جو مستعار منہ ہی انسان ہی - کیونکہ اُس سے ہاتھ مانگا گیا ہی جو منجملہ اُس کے لوازمات کے ایک چیز ہی - یہی ہاتھ مستعار ہی اور غبار مستعارلہٗ ہی کیونکہ اس کے لئے ہاتھ فرض کیا گیا ہی - استعارہ شعرا اور اہلِ انشا کے نزدیک شاعری اور حُسنِ کلام کا زیور ہی - اسی طرح مجاز اور تشبیہ موجب زینتِ سخن ہیں مگر یہ مقام ان کی تفصیل کا نہیں -

اضافتِ استعارہ اور تشبیہی میں فرق

اضافتِ استعارہ اور تشبیہی میں یہ فرق ہی کہ اضافتِ تشبیہی میں مضاف الیہ کو (جو مشبہ ہوتا ہی) مضاف (یعنی مشبہ بہ) کی مانند کہہ سکتے ہیں - اضافتِ استعارہ میں کہہ سکتے جیسے غصّہ کی آگ - یہاں کہہ سکتے ہیں کہ غصّہ جو آگ کی مانند ہی مگر خیال کے پاؤں میں (جو اضافتِ استعارہ ہی) نہیں کہہ سکتے کہ خیال جو پاؤں کی مانند ہی -

(۸) **اضافت بہ ادنیٰ تعلق** - جب تھوڑے سے تعلق سے ایک چیز کو دوسری چیز کی طرف منسوب کریں عربی میں اُس کو اضافتِ بادنیٰ ملابست کہتے ہیں - ملابست کا لفظ اردو میں کچھ غیر مانوس سا ہی ہم نے اُس کو تعلق کے لفظ سے بدل کر اس اضافت کا نام اضافت بہ ادنیٰ تعلق رکھا ہی - مثالیں سُنو - ہمارا ملک - تمہارا شہر - اُن کا محلہ حقیقت میں ملک اور شہر اور محلہ کوئی بھی ہم میں سے کسی کا نہیں - سب بادشاہِ ملک کے ہیں -

مگر اُن میں رہنے کے تعلق سے سب کو اپنا بنا لیا۔
کبھی سرکار انگریزی دشمن سے ہنگامہ کارزار گرم کرتی اور اخبار نویس حالاتِ جنگ لکھنے لگتے ہیں تو سرکار کی فوج کو اپنی فوج اور حریف کو اپنا دشمن قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ ظاہر ہے کہ اُن لوگوں کو ملک داری اور حرب و قتال سے کچھ تعلق نہیں ہوتا مگر چونکہ یہ لوگ سرکار کی رعیت ہیں۔ اِس لئے اِس تعلق کی وجہ سے سرکار کی سب چیزوں کو اپنی چیزیں بنا لیتے ہیں تو ہماری فوج اور ہماری سپاہ اور ہمارے دشمن میں اضافت بہ ادنیٰ تعلق ہے۔

(۹) اضافتِ توصیفی۔ یہ اضافت دو طرح کی ہوتی ہے۔ ایک جس میں مضاف موصوف اور مضاف الیہ صفت ہو جیسے بے دودھ کی چائے۔ تڑاقے کی دھوپ۔ فائدہ کا کام۔ یہاں چائے اور دھوپ اور کام موصوف ہے اور بے دودھ کی اور تڑاقے کی اور فائدہ کا صفت۔

دوسرے جس میں مضاف الیہ موصوف ہوتا ہے اور مضاف صفت اور مضاف و مضاف الیہ دونوں مل کر کسی اور موصوف کی صفت ہوتے ہیں۔ جیسے طبیعت کا تیز۔ دل کا تنگ۔ یہاں تیز طبیعت کی صفت اور تنگ دل کی صفت ہے مگر ان دونوں کا موصوف وہ شخص ہے جس کو یہ کہہ سکیں کہ اِس کی طبیعت تیز اور اُس کا دل تنگ ہے۔

اِس امر کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں رہی کہ مضاف نکرہ ہوتا ہے یا معرفہ۔ اقسام اضافت میں تم نے دیکھ لیا ہے کہ وہ نکرہ بھی ہوتا ہے اور معرفہ بھی اور اکثر نکرہ ہوتا ہے۔

کبھی کئی الفاظ عطف کے ساتھ یعنی معطوف و معطوف علیہ ہو کر مضاف ہوتے ہیں کبھی مضاف الیہ کبھی دونوں۔ جیسے سعد کا ذہن اور حافظہ اور زید اور عمرو اور بکر کا خط۔

کبھی مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف ہوتے ہیں اور کبھی مضاف الیہ جیسے میرا چاندی کا قلمدان اپنے قول کا پاس۔

کبھی مضاف موصوف وصفت سے اور کبھی مضاف الیہ صفت و موصوف سے مرکب ہوتا ہے جیسے خدا کا سچا فرمان اور سچے خدا کا ارشاد۔

کبھی مضاف محذوف ہوجاتا ہے جیسے مصرع۔

ایمان کی کہیں گے ایمان ہی تو سب کچھ

یعنی ایمان کی بات۔

کبھی مضاف الیہ محذوف ہوجاتا ہے۔ جیسے **شعر**۔

افسوس کہ غفلت میں کٹا عہدِ جوانی	تھا آبِ بقا گھر میں مگر ہم نے نہ جانا

یعنی ہمارا عہدِ جوانی۔

نثر میں مضاف و مضاف الیہ بلا فصل آتے ہیں۔ نظم میں ضرورتِ شعری کے سبب اور لفظوں کو بھی بیچ میں لے آتے ہیں۔ آباد۔

بہت ڈھونڈا پتا ملتا نہیں کچھ تیرے ایواں کا	تھکے پائے تصوّر اِس قدر کی جستجو میں نے

دوسرے مصرع میں پتا مضاف ہے اور تیرے ایواں بہ ترکیب اضافی (یعنی مضاف و مضاف ہوکر) مضاف الیہ۔ نہیں کچھ کا لفظ ان میں فاصل واقع ہوا ہے۔ **ظفر**

رفتگانِ عدم کی پھرتی ہے	اپنی آنکھوں میں دمبدم صورت

یہاں صورت جو سب سے آخر ہے مضاف ہے اور رفتگانِ عدم جو سب سے پہلے ہے مضاف الیہ بیچ میں تمام الفاظ فاصل ہیں۔

کبھی ایک لفظ کو اُسی کی طرف مضاف کرتے اور اُس سے تمام کے معنی لیتے ہیں جیسے حالی

غرض عیب اپنے بیاں کیجے کیا کیا
کہ بگڑا ہوا یاں ہے آوے کا آوا

آدے کا آدا یعنی تمام آدا۔

جب مضاف کے بعد حروفِ عاملہ میں سے کوئی حرف آئے تو علامات اضافت کا الف یائے مجہول سے بدل جاتا ہے۔ جیسے "مولوی صاحب کے قلمدان میں" "تمھارے بکس میں" "اپنے گھر سے"۔ اسی طرح جب مضاف و مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ ہوں تو مرکب مضاف الیہ کی علامتِ اضافت بھی یائے مجہول سے بدل جاتی ہے۔ جیسے زید کے بیٹے کا دوست۔

فائدہ - مصدر متعدی جب مضاف ہوتا ہے تو صرف قرینے سے پہچانا جاتا ہے کہ فاعل کی طرف مضاف ہے یا مفعول کی طرف۔ جیسے زید کا ہنسانا - بکر کا رُلانا - یہاں دونوں ہی باتیں ہوسکتی ہیں - زید کا کسی کو ہنسانا یا کسی کا زید کو ہنسانا - بکر کا کسی کو رُلانا یا کسی کا بکر کو رُلانا -

فائدہ - مضاف اور مضاف الیہ کی فارسی ترکیبیں بھی اُردو میں مستعمل ہیں اور اُردو کی نسبت مختصر اور فصیح تر ہوتی ہیں - مثلاً **غالب**

دہر میں نقشِ وفا وجہِ تسلی نہ ہوا	ہے یہ وہ لفظ کہ شرمندۂ معنی نہ ہوا

اس شعر میں تین جگہ اضافت ہے نقشِ وفا - وجہِ تسلی - شرمندۂ معنی - ایسی ترکیبیں بیشتر نظم میں ہوتی ہیں اور بندش کو چست کر دیتی ہیں -

فارسی ترکیب میں مضاف کا حرف اخیر مکسور ہوتا ہے جیسے روزِ عید - مجمعِ احباب اگر حرفِ اخیر الف یا واؤ ماقبل مضموم ہو تو ایک ہمزۂ مکسور[۱] زیادہ کیا جاتا ہے - جیسے جفائے دشمن کیمیائے سعادت - خوئے دوست - بوئے گل اور اگر ہائے ماقبل مفتوح ہو تو ہمزے سے بدل جاتی ہے جیسے خانۂ خدا - نالۂ بلبل -

فائدہ - اُردو لفظ فارسی یا عربی لفظ کی طرف فارسی یا عربی ترکیب سے نہ مضاف ہونے کی صلاحیت رکھتا ہے، نہ اُس کا مضاف الیہ ہو سکتا ہے - بت کنا - روٹی گندم - شیر بھینس - شعلۂ آگ -

[۱] لکھنے میں صرف ہمزہ نہیں لکھتے بلکہ ہمزہ اور ے اس صورت میں (ئے) لکھتے ہیں یعنی ے نیچے لکھی جاتی ہے اور ہمزہ اوپر -

چاندنی قمر، بارِ محبت، جنبشِ چوتن، دھوپ الشمس، تاج السونا۔

فائدہ - فارسی لفظ جب عربی لفظ کی طرف مضاف ہو یا عربی لفظ فارسی لفظ کی طرف تو عربی یا فارسی لفظ پر الف لام نہیں لکھنا چاہیئے اور نہ عربی طریق پر ان الفاظ کو بولنا چاہیئے۔ جیسے چراغِ دین۔ فرمانِ سلطان۔ قریبِ مرگ۔ اِن الفاظ میں دین اور سلطان اور مرگ پر الف لام لانا اور چراغ الدین اور فرمان السلطان اور قریب المرگ کہنا درست نہیں۔ یہ فائدہ اگرچہ نحو فارسی سے متعلق ہے مگر یہاں لکھ دینا بھی خالی از نفع نہیں۔

(۲) مرکّبِ توصیفی

جب دو اسم مل کر پہلا موصوف اور دوسرا صفت ہو تو مجموعے کو مرکّبِ توصیفی کہتے ہیں جس طرح صفت کا اطلاق اُس لفظ پر ہوتا ہے جس سے کسی کی خوبی بیان کی جائے۔ اسی طرح اس لفظ پر ہوتا ہے جس سے بُرائی ظاہر کی جائے۔ جیسے ہوش مند لڑکی۔ نیک عورت۔ شریر لڑکا۔ بخیل مرد۔ شریر اور بخیل باوجود سے کہ بُرائی اور عیب ظاہر کرتے ہیں مگر ان کو علمِ نحو میں صفت ہی کہتے ہیں۔ یہ نہیں کہ صفت مفرد ہی ہو بلکہ مرکّب بھی ہوتی ہے جیسے نیک دل مرد۔ بدمزاج عورت۔

صفت موصوف کی پہچان یہ ہے کہ جس اسم کے ساتھ سوال میں کیسا۔ کیسے۔ کیسی لگ سکیں وہ موصوف ہے اور جو اس کے جواب میں واقع ہو وہ صفت ہے۔ جیسے مہربان اُستاد۔ جب پوچھیں کیسا اُستاد؟ تو جواب ہوگا مہربان۔ پس اُستاد موصوف ہے اور مہربان صفت۔ اسی طرح بڈھا آدمی۔ جب پوچھیں کیسا آدمی؟ تو جواب ہوگا بڈھا۔ پس آدمی موصوف ہے اور بڈھا صفت۔

بعض اوقات موصوف و صفت مشبّہ اور مشبّہ بہ ہوتے ہیں۔ جیسے چاند سا چہرہ یعنی چہرہ جو چاند کی مانند ہے۔

بعض ایسے اسم ہیں کہ بدون صفت تنہا استعمال نہیں کئے جاتے۔ جیسے بھلا مانس۔ اُردو میں مانس کا لفظ تنہا نہیں بولا جاتا۔ بھلا کے ساتھ بولا جاتا ہے اور بھلا مانس ہمیشہ صفت واقع ہوتا ہے۔

صفت کی تذکیر و تانیث اور وحدت و جمع موصوف کے مطابق ہوتی ہے۔ مگر جب صفت جمع مونث ہو تو صفت واحد مونث آتی ہے۔ جیسے اونچی دیواریں۔ اونچا محل۔ اونچے درجے۔ اونچی عمارت۔ لیکن جب موصوف کو حذف کرکے صرف صفت استعمال کرتے ہیں تو صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے **شعر**

کچھ جو سیدھی بھی بات کہتا ہوں		ٹیڑھیاں وہ مجھے سُناتا ہے	

اصل میں ٹیڑھی باتیں ہیں۔

کبھی موصوف مذکر کو محذوف کرکے صفت کو جمع لاتے ہیں۔ جیسے بُروں سے بچو اور نیکوں کی صحبت اختیار کرو۔ یعنی بُرے لوگوں سے بچو اور نیک لوگوں کی صحبت اختیار کرو۔

اگر کسی موصوف محذوف کی کئی صفتیں ہوں اور ان پر حروفِ عاطفہ واقع ہوں تو و اور وَن علامتِ جمع سب سے پچھلی صفت میں لگاتے ہیں اور پہلی تمام صفتوں کو واحد رہنے دیتے ہیں۔ جیسے سچے راستباز ایمان داروں سے خدا خوش ہوتا ہے۔ یوں نہیں کہتے کہ سچوں راستبازوں ایمان داروں سے خدا خوش ہوتا ہے۔

فائدہ۔ جس طرح فارسی مرکب اضافی اُردو میں مستعمل ہے، اسی طرح فارسی مرکب توصیفی بھی مستعمل ہے اور موصوف جو مقدم ہوتا ہے مضاف کی طرح مکسور ہوتا ہے اور اگر آخر میں الف یا واؤ یا ہ ہو تو اُس میں اُسی طرح تصرف کیا جاتا ہے جس طرح مرکب اضافی میں جیسے روئے خوب۔ خوئے نیک۔ قبائے ابریشیں۔ بندۂ آزاد۔

(۳) مرکبِ عددی

مرکبِ عددی دو عددوں سے بنتا ہے۔ جیسے اکیس۔ بائیس۔ ستائیس۔ اٹھائیس۔ پینتیس۔ چھتیس۔ اڑتالیس۔ اکاون۔ باون وغیرہ۔

اعداد مرکب میں کسی حرفِ مذکور[۱] کا ذریعہ درمیان نہیں ہوتا۔ بہت سے مرکب عددی ایسے ہیں کہ اُن کے اجزا جدا جدا نہیں ہو سکتے۔ یعنی اگر ان کو جدا جدا کیا جائے تو ہرگز معلوم نہ ہو کہ یہ اعداد کے لئے وضع کئے گئے ہیں۔ جیسے بائیس، اَنچاس وغیرہ۔ ایسے اسمائے اعداد کی نسبت یوں بھی کہا جا سکتا ہے کہ بہت سے اسمِ عدد ایسے ہیں کہ دو عددوں کے لئے موضوع ہوئے ہیں اور ظاہر میں مفرد معلوم ہوتے ہیں۔ جیسے گیارہ، بارہ۔ جو ایک اور دس اور دو اور دس کے لئے موضوع ہوئے ہیں اور مطلق مرکب معلوم نہیں ہوتے۔

(۴) مرکبِ عطفی یا معطوف بحرف

جب صرف کلمۂ واحد یا کلامِ ناقص یعنی مرکب اضافی و توصیفی وغیرہ کا عطف[۲] کلمۂ واحد یا کلامِ ناقص پر ہو تو وہ بھی مرکب ناقص اور کلام تام کا جز ہوتا ہے۔ جیسے زید اور عمرو۔ احمد کی کتاب اور حامد کا قلم۔ زید اور احمد کا بیٹا۔ احمد کا بھتیجا اور عمرو اس طرح کے عطف بعد عطف، خواہ کلام میں کتنے ہی ہوں مفید کلامِ تام نہیں ہوتے کیوں کہ ان میں اسناد نہیں ہے۔

(۵) مرکبِ ظرفی

جو مظروف و ظرف سے مرکب ہو۔ جیسے قلمدان۔ پاندان۔ باورچی خانہ۔ آتشکدہ۔

---

[۱] یہاں مذکور بمقابلہ مقدر یا محذوف ہے ۱۲ [۲] عطف اصطلاح میں دوسرے کو کسی بات میں پہلے کے ساتھ شریک ظاہر کرنے کو کہتے ہیں۔ پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے۔ دوسرا معطوف۔ مثلاً زید اور عمرو نے کھانا کھایا۔ اس فقرے میں یہ ظاہر کیا گیا ہے کہ زید کے ساتھ عمرو بھی کھانا کھانے میں شریک تھا تو زید معطوف علیہ ہے اور عمرو معطوف ۱۲

مرکب ظرفی کی بیشتر فارسی ترکیبیں اُردو میں مستعمل ہیں۔

(۶) مرکبِ امتزاجی

جب دو یا دو سے زیادہ لفظ مل کر ایک ہی اسم ہو جائیں تو ایسے مرکب کو امتزاجی کہتے ہیں۔ جیسے اعظم گڑھ، شاہ جہاں پور، محمد یوسف۔

(۷) بدل و مبدل منہ

جب دو لفظ کلام میں اس طرح استعمال کئے جائیں کہ ان میں سے ایک مقصود بالذات ہو اور دوسرے سے چنداں غرض نہ ہو تو جو مقصود بالذات ہوتا ہے اس کو بدل کہتے ہیں اور دوسرے کو مبدل منہ۔ مبدل منہ میں ایک طرح کا ابہام ہوتا ہے جس کی بدل توضیح کر دیتا ہے۔ عربی میں بدل مبدل منہ سے پیچھے آتا ہے۔ اسی لئے توابع میں شمار کیا گیا ہے یعنی مبدل منہ کے پہلے اور بدل کے پیچھے آنے کے سبب مبدل منہ متبوع اور بدل کو تابع[1] کہتے ہیں جیسے زید تمہارا بھائی آیا۔ یہاں زید مبدل منہ متبوع ہے اور تمہارا بھائی بدل تابع۔ مگر اُردو میں بدل پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے اکبر کا بیٹا اصغر عالم ہے۔ اس فقرے میں اصغر سے صاف طور پر نہیں معلوم ہوتا تھا کہ کون سا اصغر مُراد ہے۔ اس لئے اکبر کا بیٹا کہنے کی ضرورت ہوئی یہاں اصغر سے کوئی اور اصغر مراد نہیں، بلکہ وہ اصغر مراد ہے جو اکبر کا بیٹا ہے۔ پس اکبر بیٹا جو مقصود بالذات ہے بدل ہے اور اصغر مبدل منہ۔

عربی میں بدل کی چار قسمیں ہیں۔ بدل الکل۔ بدل البعض۔ بدل الاشتمال۔ بدل الغلط۔

---

[1] تابع کے معنی ہیں کسی کے پیچھے چلنے والا۔ اصطلاح میں تابع اس لفظ کو کہتے ہیں جو کسی کلمہ کے پیچھے آتا ہے اور جو حالت و کیفیت پہلے کلمہ کی ہوتی ہے وہی اس پچھلے کلمہ کی ہوتی ہے۔ پہلے کلمہ کو متبوع کہتے ہیں اور پچھلے کو تابع۔ عربی میں اس کی پانچ قسمیں ہیں۔ نعت یعنی صفت۔ معطوف بحرف۔ تاکید۔ بدل۔ عطف بیان۔

اُردو میں صرف دو طرح کا بدل آتا ہے - ایک بدل الکل اور زیادہ تر یہی آتا ہے - دوسرے بدل الغلط - یہ بہت کم آتا ہے - بدل الکل کی مثالیں اوپر بیان ہو چکی ہیں - بدل الغلط کے معنی ہیں غلط سے بدل اور یہ اس وقت بولا جاتا ہے جب پہلے کوئی غلط لفظ مُنہ سے نکل جائے پھر اُس کے ساتھ صحیح لفظ بول دیا جائے تو صحیح لفظ بدل الغلط ہوگا اور غلط لفظ مبدل منہ -

بدل البعض اور بدل الاشتمال چونکہ اُردو میں نہیں آتے اس لئے اُن کے بیان کرنے کی ضرورت نہیں بعض اہلِ قواعد نے اُردو میں یہ دونوں بدل بھی بہ تکلف پیدا کئے ہیں مگر وہ عربی کی تقلید کرتے ہوئے محاورات اُردو سے بہت دُور جا پڑے ہیں -

(۸) عطفِ بیان

جب دو اسم کلام میں اس طرح بولے جائیں کہ دوسرا اسم پہلے کی توضیح مزید کرے تو اُس کو عطفِ بیان کہتے ہیں - یہ ضرور نہیں کہ عطفِ بیان اپنے مبیّن[۱] سے زیادہ واضح و مشہور ہو بلکہ دونوں مِل کر وضاحتِ کامل پیدا کر دیتے ہیں - یہی سبب ہے کہ مبیّن اور عطفِ بیان میں دونوں اسم مقصود بالذات ہوتے ہیں - بخلاف بدل اور مبدل منہ کے کہ ان میں سے صرف بدل مقصود بالذات ہوتا ہے -

عطفِ بیان کئی طرح سے مبیّن کی توضیح کرتا ہے - کبھی عَلَم سے - کبھی تخلص سے - کبھی خطاب سے - کبھی لقب سے - کبھی عرف سے - کبھی عہدے سے - کبھی پیشے سے - کبھی نسبت سے - جیسے نواب محسن الملک مولوی مہدی علی - یہاں نام نے خطاب کو زیادہ واضح کر دیا ہے - پس نواب محسن الملک مبیّن ہے اور مولوی مہدی علی عطفِ بیان - اسی طرح منشی امیر احمد امیر - سر سید احمد خاں ایل ایل ڈی - کے، سی، ایس، آئی - موسیٰ کلیم اللہ - غلام نبی بنیا - مفتی صدرالدین خاں صدر الصدور - منصور حلاج - سعدیؒ شیرازی -

---

[۱] عطفِ بیان جس اسم کی توضیح مزید کرے اُس کو مبیّن کہتے ہیں ۱۲

(۹) تابع مہمل

مہمل کے معنی بے معنی کے ہیں۔ جیسا کہ اس کتاب کے حصۂ اوّل کے آغاز میں لکھا گیا ہے اُردو میں بہت سے لفظوں کے ساتھ ایک زائد لفظ بولا جاتا ہے جو بے معنی ہوتا ہے۔ ایسے لفظ کو تابع مہمل کہتے ہیں۔ جیسے سچ مچ۔ جھوٹ موٹ میل کچیل۔ سودا سلف۔ غلط سلط۔ دانہ دُنکا۔ پوچھ گچھ۔ اکڑ تکڑ۔ بچا کھچا۔ طعنے مہنے۔ ان الفاظ میں۔ مچ۔ موٹ کچیل۔ سلف۔ سلط۔ دُنکا۔ گچھ۔ تکڑ۔ مہنے۔ تابع مہمل ہیں۔

تابع مہمل اکثر لفظ کے پہلے حرف کو واؤ سے بدل کر بولا جاتا ہے۔ جیسے کان وان۔ روٹی ووٹی۔ پانی وانی۔

تابع مہمل جس لفظ کے بعد آتا ہے اُس کو متبوع کہتے ہیں۔

(۱۰) تابع موضوع

جس طرح بے معنی الفاظ بامعنی لفظوں کے ساتھ زائد بولے جاتے ہیں اسی طرح بامعنی الفاظ بھی اُردو میں دوسرے الفاظ کے ساتھ زائد بولے جاتے ہیں اور کچھ معنی نہیں دیتے جیسے رونا دھونا۔ کرنا کرانا۔ اصل وصل۔ چال ڈھال۔ ان میں دھونا۔ کرانا۔ وصل۔ ڈھال سب بامعنی الفاظ ہیں۔ مگر دوسرے لفظوں کے ساتھ مل کر اپنے معنی نہیں دیتے۔ ایسے الفاظ کو ہم تابع موضوع کہتے ہیں۔

محاورے میں کبھی تابع متبوع سے پہلے بھی آجاتا ہے۔ جیسے رگڑا جھگڑا۔ یہاں جھگڑا متبوع ہے اور رگڑا تابع مگر تابع مقدم ہے اور متبوع موخر۔

(۱۱) تاکید و موکد

تاکید سے کلام پُر زور ہو جاتا ہے۔

تاکید اسم کی بھی آتی ہے اور فعل کی بھی۔ یہاں مقصود اُس تاکید سے ہے جس کا موکد[۱] اسم ہو۔

تاکید دو طرح سے آتی ہے۔ ایک تو سب۔ سب کے سب۔ سبھی۔ تمام۔ کل۔ کُلّہم۔ سراسر۔ سراپا۔ سرتاپا۔ سربسر۔ بھر۔ اسمائے اعداد جو استغراق کے لئے آتے ہیں (یعنی جن کے آخر واؤ نون آتا ہے) ہو بہو۔ بعینہٖ۔ آپ۔ خود وغیرہ الفاظ سے۔ دوسرے تکرار لفظ سے جیسے چور چور۔ سانپ سانپ۔ ہاں ہاں۔ چپکے چپکے۔ آہستہ آہستہ۔

سب مرد۔ کل عورتیں۔ عمر بھر۔ گھر بھر۔ ان میں مرد اور عورتیں اور عمر اور گھر موکد ہیں اور سب اور کل اور بھر تاکید۔ **بیت**

جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر		تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر	

تاکید کا بیان مزید حروفِ تاکید میں لکھا جائے گا۔

(۱۲) تمیز و ممیّز اور عدد و معدود

جو لفظ یا الفاظ کسی اسم مفرد یا جملے سے شک وابہام کو دور کریں اُن کو تمیز یا ممیز کہتے ہیں اور جس سے دور کریں اُس کو ممیز یا مبہم۔ جیسے پانچ گھوڑے۔ آٹھ من چاول۔ یہاں گھوڑے اور چاول تمیز یا ممیز ہیں۔ جو پانچ یا آٹھ من سے رفع ابہام کرتے ہیں کیوں کہ پانچ اور آٹھ من سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سی چیز پانچ آٹھ من ہے گھوڑے اور چاول کے کہنے سے اُس کی صراحت ہو گئی۔

زید بکر سے علم میں فائق ہے۔ ظاہر ہے کہ فائق ہونے کی بہت سی باتیں ہیں عقل۔ حسن۔ لیاقت۔ ہمت۔ شجاعت۔ دولت۔ علم وغیرہ۔ اگر صرف زید بکر سے فائق کیا جاتا تو ابہام رہتا کہ کس چیز میں فائق ہے۔ علم میں کہنے سے یہ ابہام جاتا رہا۔

[۱] موکد وہ لفظ جس کی تاکید کی جائے۔

جو تمیز اُن الفاظ سے ابہام کو دُور کرتی ہے جو شمار اور ناپ تول یعنی عدد یا وزن یا پیمانے یا گز گت یا مسافت کے لئے آتے ہیں اس کو معدود کہتے ہیں اور ممیز کو عدد جیسے نقدے روپے۔ دو سیر مکھن۔ چار شیشی عطر۔ دس گز ململ۔ سو کوس رستہ۔

فائدہ۔ جو الفاظ عموم و شمول کے لئے آتے ہیں اُن سے بھی تمیز رفعِ ابہام کرتی ہے جیسے تمام عمر۔ سب لوگ۔ کتنی ہی تلواریں۔

فائدہ۔ جب ممیز یا عدد کثرت کے معنے دیتا ہے تو تمیز یا معدود کا لانا ضرور نہیں ہوتا جیسے "کتنا سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا" مصرع

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

(۱۳) اسم فاعل ترکیبی
(۱۴) اسم مفعول ترکیبی
(۱۵) اسم صفت ترکیبی

یہ تینوں قسم کے مرکب بھی کلام غیر تام ہیں اور ان کا مفصل حال علم صرف میں بیان ہو چکا۔

(۱۶) اسم تکبیر۔ جو مرکب ہو
(۱۷) اسم مبالغہ
(۱۸) اسم تفضیل

یہ سب مرکب بھی مرکب ناقص ہیں اور جزوِ جملہ ہوتے ہیں۔

(۱۹) اشارہ اور مشارٌ الیہ

اسم اشارہ اپنے مشارٌ الیہ کے ساتھ مل کر کلام تام نہیں ہوتا۔ جیسے یہ آم نہایت شیریں ہے۔ یہاں یہ اور آم دونوں کلامِ غیر تام ہیں۔

مرکب ناقص کا بیان تمام ہوا۔ اب مرکب تام کا حال سنو:۔

تاکید اسم کی بھی آتی ہے اور فعل کی بھی۔ یہاں مقصود اُس تاکید سے ہے جس کا موکد[۵۱] اسم ہو۔

تاکید دو طرح سے آتی ہے۔ ایک تو سب۔ سب کے سب۔ سبھی۔ تمام۔ کل۔ کلہم۔ سراسر۔ سراپا۔ سرتاپا۔ سربسر۔ بھر۔ اسمائے اعداد جو استغراق کے لئے آتے ہیں (یعنی جن کے آخر واؤ نون آتا ہے) ہو بہو۔ بعینہٖ۔ آپ۔ خود وغیرہ الفاظ سے۔ دوسرے تکرار لفظ سے جیسے چور چور۔ سانپ سانپ۔ ہاں ہاں۔ چپکے چپکے۔ آہستہ آہستہ۔

سب مرد۔ کل عورتیں۔ عمر بھر۔ گھر بھر۔ ان میں مرد اور عورتیں اور عمر اور گھر موکد ہیں اور سب اور کل اور بھر تاکید۔ **بیت**

جہالت نہیں چھوڑتی ساتھ دم بھر	تعصب نہیں بڑھنے دیتا قدم بھر

تاکید کا بیان مزید حروفِ تاکید میں لکھا جائے گا۔

(۱۲) تمیز و ممیّز اور عدد و معدود

جو لفظ یا الفاظ کسی اسم مفرد یا جملے سے شک وابہام کو دور کریں اُن کو تمیز یا ممیز کہتے ہیں اور جس سے دور کریں اُس کو ممیز یا مبہم۔ جیسے پانچ گھوڑے۔ آٹھ من چاول۔ یہاں گھوڑے اور چاول تمیز یا ممیز ہیں۔ جو پانچ یا آٹھ من سے رفعِ ابہام کرتے ہیں کیوں کہ پانچ اور آٹھ من سے معلوم نہیں ہوتا تھا کہ کون سی چیز پانچ آٹھ من ہے گھوڑے اور چاول کے کہنے سے اُس کی صراحت ہو گئی۔

زید بکر سے علم میں فائق ہے۔ ظاہر ہے کہ فائق ہونے کی بہت سی باتیں ہیں عقل۔ حسن۔ لیاقت۔ ہمت۔ شجاعت۔ دولت۔ علم وغیرہ۔ اگر صرف زید بکر سے فائق کہا جاتا تو ابہام رہتا کہ کس چیز میں فائق ہے۔ علم میں کہنے سے یہ ابہام جاتا رہا۔

[۵۱] موکد وہ لفظ جس کی تاکید کی جائے۔

جو تمیز اُن الفاظ سے ابہام کو دُور کرتی ہے جو شمار اور ناپ تول یعنی عدد یا وزن یا پیمانے یا گز گت یا مسافت کے لئے آتے ہیں اس کو معدود کہتے ہیں اور ممیز کو عدد جیسے نوّے روپے دو سیر مکھن۔ چار شیشی عطر۔ دس گز ململ۔ سو کوس رستہ۔

فائدہ۔ جو الفاظ عموم و شمول کے لئے آتے ہیں اُن سے بھی تمیز رفعِ ابہام کرتی ہے جیسے تمام عمر۔ سب لوگ۔ کتنی ہی تلواریں۔

فائدہ۔ جب ممیز یا عدد کثرت کے معنے دیتا ہے تو تمیز یا معدود کا لانا ضرور نہیں ہوتا جیسے "کتنا سمجھایا مگر کچھ اثر نہ ہوا" مصرع

لاکھ طوطے کو پڑھایا پر وہ حیواں ہی رہا

(۱۳) اسم فاعل ترکیبی

(۱۴) اسم مفعول ترکیبی

(۱۵) اسم صفت ترکیبی

یہ تینوں قسم کے مرکب بھی کلامِ غیر تام ہیں اور ان کا مفصل حال علم صرف میں بیان ہو چکا۔

(۱۶) اسم مکبّر۔ جو مرکب ہو

(۱۷) اسم مبالغہ

(۱۸) اسم تفضیل

یہ سب مرکب بھی مرکب ناقص ہیں اور جزوِ جملہ ہوتے ہیں۔

(۱۹) اشارہ اور مشارٌ الیہ

اسم اشارہ اپنے مشارٌ الیہ کے ساتھ مل کر کلام تام نہیں ہوتا۔ جیسے یہ آم نہایت شیریں ہے۔ یہاں یہ اور آم دونوں کلامِ غیر تام ہیں۔

مرکب ناقص کا بیان تمام ہوا۔ اب مرکب تام کا حال سنو:۔

مُرکّب تام

یا کلامِ تام یا مرکب مفید یا جملہ

مُرکّب تام وہی کلام تام ہے جس کی تعریف پہلے گزر چکی اور جس کو مرکب مفید اور جملہ بھی کہتے ہیں۔

جملہ کم سے کم دو لفظوں سے مرکب ہوتا ہے۔ جہاں صرف ایک لفظ دیکھو وہاں دوسرے کو محذوف سمجھو۔ جیسے آؤ۔ جاؤ۔ کھاؤ۔ پیو۔ پڑھو۔ لکھو۔ یہ اگرچہ ایک لفظ ہیں مگر لفظ تم جو ان کا فاعل ہے اور جس کے بغیر فعل وقوع میں نہیں آسکتا محذوف ہے۔ اصل میں ہے تم آؤ۔ تم جاؤ۔ تم کھاؤ۔ تم پیو۔ تم پڑھو۔ تم لکھو۔

جملے کی قسمیں | جملہ دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس کو سچا یا جھوٹا کہہ سکیں اور اُس کو جملۂ خبریہ کہتے ہیں۔ دوسرے وہ جس کو سچا یا جھوٹا نہ کہہ سکیں۔ اس کا نام جملۂ انشائیہ ہے اور اس کی بارہ قسمیں ہیں۔

جملۂ انشائیہ کی قسمیں

(۱) امر۔ جیسے آؤ۔

(۲) نہی۔ جیسے مت کرو۔

(۳) استفہام۔ **مومن**

شعلہ ہائے تپ دل آگ لگاتے کیوں ہو	گر ہو دلسوز مرے مجھ کو جلاتے کیوں ہو؟

(۴) تعجب **حالی**

شیخ اللہ رے تیری عیاری	کس توجہ سے پڑھ رہا ہے نماز؟

(۵) تحسین۔ **ذوق**

نہ اک آہ کی زخم سو سو اٹھائے	تجھے آفریں ذوق صد آفریں ہے

(۶) انبساط۔ شعر

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہَوا	مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صَبا

(۷) ندا۔ غالب

دلِ ناداں تجھے ہوا کیا ہے	آخر اس درد کی دوا کیا ہے

(۸) ندبہ و تاسف۔ انیس

مٹی میں مل گیا یہ چمن وا مصیبتا	ان گوری گردنوں میں رَسَن وا مصیبتا

محزون

نہ تو نامہ ہی نہ پیغام زبانی بھیجا	حیف محزوں تجھے یارانِ وطن بھول گئے

مصرع

اُٹھ گئی دُنیا سے رسمِ دوستداری ہائے ہائے

(۹) قسم۔ شعر

جو آپ در سے اُٹھا نہ دیتے کہیں نہ کرتا میں جبہ سائی	اگرچہ یہ سرنوشت میں تھا تمھارے سر کی قسم نہ ہوتا

(۱۰) عرض۔ جیسے "کھیل کود میں وقت ضائع کرنا اچھا نہیں"

(۱۱) تمنا۔ غالب

میں بھی مُنہ میں زبان رکھتا ہوں	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

(۱۲) تنبیہ "خبردار پھر ایسی حرکت نہ کرنا"

جملۂ خبریہ کی قسمیں | جملۂ خبریہ دو طرح کا ہوتا ہے فعلیہ اور اسمیہ۔ جملۂ انشائیہ اکثر فعلیہ ہوتا ہے اور کبھی اسمیہ جیسا کہ مثالہائے مذکورہ سے معلوم ہوا۔

اب جملۂ فعلیہ اور جملۂ اسمیہ کا مفصل حال سُنو۔ مگر پہلے ہم جملۂ اسمیہ کا حال لکھتے ہیں۔

جملۂ اسمیہ

کوئی سا جملہ ہو اس کے اجزا میں ایک ایسا علاقہ ہوتا ہے جو کلام کو پورا کر دیتا ہے یعنی

سننے والا اس سے فائدۂ تام حاصل کرتا ہے اور بیانِ مزید کا منتظر نہیں رہتا۔ ایسے علاقہ کا نام اسناد ہے اور جس چیز کا علاقہ ہوتا ہے اُسے مسند اور جس چیز سے علاقہ ہوتا ہے اُسے مسند الیہ کہتے ہیں۔

مسند الیہ ہمیشہ اسم ہوتا ہے اور مسند اسم بھی ہوتا ہے۔ مگر دونوں میں سے کوئی حرف کبھی نہیں ہوتا اس لئے کہ حروف میں مسند الیہ یا مسند ہونے کی صلاحیت ہی نہیں جس جملہ میں مسند الیہ اور مسند دونوں اسم ہوں وہ جملہ اسمیہ ہے۔

اسم اور خبر

عربی میں جملۂ اسمیہ دو طرح کا ہوتا ہے۔ ایک وہ جس میں فعل مطلق نہیں ہوتا اور وہ کم سے کم دو اسموں کا ہوتا ہے۔ جیسے زیدٌ قائمٌ (زید کھڑا ہے) دوسرے وہ جس میں فعل تو ہوتا ہے مگر فعل ناقص۔ جیسے کان زیدٌ قائمًا (زید کھڑا تھا) پہلی قسم کے جملہ میں وہ مسند الیہ کو مبتدا کہتے ہیں اور مسند کو خبر اور دوسری قسم کے جملہ میں مسند الیہ کو اسم اور مسند کو خبر مگر فارسی اور اُردو میں پہلی طرح کا جملہ نہیں ہوتا۔ یعنی صرف دو اسموں سے جملہ نہیں بنتا۔ فارسی میں جملۂ اسمیہ میں مسند الیہ اور مسند کے علاوہ ایک لفظ است یا ہست ضرور ہوتا ہے۔ مذکور ہو یا محذوف جیسے حامد عالم ست۔ منّت خدائے عزّ وجل۔ پہلے فقرہ میں است مذکور ہے۔ دوسرے میں محذوف۔ اسی طرح اُردو میں ہے ضرور ہوتا ہے۔ مذکور ہو یا محذوف جیسے زید دانا ہے۔

نہ معاصی میں تلخیٔ خجلت		نہ عبادت میں چاشنیٔ حضور	

اِن مثالوں میں تم نے دیکھ لیا کہ جہاں عربی میں فقط دو لفظوں سے کام چلا تھا وہاں فارسی اُردو میں تین سے کام چلا ہے۔ فارسی اور اُردو کے عام نحویوں نے نُحاۃِ عربی کی تقلید سے ایسے جملوں میں مسند الیہ کو مبتدا اور مسند کو خبر کہا ہے اور است یا ہست

یا ہے کو حرفِ ربط قرار دیا ہے۔ مگر ہمارے نزدیک یہ حروفِ ربط نہیں ہیں فعل ہیں است کو تو فارسی کے بعض محققوں نے ہستن کی ماضی لکھا ہے اور ماضی ہے تو فعل ہے۔ ہے بیشک کسی سے مشتق نہیں۔ اسی لئے ہم نے اس کو اسم فعل لکھا ہے۔ مگر جس طرح ہے مشتق نہیں ہے اُسی طرح تھا بھی مشتق نہیں۔ لیکن تھا کو اہلِ قواعد فعلِ ناقص کہتے ہیں۔ حرفِ ربط نہیں کہتے۔ اس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ تھا عربی کے فعلِ ماضی کان کا ترجمہ ہے جو فعلِ ناقص ہے حالانکہ اُردو میں تھا اور ہے میں غیر مشتق ہونے کے اعتبار سے کچھ بھی فرق نہیں۔ اس بیان کو ہم کسی قدر تفصیل کے ساتھ افعالِ ناقصہ کی بحث میں لکھیں گے۔ جہاں ہے کو فعل ناقص ثابت کریں گے۔

اب یہ بحث رہی کہ ہے کے مسند الیہ کو مبتدا کہیں یا اسم، سو یہ بات بیان کر دینی ضروری ہے کہ عربی کے اہلِ قواعد مبتدا کو اس لئے مبتدا کہتے ہیں کہ وہ جملۂ اسمیہ کے شروع میں آتا ہے۔ اگر جملۂ فعلیہ میں فاعل بھی پہلے آتا تو مبتدا کو مبتدا کہنے کی کوئی وجہ نہ تھی مگر اُردو میں تو فاعل بھی پہلے آتا ہے اور جملۂ اسمیہ میں مسند الیہ کے مبتدا ہونے کی کچھ خصوصیت نہیں۔ اس لئے اُردو میں مسند الیہ کو صرف اس لحاظ سے کہ جملے کے آغاز میں آتا ہے مبتدا کہنے میں ہم کو تامل ہے اور ہمارے نزدیک اس کو اسم کہنا مناسب و زیبا ہے۔

پس ہم اس کو دوسرے افعالِ ناقصہ کے مسند الیہوں کی طرح اسم ہی کہیں گے۔ اب اسم اور خبر کے متعلق چند ضروری باتیں سنو۔

اسم ہمیشہ ایسا ہونا چاہیئے جس میں کچھ خصوصیت ہو۔ عام اس سے کہ معرفہ ہو یا نکرہ اور ضرور ہے کہ خبر کی نسبت خاص ہو۔ صورت ہائے مندرجۂ ذیل میں اُس کی تفصیل دیکھو۔

(۱) ایک جملے میں دو اسم ذات ہوں تو اُن میں سے معرفہ اسم ہوتا ہے اور نکرہ خبر۔ جیسے زید انسان ہے۔ ہے فعل ناقص۔ زید اسم۔ انسان خبر۔

(۲) ایک اسم ذات اور ایک اسم صفت ہو تو اسم ذات کو اسم کہیں گے اور اسم صفت کو خبر۔ جیسے زمین گول ہے۔ میر انیس

دولت کوئی دنیا میں پسر سے نہیں بہتر | راحت کوئی آرام جگر سے نہیں بہتر
لذت کوئی پاکیزہ ثمر سے نہیں بہتر | نکہت کوئی بوئے گل تر سے نہیں بہتر

صدموں میں علاجِ دلِ مجروح یہی ہے
ریحاں ہے یہی راح یہی روح یہی ہے

اس بند کے پہلے چار مصرعوں میں دولت اور راحت اور لذت اور نکہت اسم ہیں اور بہتر خبر۔

(۳) دو اسم ذات ہوں جن میں سے ایک صفت کے معنی دے تو جو صفت کے معنے دے گا خبر ہوگا۔ جیسے ایک شاعر ایک چٹیل میدان کی تعریف میں کہتا ہے۔ **بیت**

سائے کو پتا نہ تھا شجر کا | عنقا ہے نام جانور کا

یہاں عنقا جو معرفہ ہے اور ایسے جانور کا نام ہے جسے معدوم مانا ہوا ہے صفت کے معنی دیتا ہے یعنی معدوم و ناپید اس لئے خبر ہے اور جانور کا نام۔ اسم۔ صفی معنی ملحوظ نہ ہوں تو عنقا اسم ہوگا اور جانور کا نام خبر۔

(۴) ایک ہی جملے میں ایک لفظ مکرر واقع ہو کر ایک جگہ اسم ذات اور دوسری جگہ اسم صفت کے معنی دے تو پہلے کو اسم کہیں گے اور دوسرے کو خبر۔ جیسے **ناسخ**

آدمی آدمی ہے اور ہے حیواں حیواں | تری رفتار جُدا کبک کی رفتار جُدا

(۵) دونوں اسم صفت ہوں تو حسب اقتضائے مقام جس میں زیادہ خصوصیت ہو وہ اسم ہوگا۔ مثلاً رنگوں کا ذکر ہو کہ سب میں پسندیدہ کون سا رنگ ہے۔ سفید یا سیاہ یا سبز یا سرخ وغیرہ تو کوئی کہے کہ سفید سب میں پسندیدہ ہے یعنی سفید رنگ۔ دیکھو یہاں سفید خاص ہے اور اسم اور پسندیدہ عام ہے اور خبر۔

(۶) دو معرفے ہوں تو پہلا اسم ہوتا ہے اور دوسرا خبر۔ جیسے شہنشاہ جارج ششم انگلستان اور ہندوستان کے بادشاہ ہیں۔

(۷) دونوں نکرے ہوں تو جو زیادہ خاص ہو وہ اسم ہوگا۔ جیسے گائے چوپایہ ہے۔

(۸) دونوں مشبّہ اور مشبّہ بہ ہوں تو مشبّہ اسم ہوگا۔ جیسے **غالب**

رزم کی داستاں اگر سنیے	ہے زباں میری تیغ جوہردار
بزم کا التزام اگر کیجے	ہے قلم میرا ابرِ گوہر بار

پہلے شعر میں زباں میری جو مشبّہ ہے (بہ ترکیب اضافی ہے) اسم ہے۔ تیغ جوہردار جو مشبّہ بہ ہے (بہ ترکیب توصیفی) خبر۔ اسی طرح شعر ثانی کے دوسرے مصرع میں قلم میرا اسم اور ابرِ گوہر بار خبر ہے۔

(۹) ایک زبان کے لفظ کو دوسری زبان میں ترجمہ کریں تو جس لفظ کا ترجمہ کیا جائے وہ اسم ہوگا اور جو ترجمہ ہو وہ خبر ہے۔ **نصابِ خسرو**

نمک لج ہے ذن شیریں ہے میٹھا	ہندی زباں بدمزہ ہست سیٹھا
درعہ گز میزاں ترازو وزن تول	ہے وجب بالشت ہندی دوڈول

آتش آگ آب ہے پانی

(۱۰) اسم عموماً پہلے آتا ہے اور پہلے ہی آنا چاہئے۔ مگر کبھی خبر مقدم ہو جاتی ہے۔ جیسے **حالی**

چشمۂ زندگی ہے ذکرِ جمیل	خضر و آبِ بقا سے کیا مطلب

یہاں ذکرِ جمیل اسم ہے اور چشمۂ زندگی خبر۔ نہ بالعکس

مسدّس مدّ و جزرِ اسلام

غنیمت ہے صحت علالت سے پہلے	فراغت مشاغل کی کثرت سے پہلے
جوانی بڑھاپے کی زحمت سے پہلے	اقامت مسافر کی رحلت سے پہلے

فقیری سے پہلے غنیمت ہے دولت
جو کرنا ہے کر لو کہ تھوڑی ہے مہلت

اس بند میں صحت اور فراغت اور جوانی اور اقامت اور دولت اسم مؤخر ہیں اور غنیمت خبر مقدم

(۱۱) کبھی خبر مقدم ہو کر افادہ تخصیص کرتی ہے۔ مثلاً اگر یوں کہا جائے کہ ناصر عقلمند ہے تو اُس سے اتنا ہی معلوم ہوتا ہے کہ قائل ناصر کی ایک صفتِ عقلمندی کا اظہار کرتا ہے نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس میں اور وصف ہیں یا نہیں نہ یہ معلوم ہوتا ہے کہ عقلمندی کا وصف اُس میں کس درجے کا ہے لیکن اگر اس طرح کہا جائے کہ عقلمند تو ناصر ہے تو قائل کی اس سے یہ مُراد ہوتی ہے کہ ناصر سب سے بڑا عقلمند ہے اور جہاں وہ رہتا ہے وہاں اُس جیسا اور کوئی عقلمند نہیں۔

(۱۲) اسم اور خبر مفرد اور مُرکب دونوں طرح کے ہوتے ہیں۔ جیسے میرا بھائی دانا ہے۔ زید عمرو کا بیٹا ہے۔ **شعر**

عشرت کا ثمر تلخ سدا ہوتا ہے
ہر قہقہہ پیغامِ بُکا ہوتا ہے

(۱۳) کبھی ایک اسم کئی خبروں کا مالک ہوتا ہے۔ جیسے خدا علیم ہے۔ حکیم ہے۔ حاضر ہے۔ ناظر ہے۔ خالق ہے۔ رازق ہے۔

(۱۴) کبھی دو اسم اور دو خبریں۔ بہ ترتیب لف و نشر اسم اور خبر ہوتے ہیں۔ یعنی پہلے اسم کی پہلی خبر ہوتی ہے اور دوسرے کی دوسری۔ جیسے ہادی اور مہدی اُستاد و شاگرد ہیں یعنی ہادی اُستاد ہے اور مہدی شاگرد۔ مگر یاد رکھو کہ ایسے اسم اور خبریں معطوف علیہ اور معطوف ہو کر ایک کلمے کا حکم رکھتے ہیں۔ جیسے ہادی اور مہدی معطوف علیہ اور معطوف ہو کر مبتدا ہیں اور اسی ترکیب سے اُستاد و شاگرد خبر۔

(۱۵) کبھی اسم حذف ہو جاتا ہے۔ **ذوق**

بُلبُل ہوں صحنِ باغ سے دُور اور شکستہ پر		پروانہ ہوں چراغ سے دُور اور شکستہ پر	

یعنی میں۔

(۱۶) کبھی خبر حذف ہو جاتی ہے۔ مثلاً پوچھا جائے کہ خلاقِ عالم کون ہے۔ جواب دینے والا کہے۔ خدا۔ یا جیسے حامد یہاں نہیں ہے۔ یعنی موجود نہیں ہے۔

(۱۷) کبھی ہے (فعل ناقص) حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے **شعر**

رنگِ عشرت باغِ عالم میں نظر آتا نہیں		گُل کو گلچیں کا خطر بُلبُل کو غم صیاد کا	

دوسرے مصرع میں ہے دو جگہ محذوف ہے۔ اصل میں یوں ہے کہ گُل کو گلچیں کا خطر ہے اور بُلبُل کو صیاد کا غم ہے۔

(۱۸) کبھی اسم اور خبر دونوں حذف ہو جاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے تمھارے پاس قلم ہے؟ مخاطب کہے۔ ہے۔

(۱۹) کبھی اسم اور خبر اور ہے تینوں حذف ہو جاتے ہیں۔ مثلاً کوئی مسافر کسی شہر میں وارد ہوتا ہے تو پوچھتا ہے یہاں کوئی سرائے ہے؟ جواب دینے والا کہتا ہے۔ ہاں۔

(۲۰) وحدت و جمع میں اسم و خبر کا حال موصوف و صفت کی طرح ہے یعنی اسم واحد ہوتا ہے تو خبر بھی واحد ہوتی ہے اور جمع ہوتا ہے تو جمع، مگر جب جمع اسم مؤنث ہو تو خبر واحد مؤنث آتی ہے۔ جیسے لڑکا پڑھا ہوا ہے۔ لڑکے پڑھے ہوئے ہیں۔ لڑکی پڑھی ہوئی ہے۔ لڑکیاں پڑھی ہوئی ہیں۔

(۲۱) ہے کلام میں اسم اور خبر دونوں کے پیچھے آتا ہے۔ مگر نظم میں اس کی پابندی نہیں جیسے

برق

ضروری ہے دریا دلی بہرِ نام		کبھی ناؤ خشکی میں چلتی نہیں	

یہ نہیں سمجھنا چاہیے کہ ہے کا اسم مبتدا نہیں رہا تو اُردو میں مبتدا کوئی خبر ہی نہیں موصول وصلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں۔ جیسا کہ تم آگے دیکھو گے۔ اس کے علاوہ اور کلمات بھی ترکیب میں مبتدا واقع ہوتے ہیں۔ مثلاً **بیت**

فقیہ اور جاہل ضعیف اور توانا		تاسّف کے قابل ہے احوال سب کا	

اِس بیت میں پہلا مصرعہ بہ ترکیبِ عطفی مبتدا ہے اور دوسرا خبر۔ ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ افعالِ ناقصہ کا حال بھی اسم اور خبر کے ساتھ ہی لکھدیں۔

افعالِ ناقصہ

اس کتاب کے حصّہ اوّل میں بیان ہو چکا ہے کہ افعالِ ناقصہ میں جب تک فاعل کے علاوہ کوئی اور اسم ان کے ساتھ نہ ملے کلام سے مطلب حاصل نہیں ہوتا۔ یوں سمجھو کہ افعالِ ناقصہ میں دو اسم درکار ہوتے ہیں ایک کو اسم کہتے ہیں۔ دوسرے کو خبر۔ اسم مسندالیہ ہوتا ہے اور خبر مسند اور فعل ناقص اسم خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوتا ہے۔ تم کو یاد ہو گا ہم نے ہونا۔ بننا۔ پڑنا۔ رہنا۔ نکلنا (یعنی ظاہر ہونا) لگنا۔ ہو جانا۔ بن جانا اور ان کے ہم معنی مصادر کے مشتقات اور تمام اسم فعلوں یعنی ہے کے تینوں اور تھا کے چاروں صیغوں اور سہی کو افعال ناقصہ لکھا ہے۔ اُردو کے قواعد کی مروّجہ کتابوں میں سہی کا تو کہیں ذکر ہی نہیں۔ البتہ ہے کو حرفِ ربط لکھا ہے لیکن اگر ہے حرفِ ربط ہے تو تھا حرفِ ربط کیوں نہیں۔ حالانکہ اس کو کوئی بھی حرفِ ربط نہیں کہتا اور ہے اور تھا میں اس کے سوا کچھ فرق نہیں کہ ہے میں بالفعل کا زمانہ پایا جاتا ہے۔ تھا میں گزرا ہوا۔

جو لوگ ہے کو حرفِ ربط قرار دیتے ہیں وہ محمود عالم ہے میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کہتے ہیں، مگر پوچھتے ہیں کہ "محمود عالم تھا" میں محمود کو مبتدا اور عالم کو خبر کیوں نہیں کہتے۔ ہم حیران ہیں کہ اگر ہے کو حرفِ ربط لکھیں تو ہے اور تھا میں مابہ الامتیاز کیوں قرار دیں۔

عربی میں کہتے ہیں زَیدٌ قَائِمٌ یہ دو لفظ ہیں اور دونوں ایک جملہ ہیں۔ زید کو تم جانتے ہو کہ ایک فرضی یا اصلی نام ہے۔ قائم کے معنی ہیں کھڑا۔ اہلِ عرب ترکیب میں زید کو مبتدا کہتے ہیں اور قائم کو خبر۔ وہ اس جملہ میں ایک مخفی اسناد یعنی نسبت مانتے ہیں جو زید اور قائم میں تعلق پیدا کرتی ہے۔ اس لیے وہ زید کو مسندالیہ کہتے ہیں اور قائم کو مسند مگر اُردو میں "زید کھڑا" کوئی جملہ نہیں۔ زید کھڑا ہے جملہ ہے اور جو چیز زید اور کھڑا کو ملاتی ہے وہ ہے ہے۔ بعینہٖ اسی طرح جس طرح عرب کے کَانَ زَیدٌ قَائِمًا میں کَانَ زَید اور قائم کو ملاتا ہے۔ اہلِ عرب

جب زید کا زمانۂ حال میں کھڑا ہونا بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں زَیدٌ قائم اور جب گزشتہ زمانہ میں بیان کرتے ہیں تو کہتے ہیں کَانَ زَیدٌ قائماً یعنی زید کھڑا تھا۔ کَانَ زَیدٌ قائماً میں تین لفظ ہیں جن میں کَانَ فعل ہے۔ عربی زبان میں دونوں جملوں زَیدٌ قائمٌ اور کَانَ زَیدٌ قائماً میں بہت فرق ہے ہماری زبان میں کچھ فرق نہیں۔ ہم اپنی زبان میں کہتے ہیں زید کھڑا ہے یا زید کھڑا تھا۔ ہمارے ہاں ہے اور تھا نے صرف دو جداگانہ زمانے پیدا کر دیئے ہیں ورنہ جو کام ہے نے کیا وہی تھا نے کیا۔ اہلِ عرب کے ہاں زَیدٌ قائمٌ میں کوئی ایسا لفظ نہیں جس نے زمانہ پیدا کیا ہو۔ اُردو میں صرف دو اسم مل کر جملہ نہیں بنا سکتے۔ عربی میں دو اسموں سے بشرطیکہ اُن میں ایک طرح کی نسبت واقع ہو خاصہ جملہ بن سکتا ہے۔ دیکھو تو زیدٌ قائمٌ میں کھڑا ہونے کی نسبت زید کی طرف ہے اور یہ ایک جملہ ہے مگر اُردو میں دو اسموں سے جملہ نہیں بن سکتا۔ اس بیان سے ثابت ہوا کہ ہے حرفِ رَبط نہیں بلکہ فعل ہے اور فعل بھی ناقص۔ اسی لیئے ہم نے اسم و خبر کی فصل میں ہے کے مسند الیہ اور مسند کو اسم و خبر قرار دیا ہے۔

بعض اوقات افعالِ مذکورہ میں سے کوئی فعل صرف ایک ہی اسم پر پورا ہو جاتا ہے۔ اس صورت میں اس کو فعلِ ناقص نہیں کہتے فعلِ تام کہتے ہیں۔ جیسے کام بن گیا۔ کام ہو گیا۔ **شعر**

صبح ہوتی ہے شام ہوتی ہے	عمر یوں ہی تمام ہوتی ہے

اس شعر میں فعل تام اور ناقص دونوں کی مثالیں ہیں۔ پہلے مصرع میں ہوتی ہے فعل تام ہے کیونکہ صبح اور شام پر پورا ہو گیا ہے اور دوسرے مصرع میں فعلِ ناقص ہے کیونکہ تمام کے سوا کلام پورا نہیں ہوتا۔ پہلے مصرع میں صبح اور شام فاعل ہے دوسرے میں عمر اسم اور تمام خبر ہے۔ **شعر**

ایک آفت سے تو مر مر کے ہوا تھا جینا	پڑ گئی اور یہ کیسی مرے اللہ نئی

اِس شعر میں پڑ گئی فعل تام ہے۔ **بیت**

کہیں تھا مویشی چرانے پہ جھگڑا
کہیں پہلے گھوڑا بڑھانے پہ جھگڑا

اس بیت میں تھا فعل تام ہے اور جھگڑا فاعل۔

سہی بھی اُسی صورت میں فعلِ ناقص ہوتا ہے۔ جب اسم و خبر کے بغیر کلام پورا نہ ہو بعض اوقات سہی کلام میں زائد بھی آجاتا ہے۔ جیسے "دیکھو تو سہی"، "سنو تو سہی"، "یہاں سہی"، صرف تاکید کا فائدہ دیتا ہے اور مطلب اس کے سوا بھی پورا ہو جاتا ہے۔

کبھی ہے تے ہوگا کی جگہ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے **شعر**

عزیزو حق کی رحمت ہے یہ پیرِ ناتواں ہم میں

پھر ایسا پیر ہے ہم میں نہ کوئی نوجواں ہم میں

یعنی ان کے بعد ہم میں نہ کوئی ایسا پیر ہوگا نہ نوجواں۔

کبھی تھا بمعنی ہوتا اور رہتی بمعنی ہوتی اور رہتے بمعنی ہوتے آتا ہے۔ خواجہ حالی کی کسی مثنوی میں ہے۔ **بیت**

مارنا اُس کا نہ تھا کچھ دشوار	اِک اشارے میں وہ تھا لقمۂ غار

یعنی ایک اشارے میں وہ لقمۂ غار ہو جاتا۔

مسدّس مدّو جزرِ اسلام

بغیر اُن کے بے ساز و ساماں تھی مجلس

نہ ہوتے اگر یہ تو ویراں تھی مجلس

نہ ہوتے اگر مائلِ لہو و بازی　　ہزاروں اِنھیں میں تھے طوسی و رازی

فعلِ ناقص کا اسم خبر سے مقدم آتا ہے۔ مگر نظم میں یہ پابندی نہیں۔ **نظم**

شگفتہ مثلِ گُل ہر فصلِ گُل میں داغ ہوتے ہیں

بنا ہے کیا ہمارا کالبد خاکِ گلستاں کا

ہوتے ہیں فعل ناقص ہے۔ داغ اسم مؤخر اور شگفتہ خبر مقدم۔

فعلِ ناقص کے اسم و خبر میں وحدت و جمع کے لحاظ سے مطابقت کا حال پہلے بیان ہو چکا ہے لیکن جب اسم مذکر اور خبر مؤنث یا اسم مؤنث اور خبر مذکر ہو تو اس وقت اختلاف ہے کہ فعلِ ناقص کی تذکیر و تانیث بہ لحاظ اسم کے ہو گی یا خبر کے اگرچہ درست دونوں طرح ہے لیکن غالب یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسم کی رعایت بیشتر کی جاتی ہے۔ جیسے "پکائی تھی کھیر ہو گیا دلیا" یہاں ہو گیا فعلِ ناقص ہے۔ کھیر اُس کا اسم اور دلیا خبر۔ خبر کے لحاظ سے فعل مذکر آیا ہے۔

مصرع

آنکھ کی پتلی جو تھی جادو کا پتلا ہو گیا

یہاں بھی خبر کی رعایت سے فعلِ ناقص مذکر ہے۔

اسم کی رعایت کی مثالیں بھی سنو۔ **ذوق**

ظلمتِ عصیاں سے میری بن گیا شب روزِ حشر	آفتاب اک نیزے پر دُم دار تارا ہو گیا

اس شعر میں بن گیا فعلِ ناقص ہے۔ روزِ حشر اس کا اسم اور شب خبر۔ بہ لحاظ اسم کے فعلِ ناقص مذکر لایا گیا۔ **غالب**

باغ میں مجھ کو نہ لے جا ورنہ میرے حال پر	ہر گلِ تر ایک چشمِ خوں فشاں ہو جائے گا

ہو جائے گا فعلِ ناقص ہے ہر گلِ تر اس کا اسم اور چشمِ خوں فشاں خبر اسم کی رعایت سے فعلِ ناقص مذکر ہے۔ **گویا**

وصفِ قاتل کا کروں گا میں دہانِ زخم سے	ٹوٹ کر گر رہ گیا خنجر زباں ہو جائے گا

ہو جائے گا فعلِ ناقص ہے خنجر اس کا اسم اور زبان خبر۔ اسم کے لحاظ سے فعلِ ناقص مذکر ہے **مومن**

چھوڑا نہ کچھ بھی سینے میں طغیانِ اشک نے	اپنی ہی فوج ہو گئی لشکر غنیم کا

ہو گئی فعل ناقص۔ اپنی فوج اس کا اسم اور لشکر غنیم کا خبر۔ اسم کے لحاظ سے فعل ناقص مؤنث آیا ہے۔

جملۂ فعلیہ

جملۂ فعلیہ وہ ہے جو کم سے کم فعل اور فاعل سے بنا ہو۔ اس جملہ میں فاعل مسند الیہ ہوتا ہے اور فعل مسند فعل اور فاعل اور مفعول کی تعریفیں حصّۂ اوّل میں گزر چکی ہیں۔

فعل لازم ہو تو فاعل پر تمام ہو کر پورا جملہ ہو جاتا ہے۔ جیسے زید بیٹھا۔ بیٹھا فعل زید فاعل فعل اور فاعل مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ اسی طرح عمرو سویا۔ سویا فعل عمرو فاعل فعل اور فاعل مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ اور اگر فعل متعدی ہو تو مفعول کا ہونا بھی ضروری ہے جیسے ناظر نے سبق پڑھا پڑھا فعل۔ ناظر فاعل۔ نے علامتِ فاعل سبق مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

جن جملوں میں افعال متعدی کے دو مفعول آتے ہیں اُن میں مفعول اوّل کو مفعول بہ یا پہلا مفعول اور مفعول ثانی کو دوسرا مفعول کہتے ہیں۔

فاعل کبھی اسم ظاہر ہوتا ہے۔ کبھی ضمیر جیسے احمد آیا۔ اُس نے کھانا کھایا ضمیر اگر فعل میں مخفی ہو تو اس کو ضمیرِ مستتر کہتے ہیں اور اگر ظاہر ہو تو ضمیر بارز کی مثال اوپر دیکھ چکے ہو ضمیر مستتر جیسے

شعر

مسکن اس بحرِ فنا میں کر نہ مانندِ حباب	ڈال پانی پر نہ بنیادِ مکاں بے فائدہ

نہ کر اور نہ ڈال میں تو ضمیر مستتر ہے جو ان کا فاعل ہے۔ اگر ایک فعل کے کئی فاعل اس طرح کے ہوں کہ ایک ان میں سے غائب ہو اور دوسرا حاضر یا دونوں غائب ہوں یا ایک حاضر ہو دوسرا متکلّم یا ایک متکلّم ہو دوسرا غائب تو دونوں کے غائب ہونے کی صورت میں جمع غائب کا صیغہ بولتے ہیں جیسے حامد اور محمود آئے اور اگر ایک غائب اور ایک حاضر ہو تو جمع حاضر کا صیغہ استعمال کرتے ہیں۔ جیسے تم اور حمید کھانا کھاؤ اور اگر ایک غائب اور ایک متکلم یا ایک حاضر اور دوسرا متکلم ہو تو جمع متکلم کا صیغہ بولتے ہیں۔ جیسے میں اور وہ آئیں گے اور ہم تم چلیں گے

غرض غائب کے مقابلے میں حاضر کو ترجیح ہے اور حاضر اور غائب دونوں کے مقابلے میں متکلم کو۔

اُردو میں فاعل مفعول سے اور مفعول فعل سے مقدم آتا ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو نصیحت کی نصیحت کی فعل مرکب۔ زید فاعل۔ سنے علامتِ فاعل۔ عمرو مفعول۔ کو علامتِ مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مِل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ مدّوجزرِ اسلام

کسی نے یہ بُقراط سے جا کے پوچھا
مرض تیرے نزدیک مہلک ہیں کیا کیا

پوچھا فعل۔ کسی فاعل۔ بقراط مفعول۔ نثر میں یہ ترکیب ضرور ہے اور اس کے خلاف خلافِ فصاحت مگر نظم میں آگے پیچھے بھی ہو جاتے ہیں۔ جیسے **مومن**

کھا گیا جی غمِ نہاں افسوس	گھُل گئی غم کے مارے جاں افسوس

مصرعِ اوّل میں ساری ترتیب بدل گئی ہے یعنی فعل جو سب سے پیچھے آنا چاہئے تھا سب سے پہلے ہے اور فاعل جو سب سے پہلے چاہئے تھا سب سے پیچھے ہے۔ مفعول ایسی جگہ واقع ہوا ہے کہ اس پر فاعل ہونے کا مغالطہ ہوتا ہے۔ مگر شاعر کا مطلب یہ ہے کہ غمِ نہاں جی کو کھا گیا ہے اور اسی کے سبب جان گھُل گئی ہے۔ اس لیے جی مفعول ہے فاعل نہیں ہو سکتا۔

کبھی ایک سے زیادہ مختلف فعل پہلے لاتے ہیں اور اُن کے فاعل بعد میں مگر فعلوں کے لحاظ سے فاعلوں کی ترتیب ملحوظ رکھتے ہیں۔ جیسے شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں۔

اُٹھایا گاہ اور گاہے بٹھایا	مجھے بے تابی و بے طاقتی نے

اس شعر میں اُٹھانے والی چیز بے تابی ہے اور بٹھانے والی بے طاقتی، سو اُٹھانے کے لحاظ سے بے تابی کو پہلے ذکر کیا اور بٹھانے کے اعتبار سے بے طاقتی کو پیچھے۔

جب قرینہ پایا جائے تو فعل یا فاعل یا دونوں کا حذف جائز ہے۔ جیسے کوئی پوچھے کون غُل کرتا ہے؟ تم کہو حامد۔ یہاں فعل حذف ہو گیا یا یوں پوچھے کہ کیا حامد غُل کرتا ہے؟ تم کہو

ہاں۔ یہاں فعل اور فاعل دونوں حذف ہو گئے۔ بعض اور مقام بھی ہیں جہاں فاعل اکثر حذف ہو جاتا ہے۔ مثلاً "کہتے ہیں کہ کسی ملک میں ایک نہایت انصاف پرور اور کرم گستر بادشاہ تھا" یہاں کہتے ہیں کا فاعل محذوف ہے۔ یعنی حکایت کرنے والے۔ **شعر**

دیدۂ عبرت سے گورستاں کی جانب کر نگاہ		خاک پر سوتے ہیں کیا کیا قصر ایواں چھوڑ کر

یعنی اہلِ قبور۔

اسی طرح مفعول بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ مثلاً زید عمرو کو مارے۔ تم عمرو سے پوچھو۔ تم کو کس نے مارا۔ وہ کہے زید نے۔ یہاں مفعول محذوف ہو گیا اور مفعول کے علاوہ فعل بھی یعنی زید نے مجھ کو مارا۔

بعض مقامات میں صرف ایک جزو جملے کا بولا جاتا ہے اور مقدرات کے لحاظ سے وہ جزو جملۂ فعلیہ بھی بن سکتا ہے اور جملۂ اسمیہ بھی۔ جیسے کہیں سانپ پڑا ہوا ہو یا وہ دفعۃً کہیں سے سر نکالے تو کہتے ہیں سانپ سانپ، یا کہیں چور نمودار ہو تو کہتے ہیں چور چور، یا جنگل میں شیر قریب آتا ہوا نظر آئے تو کہتے ہیں شیر شیر۔ یہاں تین طرح کے محذوفات نکالے جا سکتے ہیں ایک یہ کہ سانپ نکلا سانپ نکلا۔ چور آیا چور آیا۔ شیر آیا شیر آیا۔ اس صورت میں نکلا فعل اور سانپ فاعل ہے۔ اسی طرح آیا فعل اور چور اور شیر فاعل ہے۔ دوسرے یہ کہ سانپ کو مارو سانپ کو مارو۔ چور کو پکڑو چور کو پکڑو۔ شیر کو روکو شیر کو روکو۔ اس صورت میں مارو اور پکڑو اور روکو فعل ہیں اور تم ضمیر مستتر فاعل اور سانپ اور چور اور شیر مفعول۔ ان دونوں صورتوں میں جملۂ فعلیہ ہوگا۔ تیسرے یہ کہ سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے سانپ بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا ہے چور آیا ہوا ہے چور آیا ہوا ہے۔ شیر آیا ہوا ہے شیر آیا ہوا ہے۔ اس صورت میں ہے فعل ناقص ہے اور سانپ اور چور اور شیر اسم اور بیٹھا ہوا یا نکلا ہوا اور آیا ہوا خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

ایسے الفاظ اکثر جلدی اور گھبراہٹ یا خوف کے مقام میں مُنہ سے نکلتے ہیں اور تاکید کے

سبب مکرر ہو جاتے ہیں۔ غرض ان سے یہ ہوتی ہے کہ سننے والا تھوڑے لفظ سن کر جلد متوجہ ہو اور تدارک کرے۔

فائدہ ۔ فاعل کی علامت یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کون یا کس نے ملا کر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے احمد آیا۔ جب پوچھیں کون آیا تو جواب ہوگا۔ احمد۔ پس احمد فاعل ہے۔ ایسا ہی حامد نے دیکھا۔ جب پوچھیں کس نے دیکھا تو جواب ہوگا۔ حامد نے۔ پس حامد فاعل ہے۔

فائدہ ۔ متقدمین کبھی افعال متعدی کے صیغہائے واحد متکلم سے علامات فاعل (نے) حذف بھی کر دیتے تھے مثلاً جرأت

نہ جواب لے کے قاصد جو پھرا شتاب الٹا
میں زمیں پہ ہاتھ مارا بصد اضطراب الٹا

خواجہ میر درد

تشنگی اور بھی بھڑکتی گئی ۔ جوں جوں میں آنسوؤں کو اپنے پیا

مرزا رفیع سودا

میں دشمنِ جاں ڈھونڈھ کے اپنا جو نکالا
سو حضرتِ دل سلمہ اللہ تعالےٰ

مگر متاخرین علامتِ فاعل بالالتزام استعمال کرتے ہیں اور اب اس کا حذف ہرگز جائز نہیں۔ ہاں چاہا کا فاعل دل اور جی ہو تو محاورے میں دل چاہا اور جی چاہا بغیر نے کے بولا جاتا ہے۔

مفعول مالم یُسَمَّ فاعِلُہٗ

یا

مفعول قائم مقام فاعل

جب فعل مجہول ہوتا ہے تو مفعول کی طرف مسند ہوتا ہے یعنی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے عربی میں اس مفعول کو مفعول مالم یسم فاعلہٗ کہتے ہیں۔ ہمارے نزدیک اگر اس کو مفعول قائم مقام فاعل کہا جائے تو اخفّ علی اللسان یعنی (بولنے میں زیادہ آسان) ہے۔

تم کو یاد ہوگا ہم نے حصۂ اوّل میں لکھا ہے کہ زبان اُردو میں مجہول دو طرح کا ہوتا ہے ایک لفظی۔ دوسرا معنوی۔ دونوں قسموں کے مفعول قائم مقام فاعل کی مثالیں دیکھو۔

زید مارا گیا۔ مارا گیا فعل مجہول لفظی۔ زید مفعول قائم مقام فاعل۔ مرزا غالب

نہ لُٹتا دن کو تو کب رات کو یوں بے خبر سوتا	رہا کھٹکا نہ چوری کا دعا دیتا ہوں رہزن کو

نہ لُٹتا فعل مجہول معنوی۔ میں ضمیر مستتر مفعول قائم مقام فعل۔

جس طرح کبھی فعل معروف اور کبھی اُس کا فاعل اور کبھی دونوں حذف ہوجاتے ہیں اُسی طرح کبھی فعل مجہول اور کبھی اُس کا مفعول قائم مقام فاعل اور کبھی دونوں حذف ہوجاتے ہیں۔ جیسے کوئی پوچھے کون مارا گیا یا کون پٹا۔ تم کہو غافل۔ یہاں فعل حذف ہوگیا یا کوئی پوچھے غافل کو کیا ہوا۔ تم کہو مارا گیا یا پٹا۔ یہاں مفعول قائم مقام فاعل محذوف ہوگیا یا تم پوچھو غافل مارا گیا یا پٹا؟ کوئی کہے ہاں۔ یہاں فعل مجہول اور مفعول قائم مقام فاعل دونوں حذف ہوگئے۔

فعل متعدی بیک مفعول کے مجہول میں مفعول قائم مقام فاعل کے ساتھ لفظ "کو" کبھی نہیں آتا۔ مثلاً یوں نہیں کہتے کہ اُس کو لایا گیا یا مارا گیا۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ وہ لایا گیا یا مارا گیا البتہ افعال مرکب میں کو آبھی جاتا ہے مثلاً "دیکھنا یہ ہے کہ اس قاعدے کو کیونکر عمل میں لایا جائے" یا "اُس کو بڑی بے رحمی سے قتل کیا گیا" اس طرح کی بے شمار مثالیں موجود ہیں اور تمام

اہلِ زبان کیا لکھنؤ والے اور کیا دلی والے سب اسی طرح بولتے ہیں۔
جو افعال متعدی بدو مفعول ہوتے ہیں اور وہ صرف مجہول لفظی ہوتے ہیں۔ اُن میں دوسرا مفعول بہ مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے۔ جیسے زید کو سبق پڑھایا گیا۔ عمرو کو کھانا کھلایا گیا۔ پہلے جملے میں سبق مفعول قائم مقام فاعل ہے۔ دوسرے میں کھانا۔ مگر افعال قلوب میں پہلا ہی مفعول قائم مقام فاعل ہوتا ہے اور افعالِ قلوب وہ فعل ہیں جو دل سے تعلق رکھتے ہیں اور اکثر متعدی بدو مفعول ہوا کرتے ہیں۔ جیسے میں نے زید کو فاضل جانا یا سمجھا یا خیال کیا جب مجہول بنائیں گے تو کہیں گے زید فاضل جانا گیا یا سمجھا گیا یا خیال کیا گیا۔ علیٰ ہذا القیاس۔
فائدہ فعل مجہول میں جن مقامات میں کو استعمال کیا جاتا ہے وہ وہی ہیں جو بیان کر دیئے گئے ہیں مگر دیکھا جاتا ہے کہ جن افعال کا صرف ایک مفعول آتا ہے۔ یعنی جہاں قاعدہ مذکور کے مطابق کو استعمال کرنا نہیں چاہئے اہلِ زبان نے وہاں بھی اُسے استعمال کیا ہے۔ جیسے **داغ**

وہ خریدار ہی دل کے نہ ہوئے کیا کیجے	ہم بھی کچھ دبتے کچھ اُن کو بھی دبایا جاتا

اس شعر میں قاعدے کے مطابق وہ بھی دبائے جاتے چاہیئے تھا۔

مفعول بہ

جس لفظ پر فعل واقع ہو اُس کو مفعول بہ کہتے ہیں۔ مفعول بہ نثر میں فاعل کے بعد اور فعل سے پہلے آتا ہے اور یہی فصیح ہے۔ جیسے زید نے عمرو کو دیکھا۔ مگر نظم میں آگے پیچھے بھی آجاتا ہے جیسے **ذوق**

بدخصلتوں کو کرتا ہے بالا نشیں فلک	اونچی ہے آشیانہ زاغ و زغن کی شاخ

کرتا ہے فعل۔ فلک فاعل۔ بدخصلتوں مفعول۔
مفعول بہ کی عام نشانی یہ ہے کہ جب فعل کے ساتھ کس کو یا کیا ملا کر پوچھیں تو وہ جواب میں واقع ہو۔ جیسے ناظر نے حاضر کو دیکھا۔ اگر پوچھیں کس کو دیکھا تو جواب ہوگا حاضر کو، پس حاضر مفعول بہ ہے۔ حمید نے چاقو خریدا۔ جب پوچھیں کیا خریدا تو جواب ہوگا چاقو۔ پس چاقو مفعول بہ ہے۔

بعض افعال متعدی کا صرف ایک مفعول آتا ہے۔ جیسے زید نے کھانا کھایا۔ بعض کے دو مفعول آتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو کھانا کھلایا۔ دوسرے مفعول کو مفعول ثانی کہتے ہیں۔

بعض افعال کا کبھی ایک مفعول آتا ہے۔ کبھی دو۔ جیسے "میں نے حامد کو عالم سمجھا یا خیال کیا"، "میں سمجھتا یا خیال کرتا تھا کہ ایسا ہونا محالات سے ہے"

کبھی ایک فعل کے کئی مفعول آتے ہیں۔ ظفر

	الم کو یاس کو حسرت کو بیتابی کو حرماں کو		ہمیشہ کُنجِ تنہائی میں ہم مونس سمجھتے ہیں	

اگر ان میں حرفِ عطف محذوف سمجھا جائے تو تمام مفاعیل بہ ترکیب عطفی ایک مفعول کا حکم رکھیں گے۔

اسم ظاہر مفعول ہو تو اُس کے ساتھ علامتِ مفعول "کو" آتی ہے۔ بعض افعال کے مفعول کے ساتھ کو کے سوا اور علامتیں لگائی جاتی ہیں۔ مثلاً کہنا[1]۔ محبت کرنا۔ لعنت کرنا۔ دعا کرنا

[1] کہنا کا لفظ کئی معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ ایک[1] قرار دینا۔ دوسرے[2] نام رکھنا۔ تیسرے[3] الزام دینا۔ چوتھے[4] بیان کرنا۔ ذکر کرنا۔ ظاہر کرنا۔ گفتگو کرنا۔ خبر دینا یا خبر کرنا۔ آگاہ کرنا۔ پانچویں[5] عرض کرنا۔ التماس کرنا۔ التجا کرنا۔ چھٹے[6] دعا کرنا یا دعا مانگنا۔ ساتویں[7] سوال کرنا۔ آٹھویں[8] جواب دینا۔ نویں[9] پیغام دینا۔ دسویں[10] حکم دینا۔ گیارہویں[11] نصیحت کرنا۔ بارہویں[12] اقرار کرنا۔ پہلے تین معنوں میں اس کا صلہ کو آتا ہے۔ جیسے "زید نے عمرو کو جاہل کہا" یا اُس کو شبراتی کہتے ہیں یا بکر خالد کو کہتا ہے کہ "اُس نے اُس کی کتاب چرائی ہے" یا کمبخت کا اُس پر تو زور چلتا نہیں ہم کو کہتا ہے کہ ہم نے اُسے بدنام کیا ہے" باقی تمام معنوں میں اس کا صلہ سے آتا ہے۔ جیسے نوکر سے کہو کہ گاڑی تیار کرے" "آپ نے تو ہم سے یہ کہا تھا کہ "وہاں تشریف نہیں لے جائے گا" منشی امیر احمد صاحب آمیر کی ایک غزل کے چند شعر سنو ؎

	ہنس پڑے اُس پہ تو پھر حرفِ تمنا کہنا		رُو کے اُس شوخ سے قاصد مرا رونا کہنا	
	عین غفلت ہے مری آنکھ کو دریا کہنا		ہر بُنِ موئے مژہ میں ہیں یہاں سو طوفاں	
	اب اگر سچ بھی کہیں تم ہمیں جھوٹا کہنا		کر لیا عہد کبھی کچھ نہ کہیں گے مُنہ سے	
	ہو بُرا بھی تو اُسے چاہیئے اچھا کہنا		کیسے ناداں ہیں جو اچھے کو بُرا کہتے ہیں	

التجا کرنا۔ التماس کرنا۔ عرض کرنا۔ درگزرنا یا درگزر کرنا وغیرہ ان کے مفاعیل کے ساتھ سے علامتِ مفعول آتی ہے۔ کرم کرنا فضل کرنا۔ رحم کرنا شفقت کرنا۔ خفا ہونا۔ غصے ہونا لعنت کرنا وغیرہ کے ساتھ پر آتا ہے۔ جیسے "حامد نے محمود سے کہا" الاسلام میں ہے۔ **بیت**

لگانا نہ دل ماورائے خدا سے
محبت نہ کرنا کبھی ما سوا سے

"زید عمرو سے بہت الفت کرتا ہے"

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۰۴۔ البتہ حکم اور نصیحت کے معنوں میں کبھی کو بھی صلہ آجاتا ہے جیسے **امیر**

مر کے راحت تو ملی پر ہے یہ کھٹکا باقی
آ کے عیسیٰ سرِ بالیں نہ کہیں تم مجھ کو

محمد احسان علی خاں۔ احسان

جانتے تھے جو ترا کشتۂ اندازِ خرام
حشر کے فتنے اُٹھے کہتے ہوئے قُم مجھ کو

نواب مرزا خاں۔ داغ

معجزہ حضرتِ عیسیٰ کا غلط بھی تو نہیں
درد اٹھتا ہے وہ کہتے ہیں اگر قُم مجھ کو

اور جب یہ لوگ (اسی طرح پر) جیسے اُن کے باپ نے اُن کو کہہ دیا تھا (مصر میں) داخل ہوئے (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد) بعض مقامات میں پیغام کے معنوں میں بھی کو بولا جاتا ہے۔ جیسے "اُن کو میری طرف سے کہہ دو" کہلا بھیجنا کے ساتھ تو صرف کو ہی بولا جاتا ہے۔ جیسے "انھوں نے اُن کو کہلا بھیجا"

ان کے علاوہ بعض اور مقامات بھی ہیں جہاں کو استعمال کیا جاتا ہے یا وہ لفظ جو کو کا فائدہ دیتا ہی جیسے **شعر**

بے وفا تھے یہ صنم خوب نبا ہی ظاہر
آفریں ہم تجھے اے مردِ خدا کہتے ہیں

جا کے پردیس نہ اب تک کوئی نامہ بھیجا
کیجے انصاف کہ اِس کو ہی وفا کہتے ہیں

امیر

پہلے تو مجھے کہا نکالو
پھر بولے غریب ہے بلا لو

غالب

اگلے وقتوں کے ہیں یہ لوگ انھیں کچھ نہ کہو
جو مے و نغمہ کو اندوہ رُبا کہتے ہیں

منشی مظفر علی خاں بہادر جنگ اسیر

صبر منظور ہے دیدارِ بتاں سے یہ چند سے
اس میں کیا کہتے ہو لے دیدۂ و دل تم مجھ کو

"میں نے خدا سے دعا کی"

"زید نے عمرو سے التجا یا التماس یا عرض کی"

"اے غفار ہمارے گناہوں سے درگزر یا درگزر کر"

"خدا اس پر رحم کرے یا کرم کرے یا فضل کرے"

"ماں باپ اپنی اولاد پر بہت شفقت کرتے ہیں"

"زید پر خفا مت ہو"

"تم اس پر غصے کیوں ہوتے ہو"

"شیطان پر سب لعنت کرتے ہیں"

ضمائر کی حالتِ مفعولیت		
ہمیں	ہم کو	ہمارے تئیں
مجھے	مجھ کو	میرے تئیں
تمھیں	تم کو	تمھارے تئیں
تجھے	تجھ کو	تیرے تئیں
اُنھیں	اُن کو	اُن کے تئیں
اُسے	اُس کو	اُس کے تئیں

بعض صورتوں میں "کو" علامتِ مفعول مفعول کے ساتھ نہیں آتی یعنی

(۱) فعل متعدی بدو مفعول ہو تو دوسرے مفعول کے ساتھ یہ علامت نہیں آتی۔ جیسے حامد کو سبق پڑھا دو۔ یہاں سبق دوسرا مفعول ہے اور علامتِ مفعول نہیں رکھتا۔

(۲) اگر مصدر مفعول ہو عام اس سے کہ اردو کا مصدر ہو یا کسی اور زبان کا جیسے زید نے کھانا کھایا۔ عمرو نے تماشا دیکھا۔

(۳) مفعول غیر ذی روح یا غیر ذی عقل ہو اور صرف ایک ہی ہو تو عموماً علامتِ مفعول سے خالی ہوتا ہے۔ جیسے حامد نے کتاب پڑھی۔ محمود نے گھوڑا خریدا۔

کبھی نظم میں "کو" استعمال کر بھی لیتے ہیں۔ جیسے شعر

خوشنویسی میں بھی کی اُس طفل نے مشقِ ستم　　خون سے بُلبُل کے لکھا قطعۂ گلزار کو

یعنی بلبل کے خون سے قطعۂ گلزار لکھا۔

کو علامتِ مفعول کبھی نظم میں حذف بھی ہو جاتی ہے۔ **ذوق**

کشادِ کار ہم نے پنجۂ تقدیر کو سونپا　　خرد کے تیز ناخن ناخنِ انگشتِ پا سمجھے

یعنی خرد کے تیز ناخن کو۔

کسی زمانہ میں کو کی جگہ "تئیں" بھی بولتے تھے۔ اب خاص مقامات اور نظم کے سوا نہیں بولتے۔ لیکن جب لفظ "اپنے" مفعول واقع ہو تو اس کے ساتھ اکثر تئیں لاتے اور اپنے تئیں بولتے ہیں۔

اپنے تئیں کے متعلق ایک پھڑکتا ہوا لطیفہ بھی سن لو۔

لطیفہ۔ دلی کے ایک اہلِ زبان لکھتے ہیں کہ ایک شخص کہیں باہر سے میری ملاقات کو آئے اور اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اپنی نظم و نثر سناتے رہے۔ میری سُنتے رہے۔ اس کے بعد دلی کے محاوروں کی تعریف اور بیاں کی شایستگیِ کلام اور شُستگیِ زبان کی توصیف کرنے لگے۔ پھر شاید دل میں یہ سمائی کہ جب تک چون وچرا نہ نکالوں گا نظر میں کیونکر جچوں گا۔ آخر سوچ سوچ کر بولے کہ دِلی کے زباں دانوں نے مفعول پر لفظ کے تئیں لانا چھوڑ دیا لفظ کو بہت بولتے ہیں مثلاً کتاب کو۔ اُس کو۔ تم کو۔ ہم کو اور حقیقت میں یہی کلمہ فصیح ہے۔ مگر کیا سبب ہے کہ اپنے تئیں نبھائے[1] جاتے ہیں اور یہ لفظ کہیں نہ کہیں بولے جاتے ہیں۔ اگر اس کی جگہ بھی آپ کو[2] کہیں تو کیا شان گھٹ جائے۔ میں یہ گفتگو سن کر اُن کی دل شکنی کے لحاظ سے اُس وقت کے کلام میں اپنے تئیں کی جگہ آپ کو بولنے لگا اور اپنا عجز اُن کے سامنے بیان کرنے لگا کہ حضرت

[1] پہلے نبھانا بولتے تھے اب نباہنا بولتے ہیں اور بعض اطراف میں اب بھی نبھانا کہتے ہیں۔

[2] جیسا کہ مرزا رفیع سوداؔ کہتے ہیں۔ **شعر**

بھولا پھروں ہوں آپ اِک عمر سے لیکن　　تجکو نہ کیا دل سے میں زنہار فراموش

مجھے کیا آتا ہے۔ میں تو آپ کو کمال نالائق بے وقوف جانتا ہوں۔ گدھے سے بدتر خیال کرتا ہوں یہ کہتا جاتا تھا اور خود بخود دل میں لجاتا تھا کہ یہ کیا کلمہ زبان سے نکال رہا ہوں۔ مگر کیا کروں ناچار تھا۔ اگر اپنے تئیں بولتا ہوں تو پہلا اعتراض جدا قائم رہتا ہے اور اس پر طرّہ یہ کہ دوسری بے وقوفی ثابت ہوتی ہے کہ سمجھانے سے بھی کچھ اثر نہ ہوا۔ بارے وہ خود ہی قائل ہو گئے کہ ایسے مقاموں میں آپ کو بولنا نامناسب بلکہ محض غلط ہے اور اپنے تئیں بولنا بجا اور صحیح۔

فائدہ ۔ اپنے تئیں۔ آپ کو۔ اپنے آپ کو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔ اپنے آپ کو کی مثال دیکھو۔ **شعر**

نازک بہت ہے رشتۂ اُلفت نہ ٹوٹ جائے	اُتنا نہ اپنے آپ کو لے مہ جمال کھینچ

فائدہ ۔ کس۔ جس۔ اِس۔ اُس کے ساتھ یائے مجہول اور مجھ تجھ کے ساتھ ہائے مخلوط اور یائے مجہول اور ہم کے ساتھ یائے مجہول اور نون غنّہ اور تم۔ کن۔ جن۔ اِن۔ اُن کے ساتھ ہائے مخلوط اور یائے مجہول اور نون غنّہ بھی علاماتِ مفعول آتی ہیں۔ جیسے کسے۔ جسے۔ اِسے۔ اُسے مجھے۔ تجھے۔ ہمیں۔ تمھیں۔ کنھیں۔ جنھیں۔ اِنھیں۔ اُنھیں۔

مفعول فیہ اور مفعول منہ اور مفعول معہ کیا چیز ہیں

مفعول بہ کے علاوہ قواعد کی کتابوں میں چار مفعول اور لکھے ہیں۔ مفعول فیہ[۱] مفعول منہ۔ مفعول لہٗ[۲]۔ مفعول مطلق[۳]۔ ان میں سے مفعول فیہ تو ظرفِ زمان اور ظرفِ مکان ہے۔ جس کو نحویانِ عربی کی تقلید سے مفعول فیہ کہا گیا ہے۔ ظرف اُردو میں متعلق فعل ہوتا ہے۔ اس لئے کچھ ضرور نہیں ہے کہ اس کو مفعول فیہ قرار دیا جائے (ظرفِ مکان اور ظرفِ زمان کا حال ہم عنقریب لکھیں گے)

مفعول منہ ۔ اس لفظ کو کہا گیا ہے جو وقوعِ فعل کا آلہ ہو سکے۔ اوّل تو یہ نام ہی غلط ہے کیونکہ عربی زبان میں اُن الفاظ کے ساتھ جو آلۂ صدورِ فعل ہوں۔ مِنْ (جو سے کا ترجمہ ہے) نہیں آتا مثلاً یوں کبھی نہیں کہتے کہ قتلتہ من السیف۔ دوسرے ایسے الفاظ کو مفعول کہنے کی

[۱] جو لفظ وقوعِ فعل کے مکان یا زمانے پر دلالت کرے اس کا نام مفعول فیہ رکھا گیا ہے۔

ضرورت بھی کچھ نہیں۔ سیدھی بات یہ ہے کہ ایسے الفاظ متعلق فعل ہوتے ہیں۔ جیسے زید نے عمرو کو تلوار سے مار ڈالا۔ اس جملہ میں مار ڈالا فعل ہے۔ زید فاعل۔ عمرو مفعول۔ سے جار۔ تلوار مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل۔

مفعول لہٗ۔ یعنی وہ لفظ جو فعل کے سبب یا غرض پر دلالت کرے۔ اُردو میں جس طریق سے الفاظ فعل کا سبب یا غرض واقع ہوتے ہیں اس کی کئی صورتیں ہیں۔

(۱) زید حیا کے سبب سے آنکھ نیچی رکھتا ہے۔ یہاں آنکھ نیچی رکھنے کا سبب حیا ہے۔

(۲) زید نے عمرو کو ادب سکھانے کے لئے مارا۔ یہاں مارنے کی غرض ادب سکھانا ہے۔

(۳) حامد محمود کی تعظیم کو یا تعظیم کے واسطے یا تعظیم کے لئے اُٹھا۔ یہاں اُٹھنے کا سبب یا غرض تعظیم ہے۔

(۴) ہادی مدرسے پڑھنے گیا۔ یہاں مدرسے جانے کا سبب یا غرض پڑھنا ہے۔

صورتِ اوّل کے سوا دوسری اور تیسری اور چوتھی صورت میں سکھانا (جو شبہ فعل ہے مع اپنے مفعول ادب کے) اور محمود کی تعظیم بہ ترکیب اضافی اور پڑھنے سب مفعول لہٗ ہیں۔ ع

کاٹنے دوڑتی ہے ماہیِ بے آب مجھے

ترکیب۔ دوڑتی ہے فعل۔ ماہیِ بے آب بہ ترکیب توصیفی فاعل۔ کاٹنے شبہ فعل۔ مجھے اس کا مفعول۔ شبہ فعل مع اپنے مفعول کے مفعول لہٗ دوڑتی ہے کا۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ ہوا۔

اہلِ قواعد نے جس طرح کے یہ مفعول بنائے ہیں اس طرح کے اور مفعول بھی اُردو میں پیدا ہو سکتے ہیں۔ مثلاً جس چیز کے اوپر فعل وقوع میں آئے وہ مفعول علیہ ہو سکتا ہے۔ جیسے زید نے کتاب میز پر رکھی۔ اسی طرح جس چیز کی معیت میں فعل صادر ہو وہ مفعول مع ہو سکتا ہے اور مجھ کو سخت تعجب ہے کہ اہلِ قواعد کا ذہن اس قسم کے مفاعیل کی طرف کیوں منتقل نہیں ہوا۔ باوجودیکہ نحو عربی میں منجملہ مفاعیل ایک مفعول مع بھی قرار دیا گیا ہے۔

حق یہ ہے کہ جس طرح کے مفعول فیہ اور مفعول منہ اُردو میں پیدا کیے گئے ہیں اگر اسی طرح

کے اور مفعول پیدا کیے جائیں تو تمام متعلقات فعل مفعول ہی مفعول ہو جائیں اور کوئی لفظ ایسا نہ رہے جس کو متعلق فعل کہہ سکیں۔

مفعول مطلق

عربی زبان میں کبھی فعل کے ساتھ اسی کا مصدر یا مصدر کا مرادف لاتے اور اُس کو مفعول مطلق کہتے ہیں۔ جیسے قرآن میں ہے اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّا ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّا ؕ[1] اگر اُردو میں اس طریق سے مصدر استعمال کیا جائے یا کلام عرب کا اس طرح ترجمہ کیا جائے تو کلام غلط اور بے لطف ہو جائے مثلاً آیاتِ مذکورہ کا یوں ترجمہ کیا جائے کہ ہمیں نے پانی برسانا برسایا اور پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑنا پھاڑا۔ تو برسانا اور پھاڑنا فصیح کلام کو بے مزہ کر دیں گے۔

اُردو میں فعل کا مصدر اس طریق سے استعمال نہیں کیا جاتا۔ بلکہ کسی خصوصیت کے ساتھ استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے شعر

ظفر ہم اپنا رونا روئیں جا کر سامنے کس کے		رہا کون اپنے آنسو پونچھنے والا ہی رونے میں

اور بیشتر بجائے مصدر حاصل مصدر مستعمل ہوتا ہے اور جس طرح عربی میں مصدر کبھی تاکید اور کبھی تعداد اور کبھی وضع کے لئے آتا ہے اسی طرح اُردو میں حاصل مصدر آتا ہے۔ جیسے وہ خوب چال چلا۔ زید ایک دوڑ دوڑا۔ آتش

تری تقلید سے کبک دری نے ٹھوکریں کھائیں		چلا جب جانور انساں کی چال اُس کا چلن بگڑا

ظرفِ مکاں

ظرفِ مکاں دو طرح کا ہوتا ہے۔ محدود اور غیر محدود۔ جیسے صراحی۔ جھجّر۔ آب خورہ۔ گلاس۔ آفتابہ۔ دیگچی۔ مکان۔ گھر۔ محل۔ مدرسہ۔ باغ۔ جنگل۔ شہر۔ گلی۔ کوچہ۔ بازار۔ سرائے۔ ملک۔ وطن۔ دریا۔ سمندر وغیرہ

[1] ہمیں نے پانی برسایا پھر ہمیں نے زمین کو پھاڑا

غیر محدود جیسے آگے پیچھے، دائیں بائیں، اِدھر اُدھر، نیچے اوپر، اِرد گِرد، اندر، باہر، یہاں وہاں، کہیں کہیں، کہیں سامنے، طرف، رُخ وغیرہ **بیت**

سدا ایک ہی رُخ نہیں ناؤ چلتی   چلو تم اُدھر کو ہوا ہو جدھر کی

ظرف محدود کے ساتھ اکثر پر یا میں یا سے یا کو استعمال کیا جاتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ عموماً کوئی لفظ نہیں آتا۔

ظرفِ زماں

یہ بھی محدود اور غیر محدود ہوتا ہے۔ محدود جیسے صبح۔ شام۔ رات۔ دن۔ مہینا۔ برس گھڑی۔ گھنٹہ۔ منٹ۔ پل۔ صدی۔ ہفتہ۔ آج۔ کل وغیرہ۔ غیر محدود جیسے ہمیشہ۔ سدا۔ نِت۔ جب نہ تب[1]۔ آئے دن۔ رات دن۔ صبح و شام۔ زمانہ۔ وقت۔ کبھی کبھی۔ ظرفِ زماں۔ محدود کے ساتھ اکثر کو یا میں آتا ہے۔ غیر محدود کے ساتھ کم آتا ہے۔

فائدہ۔ کبھی دو ظرف محدود مل کر غیر محدود ہو جاتے ہیں۔ جیسے آج کل۔ یہ دونوں ظرفِ زماں محدود ہیں۔ مگر آج کل (یعنی اِن دنوں اور فی الحال) غیر محدود ہے۔

جار و مجرور

عربی زبان میں چند حروف جو سے۔ میں۔ پر۔ مانند۔ تک۔ واسطے۔ ساتھ۔ سوا وغیرہ کے معنی دیتے ہیں حروفِ جر کہلاتے ہیں۔ اس لیے کہ جر کسرہ کو کہتے ہیں اور جن الفاظ پر وہ حروف داخل ہوتے ہیں اُن کے حرفِ آخر کو مکسور[2] کر دیتے ہیں۔ جیسے مِنَ اللّٰہِ۔ فِی الْاَرْضِ عَلَی السَّمَآءِ۔ اِلَی الْمَسْجِدِ۔ لِلصَّلٰوۃِ۔ کَالطَّیْرِ۔ بِالسَّیْفِ۔

[1] مومن ؎ جب نہ تب وَالضُّحٰی پڑھے ہے امام   مقتدی نا سنیں فَلَا تَنْہَرْ

[2] اسی بنا پر شیخ ابراہیم ذوق کہتے ہیں ؎

علی سے کیونکہ نہ ہو زیر لشکرِ کفار   علی ہے شکلِ علیٰ اور علیٰ ہے حرفِ جار

یعنی علی کی صورت ہے اور علیٰ حرفِ جار ہے اس لیے لشکرِ کفار کا اُن سے زیر ہونا ضرور ہے۔

مصرع - اَلَا کُلُّ شَیْءٍ مَّا خَلَا اللّٰہِ بَاطِلٌ

فارسی اور اُردو میں جو حروف حروفِ جر کہلاتے ہیں اُن کا یہ عمل نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ ہم چاہتے تھے کہ اُردو میں یہ نام بدل کر اور نام رکھدیں۔ مگر چونکہ جَر لغۃً کھینچنے کو کہتے ہیں اور حروفِ جَر فعل یا شبہ فعل کے معنوں کو کھینچکر مجرور سے لا ملاتے ہیں اور عربی کی کتابوں میں حروفِ جَر کو حروفِ جَر کہنے کی یہ بھی ایک وجہ بیان کی گئی ہے۔ گو یہ وجہ ضعیف ہے اور فارسی اور اُردو میں تو اس کے سوا کوئی اور وجہ ہو ہی نہیں سکتی اس لیئے ہم بھی جارؔ[1] و مجرور کو جار مجرور ہی کہیں گے۔

جار و مجرور مل کر ہمیشہ متعلق فعل یا شبہ فعل ہوتے ہیں۔ جیسے میں نے زید کو اپنی آنکھ سے دیکھا۔ دیکھا فعل میں فاعل، نے علامتِ فاعل، زید مفعول، کو علامتِ مفعول سے جار۔ اپنی آنکھ بہ ترکیب اضافی مجرور۔ جار و مجرور متعلق فعل فعل اپنے فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ یہ جار مجرور کے فعل سے متعلق ہونے کی مثال ہے۔ شبہ فعل سے متعلق ہونے کی مثال سنو۔ زید گھر میں بیٹھا کتاب پڑھ رہا ہے۔ زید فاعل ذوالحال بیٹھا حال شبہ فعل میں جار۔ گھر مجرور۔ جار و مجرور متعلق شبہ فعل۔ حال اور ذوالحال مل کر فاعل کتاب مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

حال اور ذوالحال

جو لفظ فاعل یا مفعول کی ہیئت یا حالت ظاہر کرے اُس کو حال کہتے ہیں اور جس کی ہیئت یا حالت ظاہر ہو اُس کو مفعول۔

اُردو میں کئی طرح کے الفاظ ہیں جو حال کا فائدہ دیتے ہیں۔ اسم حالیہ تو حال ہی کے لیئے موضوع ہوا ہے۔ جیسے زید ہنستا جاتا تھا۔ کبھی اسم مفعول سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے

[1] جار اسم فاعل کا صیغہ ہے اور اس کے معنی ہیں کھینچنے والا یا کھینچ کر ملانے والا۔

خالد گھر میں بیٹھا ہوا کام کر رہا ہے۔ **شعر**

غالبؔ ہمیں نہ چھیڑ کہ پھر جوشِ اشک سے	بیٹھے ہیں ہم تہیۂ طوفاں کیے ہوئے

اسم مفعول کا ہوا اور ہوئے کبھی حذف بھی ہوتا ہے۔ جیسے خالد گھر میں بیٹھا کام کر رہا ہے
یا خالد ٹوپی اوڑھے جاتا تھا۔

کبھی امر مکرر ہو کر بہ زیادت کے یا کر حال واقع ہوتا ہے۔ جیسے **شعر**

نہیں بھولتا اُن کی رخصت کا وقت	وہ رُو رُو کے ملنا بلا ہو گیا
یونہیں وقت سو سو کے جو ہیں گنواتے	وہ خرگوش کچھوؤں سے ہیں کٹ کٹاتے[۱]

کبھی اسم صفت سے یہ فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ جیسے حامد خوش خوش پھر رہا ہے۔ حال کی تذکیر و
تانیث اور وحدت و جمع بلحاظ ذوالحال کے ہوتی ہے۔ مگر یہ قاعدہ صرف اسی صورت سے متعلق ہے

[۱] خرگوش اور کچھوے کی حکایت مشہور ہے اور منتخب الحکایات میں ان الفاظ میں لکھی ہے۔

حکایت - ایک کچھوے کو سفر در پیش تھا اس کی جستجو ہوئی کہ کوئی ساتھی ملے تو سفر کروں۔ اتفاق سے ایک خرگوش بھی اسی طرف کو جانے والا تھا کچھوے نے کہا میاں خرگوش آؤ ہم تم ساتھ چلیں خرگوش بے اختیار ہنسا اور کہا اے احمق کہاں تو بھدا بھیس۔ رینگ کر پہروں میں ایک بالشت زمین چلتا ہے اور کہاں میں بجلی کی مانند لپکتا ہوں ہوا کی طرح اُڑتا ہوں بھلا میرا اور تیرا کیا ساتھ۔ کچھوے نے کہا کہ یہ صحیح ہے مگر منزل پر خدا نے چاہا آپ سے آگے ہی پہنچوں گا یقین نہ ہو تو شرط باندھ لیجیے۔ چنانچہ یہ شرط ہوئی کہ جو ہارے اُس کے کان کاٹے جائیں۔ کچھوا آہستہ آہستہ لگا اپنی چال چلنے اور خرگوش تو دو چھلانگوں میں نظر سے غائب ہو گیا۔ تھوڑی دور آگے جا کر خرگوش نے سوچا کہ جتنا میں چل چکا ہوں شام تک تو کچھوے کو یہاں آنا مشکل ہے جلدی کیوں کروں لاؤ اور سو رہوں خرگوش آرام سے سو رہا کچھوا بڑی دیر کے بعد گھسٹتا گھسٹتا آیا دیکھا تو حریف پڑا سوتا ہے چپکے چل دیا۔ بڑی رات گئے خرگوش جاگا تو کچھوا نظر نہ آیا۔ آپ ہی آپ کہنے لگا اللہ رے سست قدم میاں کچھوے اب تک تشریف نہیں لائے۔ خیر چلیں سرائے میں رات رہیں۔ کل تو میاں کچھوے آہی جائیں گے۔ جوں سرائے میں قدم رکھا دیکھا تو کچھوا موجود۔ خرگوش کو دیکھتے ہی کچھوا لپکا کہ لائیے حضرت کان۔ خرگوش دُم دبا کر ایسا بھاگا کہ آج تک کانوں کے ڈر کے مارے بھاگا بھاگا پھرتا ہے۔

جب کہ حال اسم حالیہ ہو۔ دوسری صورتوں میں یہ بات نہیں جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

مستثنیٰ، مستثنیٰ منہ

جس چیز کو اوروں سے جدا کرتے ہیں اُس کو مستثنیٰ کہتے ہیں اور جن سے جدا کرتے ہیں اُن کو مستثنیٰ منہ اور جو لفظ مستثنیٰ کو مستثنیٰ منہ سے علیٰحدہ کرتا ہے اس کو حرف استثنا۔ جیسے احمد کے سوا سب آئے۔ ترکیب آئے فعل۔ سب مستثنیٰ منہ۔ سوا حرف استثنا احمد مستثنیٰ۔ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ مل کر فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

استثنا کی قسمیں حروفِ استثنا کے بیان میں مذکور ہوں گی۔

قَسَم اور مُقَسَّم بہ[1]

قسم اور مقسم بہ قائم مقام جملۂ فعلیہ ہوتے ہیں۔ جب کہتے ہیں خدا کی قَسم اُس کے یہ معنی ہوتے ہیں کہ میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔ قسم کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل۔ کلمہ قسم مضاف۔ خدا مقسم بہ مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول ہوئے۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

عربی میں قسم کے حروف واؤ۔ ب۔ ت ہیں۔ جیسے واللہ، باللہ، تاللہ اور یہ سب لفظ اقسم باللہ[2] کے معنوں میں آتے ہیں فارسی میں کہتے ہیں بخدا یعنی قسم میخورم۔ بخدا عربی ترکیب میں اقسم فعل یا فاعل ہے اور باللہ جار مجرور متعلق فعل۔ مفعول کوئی نہیں۔ اُردو میں کلمہ قسم اور مقسم بہ مفعول ہوتا ہے۔ مقسم بہ ایسا شخص ہوتا ہے جس کا ادب اور عظمت لوگوں کے دلوں میں ہوتی ہے۔ یہی سبب ہے کہ عموماً خدا کی جو سب سے اکبر و اعظم ہے قسم کھاتے ہیں۔

---

[1] جس کی قسم کھائیں۔

[2] میں خدا کی قسم کھاتا ہوں۔

کبھی مخاطب کے سر اور کبھی جان کی قسم کھاتے ہیں۔ جیسے تمہارے سر کی قسم۔ تمہاری جان کی قسم۔
قسم سے کلام کو موکد کرنا اور مخاطب کو اپنے قول کا یقین دلانا مقصود ہوتا ہے۔

ہندوستان میں بسا اوقات گفتگو میں واللہ باللہ بے ارادہ قسم بول دیتے ہیں۔

میر انشاء اللہ خاں نے اپنی ایک پوری غزل میں اتنی چیزوں کی قسمیں کھائی ہیں کہ اگر اُن کے نام گننے لگیں تو طبیعت اکتا جائے۔ انسان، پری، زمین، آسمان، دوزخ، بہشت، حور، غلمان، عرش، کرسی وغیرہ تو درکنار۔ بھتنے۔ چڑیل۔ لونا چاری۔ کلوا بیر اور شیطان تک کی قسمیں کھا ڈالیں مگر اس طرح پر خبیثات تک کی قسمیں کھانا بیہودگی اور مسخرہ پن ہے۔

ندا و منادیٰ

حرف ندا اور منادیٰ بھی جملۂ فعلیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ حروف ندا فعل اور فاعل کا کام دیتا ہے اور منادیٰ مفعول بہٖ کی جگہ آتا ہے جب کوئی کہتا ہے "اے خدا" تو اس کا یہ مطلب ہوتا ہے کہ میں خدا کو پکارتا ہوں۔ دیکھو "اے" نے "میں پکارتا ہوں" کے معنی دیئے جو فعل یا فاعل ہے اور خدا اس کا مفعول بہٖ ہے فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

منادیٰ معرفہ ہوتا ہے یا ایسا نکرہ جو ندا سے سمجھ جاتا ہے کہ مجھے پکارا ہے۔ جیسے **شعر**

او دامن اُٹھا کے جانے والے — ٹک ہم کو بھی خاک سے اُٹھا لے

حالی

ہو گرجتے جس قدر اُتنے برستے تم نہیں — اے نصیحو ہے یہ سب گفتار بے کردار ہیچ

کبھی منادیٰ کو دوسرے شخص کی کسی صفت یا صفات سے متصف سمجھ کر اُس شخص کے نام سے پکارتے ہیں۔ جیسے **مقتول**

کوئی ٹھوکر میری تربت پر لگا بہر خدا
اے مسیحا پھر ترے کشتے کو جاں درکار ہے

چونکہ حسبِ عقائدِ اہلِ کتاب حضرتِ عیسیٰ علیہ السلام بیماروں کو تندرست اور مُردوں کو زندہ کر دیتے تھے اس لیئے شاعر نے مخاطب کو اُن کی انھیں صفتوں سے متّصف سمجھ کر مسیحا کر کے پُکارا ہے۔

کبھی منادیٰ کا نام نہیں لیتے کسی صفت سے موصوف قرار دے کر ندا کرتے ہیں جیسے مصرع

اے خاصۂ خاصانِ رُسل وقتِ دُعا ہے

کبھی منادیٰ کو اُس کی کسی ذاتی صفت سے پکارتے ہیں اور مقصود یہ ہوتا ہے کہ وہ اپنی اُس صفت سے کام لے۔ جیسے مصرع

اے اکرم و ارحم کرم و رحم کی جا ہے

یہاں خدا کا نام نہیں لیا۔ اکرم و ارحم کہا ہے اس غرض سے کہ خدا کرم اور رحم کرے۔

بسا اوقات ایسی چیزوں کو بھی منادیٰ ٹھیرا لیتے ہیں جو ندا کے قابل نہیں ہیں جیسے میر

سب گئے دل سے صبر و تاب و تواں	لیکن اے داغ دل سے تو نہ گیا

حالی

ذرہ ذرہ ہے مظہرِ خورشید	جاگ اے آنکھ دن ہے رات نہیں
ہے پہنچنا اپنا چوٹی تک محال	اے طلب نکلا بہت اونچا پہاڑ

رُباعی

کھانے تو بہت میسّر آئے ہیں ہیں	جو دیکھ کے چکھ کے دل سے بھائے ہیں ہیں
پر سب سے لذیذ تھے وہ کھانے اے بھوک	جو تو نے کبھی کبھی کھلائے ہیں ہیں
تنگ ہے دل وُسعتِ دامانِ محشر دیکھ کر	اے جنوں ہم پاؤں پھیلاتے ہیں چادر دیکھ کر

ایک شاعر عمرِ گزشتہ سے بریں شکایت کہتا ہے شعر

روندے ہے مثلِ نقشِ قدم خلق یاں مجھے	اے عمرِ رفتہ چھوڑ گئی تو کہاں مجھے

آسمان کو پکارنا تو شعرا کی معمولی عادت ہے۔ اس لیئے کہ وہ ان پر جور و جفا کرتا رہتا ہے

اور یہ اُس کو کوستے رہتے ہیں۔

میر سلامت علی انیس کے مرثیے کے دو بند سنو اور دیکھو کہ ان میں کتنی اشیا نا قابلِ ندا کو پکارا ہے ؎

اے شمعِ قلم روشنیِ طور دکھا دے — اے لوحِ تجلّیِ رُخِ حور دکھا دے
اے بحرِ طبیعت گہرِ نور دکھا دے — اے شاہدِ معنیٰ رُخِ مستور دکھا دے
بزمِ غمِ شبیر میں وہ جلوہ گری ہو
خورشیدِ جہاں تاب چراغِ سحری ہو

اے طبعِ رسا خلد کا گلزار دکھا دے — اے باغِ سخن گلشنِ بے خار دکھا دے
اے شمعِ زباں لمعۂ انوار دکھا دے — اے حُسنِ بیاں خوبیِ گفتار دکھا دے
لرزاں ہے قدم خامۂ اعجاز رقم کا
ہاں تیغِ زباں کام تو کر آج قلم کا

کبھی دل کا نام لے کر پکارتے ہیں۔ خواجہ حالی دل سے بیزار ہو کر کہتے ہیں ؎

دُور ہو اے دلِ مآل اندیش
کھو دیا غم کا مزا تو نے

دل منادیٰ ہو تو جان کیوں نہ ہو ذوق کہتے ہیں ؎

ٹھیری ہی آن کے آنے کی یاں کل پہ جب صلاح
اے جانِ بر لب آمدہ اب تیری کیا صلاح

غرض اس قسم کی بہت سی چیزیں نا قابلِ ندا ہیں جن کو منادیٰ ٹھیرا لیتے ہیں۔

کبھی دوسرا پاس نہیں ہوتا اور اپنے آپ سے مشورت کرتے ہیں تو اپنے نام کو منادیٰ بنا لیتے ہیں جیسے "میں نے کہا محمد حسین سوچ کے کیا ہو خدا کا نام لے کر اس کام کو شروع کر ہی دو"

شاعر لوگ اپنے تخلص کو بھی منادیٰ بنا لیتے ہیں۔ خواجہ حیدر علی کہتے ہیں۔ شعر

نہ پوچھ عالمِ برگشتہ طالعی آتش ۔۔۔ برستی آگ جو باراں کی آرزو کرتے

کبھی اسم موصول کو منادیٰ ٹھیراتے ہیں مگر صرف نظم میں جیسے **شعر**

اے وہ کوئی جو آج پیئے ہے شرابِ عیش ۔۔۔ خاطر میں رکھیو کل کے بھی رنج و خمار کو

کبھی منادیٰ موصول کو حذف کر دیتے ہیں جیسے **قطعہ**

اے ترا پایہ فہم سے برتر ۔۔۔ اے ترا نام عرش پر مسطور
میں ترے در پہ سُن کے آیا ہوں ۔۔۔ نام تیرا شفیعِ روزِ نشور

یہاں ممدوح موصول محذوف ہے۔

معلوم رہے کہ اُردو میں موصول کو منادیٰ ٹھیرانا محض شعرائے عرب و فارس کے اتباع سے ہے اور بہت کم ہے۔

کبھی حسرت و افسوس کے موقع پر بخت و نصیب کو پکارتے ہیں۔ گلزارِ نسیم

عازم ہوا شب کو آتے ہی تخت ۔۔۔ یا قسمت یا نصیب یا بخت

کبھی کسی کو محض ازراہِ محبت پکارتے ہیں۔ ماں اپنے بچّے کو لوری دیتی ہوئی کہتی ہے ؎

اے میرے آرام جگر کے ۔۔۔ راحت دل کی نورِ نظر کے
سُکھ ماں کے اور چین پدر کے ۔۔۔ یعنی مقصد سارے گھر کے

سو رہ میرے پیارے بچّے

کبھی غیظ و غضب کے موقع پر غصّے کے لفظ بولتے اور ان پر حروفِ ندا زیادہ کرتے ہیں جیسے اے لعنتِ خدا۔ اے پھٹے مُنہ۔ ایسے موقع پر منادیٰ کوئی نہیں ہوتا۔

کبھی اپنے تئیں منادیٰ ٹھیرا کر دوسروں کو نصیحت کرتے اور حکمت کی بات بتاتے ہیں جیسے

شعر

جہاں میں حالیؔ کسی پہ اپنے سوا بھروسہ نہ کیجیے گا
یہ بھید ہے اپنی زندگی کا بس اس کا چرچا نہ کیجیے گا

کبھی منادیٰ ایک سے زیادہ ہوتے اور مؤخر ہوتے ہیں اور جواب ندا بھی متعدد ہوتے اور مقدم ہوتے ہیں تو مناداؤں میں جواب ندا کے لحاظ سے ترتیب ہوتی ہے۔ جیسے

شعر

تم میں وہ سوز نہ تم میں ہے وہ ایماں باقی	رہ گیا کیا ہے اب اے گبر و مسلماں باقی

اِس شعر میں پہلے جوابِ ندا کے لحاظ سے گبر منادیٰ پہلے اور دوسرے کے لحاظ سے مسلمان منادیٰ پیچھے ہے۔

گفتگو میں حرفِ ندا بہت کم لاتے ہیں۔ جیسے "شہزادی نے فرمایا محمود! کہو کہاں کہاں کی سیر کی۔ اتنے دن کہاں رہے۔ کب آئے کس ملک میں پھرے۔ ہمارے واسطے کیا کیا سوغات لائے۔ محمود نے کہا حضور کیا عرض کروں۔ میرا قصہ بہت دراز اور ماجرائے جاں گداز ہے (سرِشِ سخن)

منادیٰ قریب ہو تو بھی اکثر بلا حرفِ ندا پکارتے ہیں۔

دیکھو ماں اپنے سوتے ہوئے بچے کو جگانے کے لیئے پکارتی اور کہتی ہے۔ ؎

بس اُٹھ بیٹھو بیٹا بہت سو چکے	بہت وقت بیکار تم کھو چکے

نظم میں بھی بسا اوقات حرفِ ندا کو حذف کر دیتے ہیں۔ **شعر**

بدل دے اور دل اس دل کے بدلے	الٰہی تو تو ربّ العالمیں ہے

منادیٰ جمع ہو تو اکثر حرفِ ندا نہیں لاتے۔ جیسے **جرأت**

عزیزو کیا کہوں رونا میں اپنی چشمِ گریاں کا	ہیں کہتے ہی دریا گر نچوڑوں پاٹ داماں کا

ذوق

سینہ و دل پہ مرے زخم جگر ہنستے ہیں	ہنسنے دو چارہ گرو ہنستے ہی گھر بستے ہیں

مخاطب آنکھ کے سامنے نہ ہو تو بوقتِ خطاب اس کا نام لینا یعنی اُس کو منادیٰ ٹھیرانا ضرور ہے مگر کبھی خدا کو مخاطب کرتے ہیں تو کلمۂ ندا اور منادیٰ دونوں کو حذف کر دیتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ ہر چند خدا آنکھ سے غائب ہے مگر ہر جگہ موجود اور حاضر ہے۔ اِس لیئے

بعض اوقات متکلم ندا کی ضرورت نہیں سمجھتا۔ میرانیس خدا سے خطاب کرکے کہتے ہیں۔ رُباعی

گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے	بُلبُل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں جلوہ ہے تری قدرت کا	جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

ندبہ و مندوب

کسی کو یاد کرکے رونے یا تأسف کرنے کو ندبہ کہتے ہیں اور جس اسم پر حروف ندبہ داخل ہوں وہ مندوب کہلاتا ہے۔ ندبہ و مندوب ندا و منادیٰ کی طرح جملہ فعلیہ کے قائم مقام ہوتے ہیں۔ جیسے "ہائے زید"، "وائے نصیب" اس کے یہ معنی ہیں کہ میں زید کو روتا ہوں اور نصیب کا افسوس کرتا ہوں۔

کبھی مندوب مذکور نہیں ہوتا۔ جیسے **ذوق**

کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے	موت آئی تھی اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

مبیّن بیان

اور جملۂ بیانیہ

بسا اوقات کلام میں ایسا لفظ آتا ہے جس کا بیان ایک جملے میں کیا جاتا ہے اُس لفظ کو مبیّن کہتے ہیں اور اس جملہ کو اُس کا بیان اور چونکہ وہ جملہ بیانِ مبیّن واقع ہوتا ہے اس لیئے اُس کو جملۂ بیانیہ کہتے ہیں۔ جملہ بیانیہ کبھی فعلیہ ہوتا ہے کبھی اسمیہ اور اس کے شروع میں اکثر ایک کاف آتا ہے جس کو کاف بیانیہ کہتے ہیں۔ اگرچہ یہ کاف فارسی سے لیا گیا ہے مگر اُردو میں اس طرح آتا ہے کہ بقول مولوی محمد حسین صاحب آزاد اس کے بغیر کلام بے مزہ ہوجاتا ہے۔ حالی

زمیں دُوکھ بَن پھُول پھَل ریت پربتَ	یہ فریاد سب کر رہے ہیں بحسرت

کہ کل فخر تھا جن سے اہلِ جہاں کو		لگا ان سے عیب آج ہندوستاں کو	

دوسری بیت فریاد کا بیان ہے۔ مقتول

زندہ کرنے کو تو آتا وہ مسیح		کی خطا میں نے کہ مر ہی نہ رہا	

کبھی مبیّن محذوف ہوتا ہے۔ جیسے مصرع

ہوتی آئی ہے کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں

یعنی یہ بات کہ اچھوں کو بُرا کہتے ہیں ہوتی آئی ہے۔

کبھی بیان مقدم ہوتا ہے اور مبیّن مؤخّر۔

ذوق

تو نے گُل کو سر پہ جب رکھّا چمن میں توڑ کر		میں بھی حاضر ہوں کہا غنچے نے یہ مُنہ پھوڑ کر	

یعنی غنچے نے منہ پھوڑ کر یہ کہا کہ میں بھی حاضر ہوں۔

مگر یاد رکھو کہ جو جملہ بیانیہ کہنا اور فرمانا اور ارشاد کرنا اور ارشاد فرمانا اور بولنا کے فعلوں کے ساتھ آتا ہے اُس کو مقولہ کہتے ہیں۔

جملۂ دعائیہ

وہ جملہ ہے جس میں دعا پائی جائے۔ جیسے "خدا تم کو سعادتمند کرے" کرے فعل خدا فاعل۔ تم مفعول اوّل۔ کو علامتِ مفعول۔ سعادتمند مفعول ثانی۔ فعل اپنے فاعل اور دونوں مفعولوں کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔ یہ ضرور نہیں کہ جملۂ دعائیہ میں دعائے نیک ہو بلکہ اگر دعائے بد ہو تو بھی اُس کو جملہ دعائیہ کہتے ہیں۔ جیسے آباد۔

باغ سے اُس نے اُجاڑا آشیانِ عندلیب		خشک دستِ ظلم ہو یارب کہیں صیاد کا	

مصرع ثانی میں صیاد کا دستِ ظلم خشک ہو۔ بد دعا ہے اور یہ جملہ جملۂ دعائیہ ہے۔ ترکیب۔ اُجاڑا فعل۔ اُس ضمیر بارز جو صیاد کی طرف پھرتی ہے فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ آشیاں

مضاف۔ عندلیب مضاف الیہ۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول سے حرفِ جر۔ باغ مجرور۔ جار و مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ یارب ندا و منادیٰ قائم مقام جملۂ فعلیہ۔ ہو فعلِ ناقص۔ دستِ ظلم مضاف اور مضاف الیہ مل کر مضاف۔ صیاد مضاف الیہ۔ کا علامتِ اضافت۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر اسم ہوا۔ خشک خبر۔ کہیں ظرفِ زمان متعلق فعل۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوا جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملہ فعلیہ دعائیہ ہوا۔ مثنوی گلزار نسیم میں بکاولی بد دعا دیتی ہے۔ **بیت**

جس کف میں ہو گل وہ داغ ہو جائے		جس گھر میں ہو گل چراغ ہو جائے	

ایک اور شعر سنو اس میں دعا اور بد دعا دونوں ہیں اور دونوں جملے دعائیہ ہیں۔

ذوق

رکھے صحت سے ہمیشہ شافیِ مطلق تجھے		جو ترے بدخواہ ہوں وہ رنج میں ہوں مبتلا	

جملۂ معترضہ

کبھی ایک بات پوری نہیں کرتے کہ بیچ میں ایک اور جملہ بول دیتے ہیں اور وہ ایسا جملہ ہوتا ہے کہ اگر نہ بھی بولیں تو کلام میں خلل نہیں پڑتا۔ ایسے جملے کو جملۂ معترضہ کہتے ہیں۔ جیسے زید خدا بہشت نصیب کرے بہت نیک آدمی تھا۔ یہاں خدا بہشت نصیب کرے جملہ معترضہ ہے۔ **شعر**

قطعِ امید نے دل کر دیے یکسو صد شکر		شکل مدت میں یہ اللہ نے دکھلائی ہے	

یہاں صد شکر جملۂ معترضہ ہے۔

جملۂ معترضہ اکثر جملے کے دو جزوں کے بیچ میں آتا ہے۔ کبھی آخر میں واقع ہوتا ہے اور اصل میں اُس کی جگہ جملے کے درمیان ہوتی ہے۔ جیسے **مرزا غالب**

رہا گر کوئی تا قیامت سلامت		پھر اک روز مرنا ہے حضرت سلامت	

یہاں حضرت سلامت جملۂ معترضہ ہے اور اصل میں عبارت یوں ہے کہ اگر کوئی قیامت تک سلامت رہا تو اے حضرت آپ سلامت رہیں یا خدا آپ کو سلامت رکھے ایک روزمرّہ ضرور ہے۔

شبہ فعل

شبہ فعل کا ذکر کہیں کہیں پہلے بھی آیا ہے۔ مگر بطور اجمال۔ یہاں کسی قدر تفصیل سے بیان کرتے ہیں جس طرح فعل، فاعل اور مفعول اور متعلقات کو چاہتا ہے اسی طرح کبھی مصدر، اسم فاعل اسم مفعول اسم صفت اور اسم حالیہ بھی فاعل اور مفعول وغیرہ کو چاہتے ہیں۔ اس صورت میں ان کو شبہ فعل یا مشابہ فعل کہتے ہیں کیونکہ فاعل اور مفعول وغیرہ کے چاہنے میں یہ بھی فعل کا حکم رکھتے ہیں۔ سب کی مثالیں سُنو۔

مصدر | بُری صحبت میں بیٹھنا نہایت مُضر ہے۔ ہے فعل ناقص۔ بیٹھنا مصدر شبہ فعل۔ میں حرف جار صحبت موصوف بُری صفت موصوف وصفت مل کر مجرور۔ جار ومجرور متعلق شبہ فعل۔ شبہ فعل اپنے متعلق کے ساتھ مل کر اسم ہوا۔ نہایت مضر خبر فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔

اسم فاعل | مصرع "چین تجھکو بھی نہ ہو ہم کو ستانے والے"

یعنی اے ہم کو ستانے والے تجھ کو بھی چین نہ ہو۔ ستانے والے (اسم فاعل) شبہ فعل ہم مفعول۔ کو علامتِ مفعول۔

اسم مفعول | "زبان سے نکلی ہوئی بات پر اختیار نہیں رہتا" فعل منفی اختیار فاعل۔ پر جار۔ بات موصوف۔ نکلی ہوئی (اسم مفعول) شبہ فعل۔ زبان سے جار مجرور متعلق شبہ فعل شبہ فعل اپنے متعلق کے ساتھ مل کر صفت۔ صفت موصوف مل کر مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔ ذوق

پھروں کھینچے ہوئے کوسوں میں اپنے زورِ وحشت سے	اگر بندھ جائے میرے دامنِ کہسار دامن سے

یعنی اگر دامنِ کہسار میرے دامن سے بندھ جائے تو میں اپنے زورِ وحشت سے اُسے کوسوں کھینچے ہوئے پھروں۔ کھینچے ہوئے لفظاً اسم مفعول یعنی شبہ فعل ہے اور "اُسے" کھینچے ہوئے کا مفعول ہے۔ ترکیب میں شبہ فعل اپنے مفعول کے ساتھ مل کر حال ہے۔

اسم صفت "زید خالد پر مہربان ہے" یہاں خالد پر جار مجرور مہربان کے متعلق ہے۔

اسم حالیہ "میں نے زید کو آنسو پونچھتے دیکھا"۔ پونچھتے (اسم حالیہ) شبہ فعل ہے اور آنسو اُس کا مفعول۔ اس فقرے کی ترکیب یوں ہے۔ دیکھا فعل۔ میں فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ زید مفعول ذوالحال۔ کو علامتِ مفعول۔ پونچھتے شبہ فعل۔ آنسو مفعول۔ شبہ فعل اپنے مفعول کے ساتھ مل کر حال۔ حال اور ذوالحال مل کر مفعول۔ فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

مُرکّب جملے

بعض جملے ایسے ہوتے ہیں کہ دو جملوں سے مل کر بنتے ہیں یا دوسرے جملے کو پہلے جملے سے کسی طرح کا تعلق ہوتا ہے۔ ایسے جملوں کو مُرکّب جملے کہتے ہیں۔ ان کی ضروری قسمیں یہ ہیں:

جُملۂ معطوفہ یا عاطفہ

جملۂ معطوفہ یا عاطفہ وہ جملہ ہے جس میں حرفِ عطف ہو۔ مذکور ہو یا محذوف حرفِ عطف سے پہلے جملے کو معطوف علیہ کہتے ہیں اور پچھلے کو معطوف۔ جیسے زید آیا اور عمر گیا۔ آیا فعل زید فاعل فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ گیا فعل عمر فاعل فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر معطوف۔ معطوف علیہ اور معطوف مل کر جملۂ معطوفہ یا عاطفہ ہوا۔

فائدہ۔ اگر معطوف علیہ اور معطوف مفرد ہوں اور دونوں کسی اسم کی خبر ہوں تو وہ فعل ناقص (ہے) مفرد آئے گا۔ جیسے خدا علیم و خبیر ہے اور اگر اسم کا عطف اسم پر یا فاعل کا فاعل پر یا

مفعول قائم مقام فاعل کا مفعول قائم مقام فاعل پر ہو تو اُن کے ذوی العقول ہونے کی صورت میں خبر اور فعل کو جمع لائیں گے۔ جیسے حامد اور محمود ذہین لڑکے ہیں۔ رام داس اور شیام لال آئے زید اور عمرو پائے گئے اور اگر غیر ذوی العقول ہوں تو فعل مفرد آتا ہے۔ مگر فعل اور خبر کی تذکیر و تانیث بہ لحاظ معطوف کے ہوگی۔ جیسے میز پر کاغذ اور قلمدان رکھا ہے۔ قلم اور دوات رکھی ہے۔ تلوار اور نیزہ لیا ہے۔ گاڑی اور یکہ چلا۔ گھوڑا اور سانڈنی چلی۔ روٹی اور سالن کھایا۔ میوہ اور مٹھائی کھائی۔

اور اگر کوئی لفظ جمعیت کی تاکید کے لیئے آئے تو فعل اور خبر دونوں کو جمع بولنا ضرور ہے۔ جیسے نیزہ اور تلوار دونوں دیدیئے۔ دوات اور قلم دونوں رکھے ہیں پچھلا فقرہ فعل اور خبر دونوں کی مثال ہو سکتی ہے۔

اور اگر جمعیت میں تذکیر و تانیث کا اختلاف ہو تب بھی معطوف کا لحاظ ہوگا۔ جیسے ایک کٹورا اور دو رکابیاں رکھی ہیں۔ سب کچھوے اور کشتیاں بہ گئیں۔

اور اگر عطف بذریعہ حرفِ تردید کے ہو تو اگر معطوف اور معطوف علیہ مفرد اور مطابق ہوں تو خبر یا فعل مفرد آئے گا۔ جیسے زید یا عمرو آیا تھا یا نرگس یا موہن آئی تھی۔ باقی اختلاف کی صورتوں میں وہی حال ہوگا جو بیان ہوا۔ جیسے کوئی عورت یا مرد آیا تھا۔

تنبیہ معطوف علیہ اور معطوف دونوں جملے منفی ہوں اور اس قسم کا کلام ہو کہ نہ زید آیا نہ عمرو یا نہ نہ تو زید آیا نہ عمرو یا نہ تو زید ہی آیا نہ عمرو۔ تو اکثر اہلِ پنجاب ایسے جملۂ معطوفہ میں حرفِ نفی کے ساتھ لفظ ہی لگا دیتے ہیں۔ یہ صحیح نہیں۔

فائدہ فعل معطوف کلام میں دو طرح سے آتا ہے۔ ایک تو دونوں اجزائے فعل کے مفعول اور متعلقات علیحدہ علیحدہ ہوتے ہیں۔ اس صورت میں فعل اوّل کو صرف فعل کہنا چاہیئے اور فاعل اور مفعول اور متعلقات کے ساتھ ملا کر جملہ معطوف علیہ۔ کیونکہ ایسے افعال حقیقت میں دو جُدا گانہ جملے ہوتے ہیں اور ایسے جملوں میں فعل اوّل کے ہو چکنے کے بعد دوسرا فعل صادر

ہوتا ہے۔ جیسے زید گھر سے کھانا کھا کر مدرسہ گیا۔ اس کے یہ معنی ہیں کہ زید نے گھر سے کھانا کھایا اور مدرسہ گیا۔ ترکیب یوں ہوگی۔ کھا کر فعل۔ زید فاعل۔ کھانا مفعول۔ گھر سے جار مجرور متعلق فعل۔ فعل فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ۔ گیا فعل۔ زید فاعل مدرسہ ظرف مکاں متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر معطوف۔ معطوف علیہ مع معطوف جملۂ معطوفہ یا عاطفہ ہوا۔

دوسرے مفعول اور متعلقات جُدا جُدا نہیں ہوتے۔ اس صورت میں فعل کے دو حصے کرنے کی ضرورت نہیں۔ جیسے خالد نے بیٹھ کر کھانا کھایا۔ اس کی ترکیب یوں ہوگی۔ بیٹھ کر کھایا فعل معطوف۔ خالد فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ کھانا مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول سے مل کر جملۂ فعلیہ ہوا۔

جملۂ شرطیہ

جس میں پہلا جملہ شرط ہو اور دوسرا جزا۔ شرط کے جملے کے آغاز میں شرط کا حرف اور جزا کے جملے کے شروع میں جزا کا حرف آتا ہے۔ جیسے **غالب**

گو میں رہا رہینِ ستمہائے روزگار
لیکن ترے خیال سے غافل نہیں رہا

پہلا مصرع شرط ہے اور دوسرا جزا۔ پہلے کے آغاز میں گو حرفِ شرط موجود ہے اور دوسرے کے شروع میں لیکن حرفِ جزا۔

ترکیب میں شرط کے جملے کو شرط اور جزا کے جملے کو جزا کہتے ہیں۔

اوج

جب تھا زرِ گُل کیسۂ غنچہ کی گرہ میں		بلبل پڑی گُچھرّے اُڑاتی ہی تھی اکثر	

کبھی شرط کا حرف حذف ہو جاتا ہے۔ **راقم**

جنگل میں جا بسیں تو عدو خار خار ہے		گھر میں ہیں تو گھر کی زمیں آسماں ہے اب	

کبھی حرفِ جزا بھی محذوف ہو جاتا ہے۔ اس بند کے پہلے مصرع اور تیسرے شعر کو دیکھو ؎

	ہو میلا جہاں گم ہوں دھوبی اگر سب		جو سقے نہ ہوں جی سے جائیں گزر سب	
	جو تھڑ جائیں مہتر تو گندے ہوں گھر سب		بنے دم پہ گر شہر چھوڑیں نفر سب	

یہ کر جائیں ہجرت جو شاعر ہمارے
کہیں مل کے خس کم جہاں پاک سارے

یعنی اگر سقے نہ ہوں تو سب لوگ جی سے گزر جائیں اور اگر ہمارے شاعر ہجرت کر جائیں تو سب مل کر کہیں کہ خس کم جہاں پاک۔ شرط عموماً جزا پر مقدم ہوتی ہے لیکن کبھی جزا کو شرط سے پہلے لاتے ہیں۔ مگر اس صورت میں حرفِ جزا واجب الحذف ہوتا ہے۔ باستثنائے تب کے جیسا حروفِ جزا کی بحث میں بیان ہوگا۔ خواجہ حالی کہتے ہیں۔ **شعر**

	سدا اپنی گاڑی کو گر آپ ہانکو		آڑے وقت تم دائیں بائیں نہ جھانکو	
	یہ گر ناصح کو بتلانا پڑے گا		نصیحت بے اثر ہے گر نہ ہو درد	

مصرع۔ برق ہی گرتی اگر بارانِ رحمت مانگتا

شرط اور جزا کے حروف کا مفصل حال حروف کی فصل میں لکھیں گے یہیں نہیں تو۔ ورنہ دگرنہ۔ یہ ایسے الفاظِ شرط ہیں جن میں فعل کی نفی پائی جاتی ہے اور کلام ماسبق کے خلاف مطلب ظاہر کرتے ہیں اور چونکہ پورے جملے کے معنی دیتے ہیں اس لئے قائم مقام جملۂ شرط ہوتے ہیں ”جیسے علم پڑھو ورنہ ذلیل رہو گے“

ترکیب۔ پڑھو فعل۔ تم ضمیر مستتر فاعل۔ علم مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر معطوف علیہ ہوا۔ ورنہ (جس کے یہ معنی ہیں ”اور اگر علم نہ پڑھو گے“) قائم مقام جملۂ شرطیہ ہو گے فعل ناقص۔ تم ضمیر مستتر اسم۔ ذلیل خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر جزا ہوئی شرط کی۔ شرط جزا کے ساتھ مل کر جملۂ شرطیہ ہو کر معطوف ہوا۔ معطوف علیہ مع معطوف جملۂ عاطفہ ہوا۔ **شعر**

اِک سنبھلتے ہم نظر آتے نہیں		ورنہ گر گر کر گئے لاکھوں سنبھل	

کبھی محاورے میں شرط اور جزا کے حروف مستعمل نہیں ہوتے بلکہ دونوں جملوں کے درمیان آور کا لفظ آتا اور فی الفور کے معنی دیتا ہے۔ جیسے "سنکھیا مہلک چیز ہے۔ کھایا اور ہلاک ہوا" یعنی اگر کوئی سنکھیا کھائے اُسی دم ہلاک ہو جائے۔ کبھی شرط کے مقام پر ماضی مستقبل کا کام دیتی ہے۔ اُستاد اپنے اسکول کے شوخ لڑکے سے کہتا ہے "اگر پھر شوخی و شرارت کی تو پٹو گے"

جملۂ مُعَلَّلَہ

جس میں دوسرا جملہ پہلے کی علت یعنی سبب واقع ہو۔ پہلے جملہ کو معلول کہتے ہیں۔ دوسرے کو علت۔ حالی

عجب نہیں کہ رہے نیک و بد میں کچھ نہ تمیز		کہ جو بدی ہے وہ سانچے میں ڈھلتی جاتی ہے

کبھی حرفِ علت حذف ہو جاتا ہے۔ جیسے ؎

کرو علم سے اکتسابِ شرافت		نجابت سے ہے یہ شرافت زیادہ	

ترکیب۔ کرو فعل۔ تم ضمیر مستتر فاعل۔ اکتساب شرافت بہ ترکیبِ اضافی مفعول۔ علم سے جار مجرور متعلق فعل فعل فاعل اور مفعول اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر معلول ہوا۔ کیونکہ حرفِ علت محذوف۔ ہے فعل ناقص۔ یہ اسم اشارہ۔ شرافت مشارٌ الیہ۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ مل کر اسم۔ زیادہ خبر۔ نجابت سے جار مجرور متعلق خبر فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر علت ہوئی معلول کی۔ معلول اور علت مل کر جملۂ معللہ ہوا۔

جملۂ ندائیہ

جملۂ ندائیہ وہ ہے جس میں ندا اور منادیٰ آئیں۔ اس جملہ میں ندا اور منادیٰ کے علاوہ ایک اور جملہ آتا ہے جس کو جوابِ ندا کہتے ہیں (جوابِ ندا اُس بات کو کہتے ہیں جس کے لئے پکاریں) جوابِ ندا کبھی جملۂ فعلیہ ہوتا ہے۔ کبھی اسمیہ۔ جیسے اے خدا کرم کر۔ **ترکیب**۔ اَے حرفِ ندا

خدامنادیٰ۔ ندااور منادیٰ مل کر قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا ہوئی۔ کرفعل تو ضمیرِ مستتر فاعل۔ کرم مفعول فعل اپنے فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔

جملۂ اسمیہ کی مثال "اے خدا ہم تیرے فضل وکرم کے اُمیدوار ہیں"

اے خداوندا و منادیٰ قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا۔ ہیں فعل ناقص۔ ہم اسم۔ امیدوار مضاف۔ فضل وکرم بہ ترکیبِ عطفی مضاف۔ تیرے مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مل کر مضاف الیہ اُمیدوار مضاف کا۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا اپنے جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔

جُملۂ قَسَمیَہ

جس میں قَسَم اورمُقسَم بہ ہوں۔ جس طرح جملۂ ندائیہ میں ایک جملہ جواب ندا ہوتا ہے اسی طرح جملۂ قسمیہ میں ایک جملہ جوابِ[1] قسم ہوتا ہے۔ جیسے "خدا کی قسم یہ کام میں نے نہیں کیا"

ترکیب۔ قسم کلمۂ قسم مضاف۔ خدا مُقسَم بہ۔ کی علامتِ اضافت قسم اور مقسم بہ مل کر قسم ہوئی۔ نہیں کیا فعلِ منفی۔ میں فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ یہ اسم اشارہ کام مشارٌ الیہ۔ اشارہ اور مشارٌ الیہ مل کر مفعول فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم جواب کے ساتھ مل کر جملۂ قسمیہ ہوا۔

کبھی قَسَم پُورا جُملہ ہوتا ہے اور اس صورت میں جوابِ قسم کے شروع میں ایک کاف زائد آتا ہے۔ جیسے میں خدا کی قسم کھاتا ہوں کہ میں نے زید کو نہیں مارا۔

ترکیب۔ کھاتا ہوں فعل۔ میں فاعل قسم مضاف۔ خدا مضاف الیہ۔ کی علامتِ اضافت۔ مضاف اور مضاف الیہ مل کر مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر قسم ہوئی۔ کاف زائد

---

[1] وہ بات جس کے لیے قسم کھائیں۔

نہیں مارا فعل۔ ہیں فاعل۔ نے علامتِ فاعل۔ زید مفعول۔ کو علامتِ مفعول۔ فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جواب ہوا قسم کا۔ قسم اور جواب مل کر جملۂ قسمیہ ہوا۔

جُملۂ مَندوبیہ

جس میں ندبہ اور مندوب ہوں۔ یہ جملہ بھی جملۂ ندائیہ کی طرح کا ہے اور اس میں ایک جملہ جوابِ ندبہ ہوتا ہے۔ جیسے "ہائے زید تو ہمیں داغِ مفارقت کیوں دے گیا؟" ترکیب۔ ہائے حرفِ ندبہ زید مندوب۔ ندبہ مندوب مل کر قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندبہ ہوا۔ دے گیا فعل۔ تو فاعل۔ ہمیں مفعولِ اوّل۔ داغِ مفارقت بہ ترکیب اضافی مفعول ثانی۔ کیوں حرفِ استفہام فعل فاعل اور مفعولوں کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جوابِ ندبہ ہوا۔ ندبہ اور جواب مل کر جملۂ مندوبہ ہوا

جُملۂ تفسیریہ

جملۂ تفسیریہ وہ جملہ ہے جس میں دوسرا جملہ بطور بیان جملۂ سابقہ واقع ہو یعنی اگر پہلے جملے میں کوئی بات وضاحت طلب ہو تو دوسرا اُس کی توضیح کر دے۔ پہلے جملے کو جس کا مطلب زیادہ وضاحت و تشریح سے بیان کیا جائے مُفسَّر (بفتح سین مشدّد) کہتے ہیں اور دوسرے کو تفسیر یا مُفَسِّر (بکسر سین مشدّد)

	مؤمن	
وہی یعنی وعدہ نباہ کا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو		وہ جو ہم میں تم میں قرار تھا تمھیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو

اس شعر میں دوسرا مصرعہ پہلے کی تفسیر یا بیان ہے۔ پہلے مصرع سے صرف یہ معلوم ہوتا تھا کہ مخاطب نے کوئی وعدہ کیا تھا جس کو شاعر یاد دلا رہا ہے لیکن یہ معلوم نہیں ہوتا تھا کہ وہ وعدہ کیا تھا۔ دوسرے مصرع میں کھول کر بیان کر دیا کہ وہ وعدہ نباہ کا تھا۔ تو پہلا مصرع مُفسَّر ہے اور دوسرا تفسیر اور دونوں مل کر جملۂ تفسیریہ ہے۔

جملۂ تشبیہیہ

وہ جملہ ہے جو بطور تشبیہ جملۂ سابقہ مذکور ہو ایسے جملوں میں پہلے جملے کو جملۂ مشبہ کہتے ہیں مولوی حالیؔ حکیم محمود خاں مرحوم کے مرثیے میں لکھتے ہیں ؎

مرتا تھا کامل تو کامل تر نظر آتا تھا یاں	سورج آتا تھا نکل جب چاند چھپ جاتا تھا یاں

مصرع ثانی میں شخص کامل کے مرجانے کو چاند کے چھپ جانے سے اور کامل تر کے نظر آنے کو سورج کے نکل آنے سے تشبیہ دی ہے۔

ترکیب - جب حرفِ شرط محذوف - مرتا تھا فعل کامل فاعل فعل اور فاعل مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر شرط ہوئی - تو حرفِ جزا - نظر آتا تھا فعل - کامل تر فاعل - یاں ظرفِ زمان متعلق فعل فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جزا ہوئی - شرط جزا کے ساتھ مل کر جملۂ شرطیہ مُشبّہ ہوا جب حرفِ شرط - چھپ جاتا تھا فعل - چاند فاعل - یاں ظرفِ زمان متعلق فعل فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر شرط مؤخر - نکل آتا تھا فعل - سورج فاعل فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جزائے مقدم - شرط جزا کے ساتھ مل کر جملۂ شرطیہ ہو کر جملۂ تشبیہیہ ہوا کلامِ ماسبق کا -

جملۂ تمثیلیہ

جو پہلے جملے کی تمثیل واقع ہو - پہلے جملے کو مُمثّل کہتے ہیں - **شعر**

دیکھ اللہ ہے چھوٹوں کو بڑائی دیتا
آسماں آنکھ کے تِل میں ہی دکھائی دیتا

دوسرا مصرع پہلے مصرع کی تمثیل واقع ہوا ہے - **شعر**

جو کہ ظالم ہے وہ ہرگز پھولتا پھلتا نہیں	سبز ہوتے کھیت دیکھا ہے کہیں شمشیر کا

ترکیب۔ جو کہ موصول ہے فعل ناقص۔ وہ ضمیر مستتر (جو موصول کی طرف پھرتی ہے) اسم ظالم خبر۔ فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ وہ ہرگز بھولتا نہیں جملۂ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر ممثل ہوا۔ دیکھا ہے فعل کسی سے فاعل محذوف۔ کیفیت شمشیر کا یہ ترکیب اضافی ذوالحال۔ سبز ہوتے حال کہیں ظرف متعلق حال۔ ذوالحال اور حال مل کر مفعول فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر جملۂ تمثیلیہ ہوا کلام ماسبق کا۔

جُملۂ مُدَلّلہ

جس میں دوسرا جملہ بطور دلیل جملۂ اوّل ہو۔ پہلے جملے کا نام مُدلّل ہے۔

	مقتول	
خاک کو افلاک میں	بیشتر دیکھا ہے اُڑتے	سربلندی ہی جہاں میں خاکساروں کو نصیب
	ذوق	
اگر ہی عید کا اِک دن تو عشرہ ہی محرم کا		جہاں میں عرصہ عشرت سے ہوا دہ چند ہی غم کا

اِن دونوں شعروں میں دوسرے مصرعے پہلے مصرعوں کی دلیل ہیں کبھی دلیل کا لفظ ظاہر لاتے ہیں۔ جیسے ناسخ

دلیل اس پر جُدا ہونا ہی یاں طفلانِ توام کا		ازل سے جو کہ ہیں باہم جُدا ہوتے ہیں دنیا میں

جُملۂ مُستانفہ

بعض اہلِ قواعد جملۂ مُستانفہ کی یوں تعریف کرتے ہیں کہ جب کسی پہلے جملے سے کوئی سوال پیدا ہو اور دوسرا جملہ اُس کا جواب ہو تو دوسرا جملہ جملۂ مستانفہ ہے۔ مگر اس تعریف سے یہ بڑی مشکل پیش آتی ہے کہ ہر جگہ جملۂ مستانفہ میں سوال و جواب پیدا کرنا پڑتا ہے اور

بہت سے ایسے مقام ہیں جہاں سوال اور جواب پیدا ہو نہیں سکتے اور پیدا ہوتے ہیں تو نہایت تکلف سے۔ اس لیئے ہم ایسی تعریف کرتے ہیں جس سے ایسی دقت پیش نہ آئے۔
جملۂ مستانفہ وہ جملہ ہے جس کو جملہ سابقہ سے معنیً تو ربط ہو اور لفظاً کچھ تعلق نہ ہو۔ جیسے **شعر**

پھل کچھ اے نخلِ وفا تجھ میں نہیں		جو لگائے گا تجھے پچتائے گا	

دوسرا مصرع جملۂ مستانفہ ہے۔

ترکیب۔ اے نخلِ وفا۔ ندا و منادیٰ قائم مقام جملۂ فعلیہ ہو کر ندا ہے فعل ناقص محذوف نہیں کلمۂ نفی پھل اسم۔ کچھ حرف تنکیر۔ موجود خبر محذوف فعل ناقص اسم اور خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہو کر جواب ہوا ندا کا۔ ندا جواب کے ساتھ مل کر جملۂ ندائیہ ہوا۔ جو اسم موصول لگائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر جو پھرتی ہے موصول کی طرف فاعل۔ تجھے مفعول فعل فاعل اور مفعول کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلے کے ساتھ مل کر مبتدا۔ پچتائے گا فعل۔ وہ ضمیر مستتر فاعل فعل اور فاعل جملۂ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ مستانفہ ہوا۔ **حالی**

دولت نے کہا مجھ سے ہی عزت جہاں		فرمایا ہنر نے میں ہوں عزت کا نشاں	
عزت بولی غلط ہے دونوں کا بیاں		میں بھید ہوں حق کا جو ہے نیکی میں نہاں	

پچھلے تینوں مصرعے جملہ ہائے مستانفہ ہیں۔
استیناف کے معنی جُدا ہونے کے ہیں۔ چونکہ جملۂ مستانفہ پہلے جملے سے جُدا ہوتا ہے اس لیئے اس کو مستانفہ کہتے ہیں۔

موصول اور صلہ

موصول اور صلہ کا بیان جملۂ اسمیہ کی فصل میں ہونا چاہیئے تھا۔ اس لیئے کہ موصول اور صلہ مل کر ہمیشہ مبتدا ہوتے ہیں اور ان کے بعد کا جملہ خبر ہوتا ہے مگر چونکہ صلہ اور خبر جملۂ فعلیہ

بھی ہوتا ہے اور ترکیب بیان کرنے کے لیئے جملۂ فعلیہ کا بیان پہلے ضرور تھا۔ اس لیئے اس کے بیان کو مؤخر کر دیا گیا۔

جو۔ جو جو۔ جو کہ۔ وہ جو۔ وہ کہ۔ جو کوئی۔ جونسا جس کو جس جس کو۔ جن کو۔ جن جن کو۔ جسے جنھیں جس نے۔ جس جس نے۔ جنھوں نے۔ جو شخص۔ جو جو شخص۔ جو چیز۔ جو جو چیز۔ جون سی۔ جون جون سی چیز۔ جو کچھ۔ جو کچھ بھی۔ جہاں[1]۔ جہاں جہاں جب۔ جب جب۔ جس وقت جس دم جوں جوں۔ جدھر۔ جیسا۔ جیسا جیسا۔ جیسے۔ جیسے جیسے۔ جیسی۔ جیسی جیسی۔ جتنا۔ جتنے۔ جتنی۔ یہ سب اسمائے موصولہ ہیں اور چونکہ اسمائے موصولہ کے ضمن میں شرط کے معنی بھی پائے جاتے ہیں اس لیئے بعض اسماء کی خبر میں جزا کا حرف بھی آتا ہے۔ مثلاً جیسا کے مقابل ویسا۔ جہاں کے مقابل وہاں۔ جدھر کے مقابل اُدھر۔ جتنا کے مقابل اُتنا۔

ذوق

بد نہ بولے زیرِ گردوں گر کوئی میری سُنے	ہے یہ گنبد کی صدا جیسی کہے ویسی سُنے

"جیسا کرو گے ویسا پاؤ گے" مصرع

جدھر دیکھتا ہوں اُدھر تو ہی تو ہے

"جتنا گڑ ڈالو گے اُتنا ہی میٹھا ہوگا" مصرع

جہاں دیکھا وہاں تجھ کو ہی پایا

پہلے جونسا کے مقابل وُونسا اور جُوں جُوں کے مُوں مُوں بولتے تھے۔ اب متروک ہیں لیکن جُوں جُوں کے مقابل تُوں تُوں اب بھی بولتے ہیں مگر کم۔ جو کے مقابل سو بھی بولتے ہیں جیسے شعر

قسمت میں جو لکھا ہی سو دیکھا ہی اب تلک	اور آگے دیکھئے ابھی کیا کیا ہیں دیکھنے

شعر

نکھرتے ہیں جو یاں وہ گدلاتے بھی ہیں	چمکتے ہیں جو یاں وہ گہناتے بھی ہیں

[1] جہاں۔ جہاں جہاں۔ جب جب۔ جُوں جُوں۔ حروفِ شرط بھی ہیں اور ہم ان کو فصلِ حروف یعنی حروفِ شرط میں لکھینگے

ترکیب۔ جو اسم موصول۔ نخر تے ہیں فعل۔ وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل۔ یاں ظرف متعلق فعل۔ فعل فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر صلہ ہوا۔ موصول صلہ مل کر مبتدا۔ گدلاتے ہیں فعل۔ وہ فاعل۔ بھی تاکید۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر خبر۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔ اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب ہے۔ **شعر**

جو کچھ کہ ہوا ہوا کرم سے تیرے	جو کچھ ہو گا ترے کرم سے ہو گا

ترکیب۔ جو کچھ کہ اسم موصول۔ ہوا فعل۔ وہ ضمیر مستتر راجع بسوئے موصول فاعل۔ فعل فاعل کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر مبتدا ہوا۔ ہوا فعل وہ ضمیر مستتر فاعل۔ سے حرف جر۔ کرم مضاف۔ تیرے مضاف الیہ۔ مضاف و مضاف الیہ مجرور۔ جار مجرور متعلق فعل۔ فعل اپنے فاعل اور متعلق کے ساتھ مل کر جملۂ فعلیہ ہو کر خبر ہوئی۔ مبتدا خبر کے ساتھ مل کر جملۂ اسمیہ ہوا۔ اسی طرح دوسرے مصرع کی ترکیب کرو۔ **حالی**

جو کرتے ہیں کچھ زباں سے کہتے ہیں وہ کم	ہوتے نہیں ساتھ جمع دم اور قدم
بڑھتا گیا جس قدر کہ حسنِ گفتار	بس اُتنے ہی گھٹتے گئے کردار میں ہم

مقدّرات و محذوفات

کبھی نظم یا نثر میں کوئی جملہ یا لفظ حذف کر دیتے ہیں اور اس سے کلام میں کچھ خلل واقع نہیں ہوتا۔ بلکہ ایک طرح کا لطف پیدا ہو جاتا ہے۔ جیسے **فغاں**

میری طرف سے خاطرِ صیاد جمع ہے	کیا اُڑ سکے گا طائرِ بے بال و پر کہیں

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے "کیونکہ جانتا ہے کہ میں بے بال و پر ہوں" اور۔

ایک خیال بند شاعر کہتا ہے۔

لکھ کر ہمارا نام زمیں پر مٹا دیا	اُن کا تو کھیل خاک میں ہم کو ملا دیا

پہلے مصرع میں فاعل محذوف ہے۔ دوسرے میں فعل۔ اصل یوں ہے کہ اُنھوں نے ہمارا نام زمین پر لکھ کر مٹا دیا۔ اُن کا تو یہ کھیل ہوا لیکن ہم کو خاک میں ملا دیا۔ **ذوق**

یاں کچھ اسباب کے ہم بندے ہی محتاج نہیں	نہ زباں ہو تو کہاں نام خدا پیدا ہو

دونوں مصرعوں کے درمیان اتنی عبارت محذوف ہے "بلکہ خدا کو بھی اسباب کی ضرورت ہے کیونکہ اگر" **شعر**

کہا جو میں نے وفا کرتے آئے ہیں احباب	کہا زمانے کی عادت بدلتی جاتی ہے

اصل میں یوں ہے کہ میں نے جو اپنے دوست سے کہا کہ احباب وفا کرتے آئے ہیں تو تم کو بھی وفا کرنی ضرور ہے۔ تو اُنھوں نے کہا کہ زمانہ کی عادت بدلتی جاتی ہے۔

فَصلِ حرُوف

حرف کی تعریف پہلے گزر چکی کہ وہ اکیلا کچھ معنی نہیں دیتا مگر حقیقت میں وہ بڑے کام اور بڑے فائدے کی چیز ہے اور سچ تو یہ ہے کہ حرف کے بغیر اسم اور فعل دونوں بیکار ہیں یہ نہ ہو تو کلام بے لطف بلکہ بے معنی ہو جائے۔

اُردو میں حروفِ مفرد بامعنی نہیں ہوتے اس لیئے وہ قابلِ ذکر نہیں ہیں۔ کاف جو بیان وغیرہ کے لیئے آتا ہے وہ فارسی سے لیا گیا ہے۔ ایسا ہی واو۔ نون البتہ نفی کے لیئے آتا ہے سو اِن حروف کا بیان اپنے اپنے موقع پر آئے گا۔

جرّ کے حرف

وہ حروف جو اسم کو فعل یا مشابہ فعل سے ملاتے ہیں۔ سے۔ کا۔ تک۔ تلک۔ اوپر۔ پر۔ پہ۔ میں۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان۔ ساتھ۔ بمیت۔ واسطے۔ لیئے۔ کو (بمعنی واسطے)۔ بے۔ بن۔ جز۔ بجز۔ بغیر۔ سوا۔ بدون۔ جوں۔ طرح۔ مانند۔ علاوہ۔ کے۔

(۱) سے ابتدا کے لیۓ آتا ہے۔ جیسے صبح سے شام تک۔ دلّی سے کلکتہ تک۔

(۲) تبعیض کے لیۓ۔ جیسے زید شریف قوم میں سے ہے۔

(۳) سببیّت کے لیۓ۔ **مقتول**

لاغری سے نہیں میرا کوئی جز نام نشاں		شش عقاد ہن خلق میں افسانہ ہوں	

(۴) استعانت کے لیۓ جیسے تلوار[1] سے ملک فتح کیا۔ چاقو سے قلم بنایا۔

(۵) تعدیہ کے لیۓ۔ جیسے میں نے حامد سے کتاب لکھوائی۔

(۶) بجائے علامتِ مفعول (کو)۔ جیسے میں نے زید سے کہا یا خالد سے پوچھا۔

(۷) ساتھ کے معنوں میں۔ جیسے روٹی سالن سے کھائی۔ حامد نے محمود سے بہت اچھا سلوک کیا۔

(۸) بیان کے لیۓ جیسے احمد کو کھانے پینے۔ پیسے۔ کپڑے سے کچھ کمی نہیں۔

(۹) تفضیل کے لیۓ۔ جیسے زید خالد سے عالم ہے۔

(۱۰) انتزاع واستبعاد یعنی علیحدگی اور دوری کے لیۓ۔ جیسے ع

تیر نکلا جو کماں سے تو گریزاں نکلا

کبھی سے اور تک دو متضاد چیزوں پر آتے اور شمول کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے عالم سے لے کر جاہل تک اور بادشاہ سے لے کر فقیر تک۔ سے کا بعضیت کے لیۓ جیسے یہ بھی انھیں میں کا ہے یعنی انھیں میں سے ہے۔

تک۔ تلک۔ انتہا کے لیۓ۔ جیسے بارہ بجے سے دو بجے تک۔ لاہور سے دلّی تک۔

کبھی بجائے علامتِ مفعول۔ **شیفتہ**

ایسے کریم ہم ہیں کہ دیتے ہیں بے طلب		پہنچادو یہ پیام اجل جاں طلب تلک	

[1] پہلے زمانہ میں ایسے فقرے حقیقی معنوں میں مستعمل ہوتے تھے۔ کیونکہ اگلے بادشاہ تلوار کے زور سے ملک فتح کیا کرتے تھے لیکن زمانہ حال میں مجاز ہوگئے ہیں کیونکہ توپ اور بندوق نے تلوار کو بیکار کر دیا ہے۔ آجکل سے محاربات میں صرف توپ اور بندوق سے کام لیا جاتا ہے۔ تلوار برائے نام ایک ہتھیار رہ گیا ہے۔ ۱۲

تلک نثر میں نہیں آتا صرف نظم میں آتا ہے۔

اوپر۔ پر۔ پہ[۱] بلندی کے معنوں میں آتے ہیں۔ عام اس سے کہ حقیقی ہو یا مجازی۔ جیسے

حامد بالاخانہ کے اوپر ہے۔ ع

لوٹا کیا میں کانٹوں کے اوپر تمام رات

زید گھوڑے پر سوار ہے۔ خدا کے ہم پر بے شمار احسان ہیں۔

میں۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان ظرفیت کے لیئے آتے ہیں۔ جیسے مسجد میں۔ گھر کے بیچ۔ مکان کے اندر۔ کمرے کے درمیان۔ سودا

کٹتی ہی عمر تاسف ہی میں اِس بزم کے بیچ ۔۔ لو ہے انگشت کہ جس کو یہ وہاں کھتی ہے شمع

ساتھ اور ہمیت معیت کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے **شعر**

ساتھ تیرے ہم بھی جوں سایہ مقرر جائیں گے ۔۔ آگے جائیں پیچھے جائیں جائیں گے پر جائیں گے

مؤلف

قاصد کو خط ہمیت کیا پرزے پرزے ہائے ۔۔ کیا جانے لکھدیا اُسے کیا اضطراب میں

(واسطے) **مرزا اسداللہ خاں غالب**

حد چاہیئے سزا میں عقوبت کے واسطے ۔۔ آخر گناہگار ہوں کافر نہیں ہوں میں

(سیلئے) **شعر**

نہ چھوڑ تو کسی عالم میں راستی کہ یہ شے ۔۔ عصا ہی پیر کو اور سیف ہے جواں کے سیلئے

(کو) **ذوق**

دانہ خرمن ہے ہمیں قطرہ ہے دریا ہم کو ۔۔ آئے ہے جزمیں نظر کل کا تماشا ہم کو

اوپر۔ بیچ۔ اندر۔ درمیان۔ ساتھ حقیقت میں اسم ظرف ہیں اور علاماتِ اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں۔ بیچ سے جب وسطِ حقیقی مراد ہو تو بیچوں بیچ کہتے ہیں۔

[۱] پر کا مخفف ہی۔ رہ حذف کر کے اظہار حرکت کے لیئے ہائے مختفی بڑھادی گئی ہی اور بولنے میں پہ کسرے سے آتا ہی

واسطے اور لیئے بھی اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں۔ لیئے ہمیشہ مجرور سے مؤخر آتا ہے۔

(بے) **شعر**

آبیاری ابرِ رحمت نے نہ کی اب کے برس | مزرعِ امید اپنی خشک بے پانی ہوئی

(بن) **شعر**

حوادث سے بن گزارا نہیں یاں | بلندی و پستی سے چارا نہیں یاں

(بجز) **شعر**

مطلب سے اپنے کون ہی آگاہ بجز خدا | جوں خطِ سرنوشت ہیں پیشانیوں میں ہم

(بغیر) **شعر**

تقدیر کے سوا نہیں ملتا کسی سے بھی | دلواتا اسے ظفر ہے مقدر کے بغیر

(جوں) **ذوق**

مجھ سے دیکھا سب کو اور تجھ کو نہ دیکھا جوں نگاہ | تو رہا آنکھوں میں اور آنکھوں سے پنہاں ہی رہا

(طرح) **مومن**

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں | کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح

(مانند) طرح کے معنوں میں آتا ہے۔

(علاوہ) شمول اور شرکت کے لیئے بھی آتا ہے اور علیحدگی کے لیئے بھی۔ جیسے "زید کے علاوہ خالد بھی تھا" یعنی زید بھی تھا اور خالد بھی تھا" علاوہ اس کے ایک اور بات ہے" "اس کتاب کی قیمت محصول کے علاوہ ایک روپیہ ہے" یہاں پر ایک مزے دار حکایت بھی سُن لو۔

حکایت۔ ایک گدھا اور بن مانس دونوں آپس میں خدا کی ناشکری کا تذکرہ کرتے تھے۔ گدھے کو یہ شکایت تھی کہ ہائے میرے سر پر سینگ نہیں۔ بن مانس کو یہ گلہ تھا کہ افسوس میں دُم سے محروم ہوں۔ چھچھوندر یہ باتیں سُن کر بولی چُپ رہو کمبخت کفر مت بکو۔ مجھ کو دیکھو کہ میں سینگ اور دُم کے علاوہ آنکھ سے بھی بے نصیب ہوں (منتخب الحکایات)

دکے، جیسے "یہ اِس کے متعلق ہے" یعنی اس سے متعلق ہے۔

کبھی کے پر کا کام دیتا ہے۔ جیسے **مصرع**

چلی تھی برچھی کسی پر کسی کے آن لگی

یعنی کسی پر آن لگی۔

کبھی ایک لفظ جار و مجرور دونوں کا کام دیتا ہے لفظاً یا معنےً۔ جیسے **شعر**

کہتے ہیں جب رہی نہ مجھے طاقتِ سخن	جانوں کسی کے دل کی میں کیونکر کہے بغیر

یعنی جب مجھ میں طاقتِ سخن نہ رہی۔ **مصرع**

گھُل گئی غم کے مارے جان افسوس

یعنی غم کے سبب سے۔ یہاں مارے کا لفظ معنیً جار و مجرور ہے۔ **رباعی**

ان آنکھوں سے روئے لالہ گوں بھی دیکھا	اور ان کو پُراز سرشکِ خون بھی دیکھا
کیا کیا دیکھا نہ رنگ ہم نے اے ذوق	یوں بھی دیکھا زمانہ دوں بھی دیکھا

یوں اور ووں اِس طرح سے اور اُس طرح سے۔

بعض اوقات حرفِ جر دو دو ہوتے ہیں اور مجرور ایک جیسے "وہ ہم میں سے نہیں"۔ "زید گھوڑے پر سے گر پڑا" میں سے اور پر سے دو دو حرفِ جر ہیں اور ہم اور گھوڑے ایک ایک مجرور۔

کبھی حرفِ جر کی جگہ نفس کلمہ میں نون زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے "بلی کے بھاگوں چھینکا ٹوٹا"

خواجہ میر درد

زندگی ہے یا کوئی طوفان ہے	ہم تو اِس جینے کے ہاتھوں مر چلے

کبھی حرفِ جر حذف ہو جاتا ہے۔ **شعر**

جان و دل پر لشکر آرائی تھی جوشِ یاس کی	مفت اِس بلوے میں شب خونِ تمنا ہو گیا

یعنی مفت میں۔

مسدس حالی

پگھلتے ہیں سانچے میں ڈھلنے کی خاطر	لگاتے ہیں غوطہ اُچھلنے کی خاطر
ٹھہرتے ہیں دم لے کے چلنے کی خاطر	وہ کھاتے ہیں ٹھوکر سنبھلنے کی خاطر

یعنی خاطر سے۔ ۵

لائی حیات آئے قضا لے چلی چلے	اپنی خوشی نہ آئے نہ اپنی خوشی چلے

یعنی نہ اپنی خوشی سے آئے نہ اپنی خوشی سے چلے۔

فائدہ۔ کہیں بیان ہو چکا ہے کہ حرف نہ مسند الیہ ہوتا ہے نہ مسند۔ مگر اس قسم کے جملوں میں کہ ستے حرفِ جر ہے تم کہو گے کہ یہاں سے مسند الیہ ہو گیا۔ لیکن اس کا جواب تم خود ہی سمجھ سکتے ہو کہ یہاں ستے نے معنوں کے لحاظ سے کچھ کام نہیں دیا بلکہ ستے سے مراد ستے کا لفظ ہے اور ستے بتاویل لفظ مسند الیہ اور اس تاویل سے تمام حروف مسند الیہ ہو سکتے ہیں۔

تنبیہ۔ یاد رکھنا چاہیے کہ عربی حروف جر فارسی یا اُردو الفاظ پر نہیں آسکتے بعض لوگ "در فی زمانہ" کا لفظ استعمال کرتے ہیں اور مراد یہ ہوتی ہے کہ اس زمانہ میں۔ اوّل تو یہ ترکیب ہی غلط ہے۔ دوسرے ان معنوں میں غلط در غلط۔ عربی میں ایسے موقع پر کہتے ہیں "فی زماننا ہذا" یعنی ہمارے اس زمانہ میں۔ بہتر یہی ہے کہ یہ لفظ اسی طرح بولا جائے۔ لیکن اگر ہذا کا لفظ حذف بھی کر دیا جائے تو فی زماننا بولنے میں بھی چنداں قباحت نہیں۔ مگر فی زماننا کی جگہ فی زمانہ بولنا لفظاً و معنیً غلط ہے اور کسی طرح صحیح نہیں۔

عطف کے حرف

جو دو کلموں یا دو جملوں کو باہم ملائیں یا ایک حکم میں شامل کریں۔ اور۔ و۔ پھر۔ کر۔ کے۔ اور اور و صرف وصل کلمات کے لیے آتے ہیں۔ جیسے "زید اور عمرو آئے" یہاں

اور کے لفظ نے عمرو کو زید کے ساتھ ملا دیا "حامد شب و روز پڑھتا رہتا ہے" یہاں و نے روز کو شب کے ساتھ ملا دیا۔

تو اُردو کے دو لفظوں کو کبھی نہیں ملاتا۔ البتہ نظم میں کبھی دو جملوں کے درمیان آجاتا ہے۔ جیسے

عزیزو مستِ سخن ہو و یا کہ سوتے ہو		اٹھو اٹھو کہ بس اب سر پہ آفتاب آیا	

پھر میں ترتیب بھی پائی جاتی ہے۔ جیسے زید آیا پھر عمرو آیا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ زید پہلے آیا۔ عمرو اُس کے بعد۔

زید کھانا کھا کر یا کھا کے مدرسے گیا۔ یعنی کھانا کھایا اور مدرسے گیا۔

فائدہ۔ کبھی ہونا کے بعض مشتقات بھی حرفِ عطف کا کام دیتے ہیں۔ جیسے مولوی نذیر احمد اپنی ایک سپیچ کے شروع میں کہتے ہیں "لکچرار ہوئے۔ پبلک سپیکر ہوئے۔ مرثیہ خواں ہوئے قوال ہوئے۔ گوئے ہوئے۔ ہیں سب ایک ہی تھیلی کے چٹے بٹے۔ ان کا اکثر قاعدہ ہوتا ہے کہ لکچر یا سپیچ یا مرثیہ یا راگ شروع کرنے سے پہلے اُذیا کر عذر کر لیا کرتے ہیں کہ تحریک نزلہ کی وجہ سے میرے گلے میں خراش ہے یا رات ایک دوست کے ہاں دعوت تھی دیر تک جاگنا پڑا۔ بدخوابی کے سبب دردِ سر ہے یا فرصت نہیں ملی اور میں لکچر یا سپیچ کے لئے تیار ہو کر نہیں آیا۔"

فائدہ۔ جس طرح اور کا لفظ دو چیزوں کو ایک حکم میں شامل کرتا اور دو لفظوں کو ایک معنوں میں ملاتا ہے، اُسی طرح کبھی محاورے میں ان کو جدا بھی کرتا ہے۔ جیسے **غالب**

یہ جانتا ہوں کہ تو اور پاسخِ مکتوب		مگر ستم زدہ ہوں ذوقِ خامہ فرسا کا	

یعنی تو ہو اور جوابِ خط ہو ایسا کبھی نہیں ہو سکتا۔ ایسے موقع پر اور کا لفظ منفی کے معنی پیدا کرتا ہے تو تو اور پاسخِ مکتوب کے معنی ہیں۔ کہ تو پاسخِ مکتوب نہیں لکھے گا۔ **رباعی**

کیا پاس تھا قولِ حق کا اللہ اللہ	تنہا تھے پہ اعدا سے یہ فرماتے تھے شاہ
میں اور اطاعتِ یزیدِ گمراہ	لاحول ولا قوۃ الا باللہ

یعنی میں یزیدِ گمراہ کی اطاعت کروں ایسا کبھی نہیں ہونے کا۔

اضراب کے حرف

کبھی ایک بات سے ترقی دے کر اسفل کو اعلیٰ یا اعلیٰ کو اسفل بناتے ہیں اور ایسے مقام میں دو جملے استعمال کرتے اور دونوں کے بیچ بلکہ لگاتے ہیں۔ اس کا نام حرفِ اضراب ہے۔ جیسے "زید آدمی نہیں بلکہ فرشتہ ہے" یا "عمرو انسان نہیں بلکہ حیوان ہے"۔ پہلی مثال میں اسفل کو اعلیٰ اور دوسری میں اعلیٰ کو اسفل بنایا گیا ہے۔

کبھی ترقی دے کر دوسری صفت یا چیز کو شامل کرتے ہیں۔ جیسے زید عالم ہی نہیں بلکہ عابد بھی ہے یا مثلاً زید آیا ہے بلکہ عمرو بھی۔ ذوق کی شوخی دیکھو کہتا ہے۔ ۵

وہ نہیں ہم کہ کریں خون کا دعویٰ تجھ سے		بلکہ پوچھے گا خدا بھی تو مکر جائیں گے	

ظفر

روز معمورۂ دنیا میں خرابی ہے ظفرؔ		ایسی بستی سے تو ویرانہ بنایا ہوتا	

بلکہ بہتر تو یہی تھا نہ بنایا ہوتا

نظم میں بلکہ کی جگہ کہ بھی مستعمل ہے۔ مدّوجزرِ اسلام

نہیں ملتی کوشش سے دنیا ہی تنہا		کہ ارکانِ دیں بھی اسی پر ہیں برپا	

اِسی مسدّس کا ایک پورا بند بھی سُنو:۔

سب ایسے تن آسان و بیکار و کاہل نہیں اِن سے کچھ نفعِ انساں کو حاصل		تمدّن کے حق میں ہیں زہرِ ہلاہل نہیں اِن کی صحبت کہ ہے سمّ قاتل	

یہ جب پھیلتے ہیں سمٹتی ہے دولت
یہ جوں جوں کہ بڑھتے ہیں گھٹتی ہے دولت

بلکہ یا کہ جن دو جملوں کے بیچ میں آتے ہیں وہ معطوف علیہ اور معطوف ہوتے ہیں۔

تردید کے حرف

جو رد کرنے کے مقام پر بولے جاتے ہیں

یا - یا تو - خواہ - چاہو - کہ -

یا اکثر دو چیزوں کے اجتماع کو روکنے اور دو میں سے ایک کی تعیین کے لئے آتا ہے۔ جیسے زید تندرست ہے یا بیمار۔ نیک ہے یا بد۔ یہ لو یا یہ لو۔ کبھی دو کے حصر کے لئے آتا ہے جیسے میں ہوں یا خدا۔ یعنی میں اور خدا دونوں ہیں تیسرا کوئی نہیں۔ شک کے مقام پر بھی آتا ہے۔ جیسے۔ **شعر**

آتا ہے تو آجا کہ کوئی دم کی ہے فرصت	پھر دیکھئے آنا بھی ہے دم یا نہیں آتا

یا تو کو خواہ ایک لفظ سمجھو۔ یا یا پر تو زائد۔ ذوق کہتے ہیں۔ **فرد**

یا تو پاس دوستی تجھ کو بت بیباک ہو	یا مجھی کو موت آجائے کہ قصہ پاک ہو

خواہ دو جملوں پر آتا ہے خواہ دوسرے میں خواہ ہو یا یا۔ لیکن ان کے بعد ایک اور جملہ بطور نتیجہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے خواہ مانو خواہ نہ مانو (یا خواہ قبول کرو یا نہ کرو) ہم سمجھائیں گے ضرور۔ خواہ مساوات کے لئے بھی آتا ہے۔ جیسے خواہ یہ لو خواہ وہ لو۔

چاہو کا حال خواہ کا سا ہے "چاہو یہ لو چاہو یہ"

کہ اکثر نظم میں آتا ہے۔ **مرزا رفیع سودا**

پوچھا سودا سے میں اک روز کہ اے آوارہ	ترے رہنے کا معین بھی مکاں ہے کہ نہیں
یک بیک ہو کے برآشفتہ لگا وہ کہنے	کچھ تجھے عقل سے بہرہ بھی میاں ہے کہ نہیں

غالب

حیراں ہوں دل کو روؤں کہ پیٹوں جگر کو میں	مقدور ہو تو ساتھ رکھوں نوحہ گر کو میں

نواب صفدر علی خاں صفدرؔ

گلزارِ جہاں کا کیا تماشا دیکھوں
اشکِ شبنم کہ گُل کا ہنسنا دیکھوں
مثلِ گُلِ رعنا ہیں نظر میں شب و روز
دو روز کی ہے بہار کیا کیا دیکھوں

جن جملوں میں حرفِ تردید آتے ہیں اُن میں سے پہلا معطوف علیہ کہلاتا ہے۔ پچھلا معطوف۔ حرفِ تردید حذف بھی ہوجاتے ہیں۔ بیت

ہمارا کام سمجھانا ہے یارو
اب آگے چاہو تم مانو نہ مانو

استدراک کے حرف

جب پہلے جملے میں کسی طرح کا شبہ واقع ہو تو دوسرے جملے پر جن الفاظ کو لاکر اُس شبہے کو دور کرتے ہیں وہ حرفِ استدراک ہیں۔

مگر۔ مگرہاں۔ پر۔ پہ۔ لیکن۔ ولیکن۔ ولے۔ لیک۔ ولیک۔ اِلّا۔ سو۔ البتہ۔ حالیؔ

چکور اور شہباز سب اوج پر ہیں
مگر ایک ہم ہیں کہ بے بال و پر ہیں
اگر ہم سے مانگے کوئی ایک پیسا
تو ہو گا کم و بیش بار اس کا دینا
مگر ہاں وہ سرمایۂ دین و دنیا
کہ ایک ایک لمحہ ہے انمول جس کا

نہیں کرتے خست اُڑانے میں اِس کے
بہت ہم سخی ہیں لُٹانے میں اس کے

شعر

آج ہم اپنی پریشانیِ خاطر اُن سے
کہنے جاتے تو ہیں پر دیکھئے کیا کہتے ہیں

حالی

ہوئی آکے پیری میں قدرِ جوانی
سمجھ ہم کو آئی پہ نا وقت آئی

مرزا غالب

یاد تھیں ہم کو بھی رنگا رنگ بزم آرائیاں | لیکن اب نقش و نگارِ طاقِ نسیاں ہو گئیں

ولیکن حقیقت میں لیکن مع واوِ عطف ہے۔ مگر فارسی اور اُردو میں ایک کلمہ ہو کر مستعمل ہے۔ اور صرف نظم میں آتا ہے۔ **شعر**

ہے انساں صانعِ قدرت کا اِک صندوق سربستہ | ولیکن یہ نہیں کھلتا کہ اس میں بولتا کیا ہے

شعر

دِل میں کتنے مسودے تھے ولے | ایک پیش اُس کے روبرو نہ گیا

حالی

ہیں یار رفیق پر مصیبت میں نہیں | ساتھی ہیں عزیز لیک ذلت میں نہیں

ایک تارک الدنیا کہتا ہے ؎

اُٹھائے ہاتھ جہاں سے ولیک کیا امکاں | کہ بافراغ کروں کُنجِ عافیت میں نشست

"کوشش تو بہت کی الّا کامیابی نہ ہوئی"

غالب

کس سے محرومیِ قسمت کی شکایت کیجے | ہم نے چاہا تھا کہ مر جائیں سو وہ بھی نہ ہوا

ایک شعر اور سنو۔ **شعر**

سرمایۂ اُمید ہے کیا پاس ہمارے | اِک آہ ہے سینے میں سو نومیدِ اثر ہے

"میں نے یوں نہیں کہا البتہ یوں کہا تھا"

محاورے میں کبھی آور بھی حرفِ استدراک کا کام دیتا ہے۔ **شعر**

قیس کے دیکھنے والے تو بہت ہیں دل گیر | اور یہاں حسن شناسانِ سخن تھوڑے ہیں

استثناء کے حرف

جو الفاظ ایک چیز کو دوسری چیز سے علٰحدہ کریں وہ حرفِ استثناء ہیں۔ سوا۔ بجز۔

"حامد کے سوا سب آگئے۔"

جُز فارسی لفظ ہے اور نظم سے مخصوص ہے۔ **شعر**

کس سے فریاد اِن بتوں کی کروں		جُز خدا کون سُننے والا ہے	

مصرع - جُز قیس اور کوئی نہ آیا بروئے کار

استثنار کی قسمیں استثنار دو قسم کا ہوتا ہے۔ ایک یہ کہ مستثنےٰ اور مستثنےٰ منہ ایک جنس سے ہوں۔ جیسے "زید کے سوا سب لوگ آگئے" اس مثال میں زید مستثنےٰ ہے۔ اور لوگ مستثنیٰ منہ۔ اور دونوں ہم جنس یعنی انسان ہیں۔ اِس قسم کے استثنار کو استثنائے متصل اور مستثنیٰ کو مستثنائے متصل کہتے ہیں۔

دوسرے یہ کہ مستثنیٰ اور مستثنیٰ منہ کی جنس میں مغائرت ہو۔ جیسے "شیطان کے سوا سب فرشتوں نے آدمؑ کی تعظیم کی" اس مثال میں مستثنیٰ مستثنےٰ منہ کی جنس میں سے نہیں ہے۔ کیونکہ اہلِ کتاب کے عقیدے کے مطابق فرشتوں کی پیدایش نور سے ہے اور شیطان کی نار (یعنی آگ) سے۔ ایسے استثنا کو استثنائے منقطع اور مستثنیٰ کو مستثنائے منقطع کہتے ہیں۔

بعض اوقات کسی کی تعریف میں کہتے ہیں کہ وہ تو مستثنیٰ شخص ہے یعنی برگزیدہ و ممتاز ہے۔ ذیل کی حکایت میں دیکھو کہ مستثنےٰ کے لفظ سے کیونکر مدح اور منقطع کے لفظ سے کیونکر ہجو کی گئی ہے۔

حکایت - آب حیات میں شاہِ آبرو[۱] کے حال میں لکھا ہے۔ کہ "خدمتگار خان بادشاہی خواجہ سرا تھا۔ اور سرکار شاہی میں بڑا صاحبِ اختیار تھا۔ اکثر بادشاہی نوکر اُس کی سخت گیری اور بدمزاجی سے دِق رہتے تھے انھیں بھی اُس سے کام پڑتا تھا۔ کبھی آسانی سے مطلب نکل آتا تھا۔ کبھی دشواری سے، چنانچہ ایک موقع پر یہ شعر کہا ؎

یارو خدمتگار خاں خواجوں کے بیچ		ہے تو مستثنےٰ ولیکن منقطع	

[۱] یہ عہدِ قدیم کے مشاہیر شعرا میں سے ہیں ۱۲

اِس شعر میں لفظ مستثنےٰ اُنک تو خاصی تعریف ہے لیکن "ولیکن منقطع" کے کہنے سے کمال مذمت ہوگئی۔ کیونکہ اس کے یہ معنی ہوگئے کہ خدمتگار خاں خواجوں کی جنس یعنی انسانوں میں سے ہی نہیں۔ اور کچھ عجب نہیں کہ شاہ صاحب نے اِس کو جنس انسان سے خارج کر کے اپنے ذہن میں ایک دوسری جنس کی تعین کر دی اور یہ مُراد رکھی ہو کہ خدمتگار خاں آدمی نہیں گدھا ہے۔

اضافت کے حرف

جن سے دو کلموں میں لگاؤ پایا جائے۔

کا۔ کے۔ کی۔ ان کا مفصل بیان مضاف و مضاف الیہ کی بحث میں دیکھو۔ ہمارے نزدیک ان کو حروف اضافت کی جگہ علامات اضافت کہنا چاہیئے۔ اس لئے کہ جس طرح را۔ رے۔ ری اور نا۔ نے۔ نی۔ اضافت کی علامتیں ہیں اُسی طرح یہ ہیں اور معلوم ہے کہ حرف ہمیشہ ایک جدا گانہ لفظ ہوتا ہے۔ اور یہ الفاظ سے علیحدہ نہیں ہوتیں۔

نفی کے حرف

نون مفتوح جو ہائے مختفی کے ساتھ ملکر نہ ہوجاتا ہے۔ نے۔ نہیں۔ مت۔ الف مفتوح اِن نون مکسور۔ کاف مضموم بائے موحدہ مفتوح پر۔ بے۔ نا۔ حاشا و کلّا۔

نے فارسی لفظ ہے۔ اُردو میں صرف نظم میں آتا ہے۔ اور جس جملے میں یہ آتا ہے اُس کے ساتھ ہمیشہ ایک اور جملہ ہوتا ہے جس میں نہ حرف نفی آتا ہے۔ شعر

نے تیر کماں میں ہے نہ صیاد کمیں میں	گوشے میں قفس کے مجھے آرام بہت ہے

زید نے کچھ نہیں کہا۔ خدا کے سوا کسی سے مت ڈرو۔ موت کا وقت اٹل ہے۔ وہ اَن پڑھ ہے۔ بڑا ہی نڈر شخص ہے۔ نِتا کیا کر سکتا ہے۔ کُڈھب بات ہی۔ زید بدیسی ہے

بیچارہ پردیس میں ہو وہ بے علم اور نالایق ہی۔ حاشا وکلا میں نفی کی تاکید ہوتی ہی۔ جیسے کیا خالد مکر وفریب سے کام لیتا ہی۔ حاشا وکلا (یعنی ہرگز نہیں ہرگز نہیں)، بےؔ اور ناؔ دونوں فارسی لفظ ہیں۔ اور اُن میں فرق یہ ہی کہ بےؔ اسم ذات اور مصدر پر آتا ہی۔ اور ناؔ اسم صفت پر جیسے بے قرار۔ بے تاب۔ بے صبر۔ بے ہوش۔ بے پناہ۔ بے کس۔ بے وقوف۔ بے تمیز۔ بے انصاف۔ بے چین۔ بے کل۔ نامناسب۔ ناقابل۔ نامنصف۔ نالایق۔ مگر کبھی ناؔ بھی مصدر وغیرہ پر آجاتا ہی۔ جیسے نافہم۔ ناامید۔ **غالب**

	کچھ تو دے اے فلکِ نا انصاف		آہ و فریاد کی رخصت ہی سہی	

رند

	سُنی جو بیشتر اُن میں صفت رحیمی کی		قبول ہوتے کو ہم سے بھی ناقبول چلے	

بےؔ دوسرے لفظ پر آکر اسم صفت کے معنے پیدا کرتا ہی۔ اور ناؔ جب بےؔ کی جگہ مستعمل ہوتا ہی تو وہ بھی یہی معنی پیدا کرتا ہی۔ جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہی۔

اُردو الفاظ پر بھی بےؔ آجاتا ہی۔ جیسے بے سمجھ۔ بے جوڑ۔

کبھی محاورے میں نہؔ مساوات کے معنی دیتا ہی۔ مثل ہی "گھر کی آدھی نہ باہر کی ساری" یعنی گھر کی آدھی روٹی باہر کی ساری روٹی کے برابر ہی۔ خواجہ الطاف حسین حالیؔ مدّ وجزرِ اسلام میں زمانۂ حال کے واعظوں کی تعلیم کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں ؎

	کوئی چیز سمجھو نہ اپنی بُری تم حمایت میں ہو جبکہ اسلام کی تم		رہو بات کو اپنی کرتے بڑی تم تو ہو ہر بدی اور گنہ سے بَری تم	
	بدی سے نہیں مومنوں کو مضرّت تمہارے گناہ اور نہ اور نکی طاعت			

یعنی تمھارے گناہ اور وروں کی طاعت کے برابر ہیں۔

دو چیزوں کی نفی مقصود ہوتی ہی تو بسا اوقات حرفِ نفی دوسرے لفظ پر لا کر پہلے

کی بھی نفی کر دیتے ہیں۔ جیسے۔ **بیت**۔

حلال آدمی کو ہی کھانا نہ پینا ۔۔۔ نہ ہو ایک جب تک لہو اور پسینا

یعنی نہ کھانا حلال ہی نہ پینا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ کھانا تو حلال ہی لیکن پینا حلال نہیں۔ بیت

پہننے کو کپڑا نہ کھانے کو روٹی ۔۔۔ جو تدبیر الٹی تو تقدیر کھوٹی

یعنی نہ پہننے کو کپڑا ہی نہ کھانے کو روٹی۔

کبھی نہ کلام میں زائد آتا ہی اور بہایت فصیح معلوم ہوتا ہی جیسے **شعر**۔

اے مصحفی بتوں میں ہوتی ہی یہ کرامت ۔۔۔ دل پھر گیا نہ تیرا آخر خدا سے دیکھا

غالب

کیا فرض ہی کہ سب کو ملے ایک سا جواب ۔۔۔ آؤ نہ ہم بھی سیر کریں کوہِ طور کی

کبھی تھوڑا ہی بھی نفی کے معنی دیتا ہی۔ جیسے کوئی ایسا تھوڑا ہی کرتا ہی یعنی نہیں کرتا۔

کبھی کیا بھی حرف نفی کا کام دیتا ہی۔ جیسے **شعر**۔

صحبتِ گُل ہی فقط بلبل سے کیا بگڑی ہوئی ۔۔۔ آج کل سارے چمن کی ہی ہوا بگڑی ہوئی

یعنی فقط صحبتِ گُل ہی بلبل سے بگڑی ہوئی نہیں۔

کبھی کم بھی نفی کے معنے دیتا ہی۔ جیسے۔ **مومن**۔

سب تا بہ فتنہ چونک پڑے تیرے عہد میں ۔۔۔ اِک میر البخت تھا کہ وہ بیدار کم ہوا

یعنی بیدار نہ ہوا۔ اور یہ مطلب نہیں کہ تھوڑا سا تو بیدار ہوا اور بہت سا سوتا رہا۔ شہیدی

آبِ صافِ نہر سے لیتے ہیں کام اپنا نکال ۔۔۔ کم مروّج ہی جو انانِ چمن میں آئینہ

حرفِ بیان

کہ۔ یہ دہی کاف بیانیہ ہی جس کا حال مبیّن اور بیان کے بیان میں مذکور ہوا۔

یہ کاف سرِ جملہ آتا ہی۔ اور بے اِس کے کلام پھیکا سا ہوتا ہی۔

بعض اوقات لفظ یعنی بھی حرف بیان کا کام دیتا ہے۔ جیسے۔ **مقتول**

نیاز و ناز کے معنی یہ ہیں یعنی وہ ہنس ہنس کر		جفا کرتے رہے اور ہم بامیدِ وفا روسے	

علّت کے حرف

وہ حرف جو کسی امر کا سبب ظاہر کریں۔

کیونکہ اِس لئے کہ۔ اِس واسطے کہ۔ کہ۔ تاکہ۔ کہ تا۔ تا۔

علم حاصل کرو کیونکہ (یا "اس لئے کہ" یا "اِس واسطے کہ") علم ہی فلاحِ دارین کے حاصل ہونے کا ذریعہ ہے۔ **بیت**۔

	کرو کچھ کہ کرنا ہی کچھ کیمیا ہی		مثل ہی کہ کرتے کی سب بدیا ہی	

"زید خوب محنت کرتا ہے، تاکہ امتحان میں کامیاب ہو" **ذوق**۔

اسی باعث سے دایہ طفل کو افیون دیتی ہی		کہ تا ہو جائے لذّت آشنائے دوراں سے

غالب

لکھتا ہوں اسؔد سوزشِ دل سے سخنِ گرم		تا رکھ نہ سکے کوئی مرے حرف پہ انگشت

جن جملوں پر حرف علت واقع ہوتے ہیں وہ علت کہلاتے ہیں اور پہلے جملے معلول۔

کبھی یعنی بھی حرفِ علت کا کام دیتا ہے۔ جیسے۔ **شعر**

	غریقِ گریۂ خونیں رہا نہ کر مومن		لباس یعنی پہنتے نہیں مسلماں سرخ	

شرط کے حرف

جب کسی کام پر کسی کام کو موقوف کرتے ہیں تو موقوف علیہ کے آغاز میں جو حرف لاتے ہیں وہ حروفِ شرط ہیں۔ جیسے "اگر علم پڑھو گے تو عزت پاؤ گے" اِس فقرے میں عزت پانے کو علم پڑھنے پر موقوف کیا گیا ہے۔ اور اِس کے شروع میں اگر حرف شرط ہے۔

جس جملے پر حرف شرط آتا ہے، وہ شرط کہلاتا ہے اور دوسرا جملہ جزا۔

اگر۔ گر۔ جو۔ جب۔ جب جب۔ جس وقت۔ جس دم۔ چونکہ۔ جوکہ جبکہ۔ جوں ہی۔ جوں جوں اگرچہ۔ ہرچند۔ ہرچند کہ[1]۔ گو۔ گوکہ۔ بسکہ۔ ازبسکہ[2]۔ بس۔ ازبس۔ جب تک۔ جس وقت تک تا وقتے کہ۔ تا۔ تاکہ۔ ازآنجا۔ ہرگاہ۔ خواہ۔ کیوں نہ۔ نہیں نہیں تو۔ دگرنہ۔ ورنہ۔ یہ سب حروف شرط ہیں۔ **شعر**۔

خاکساری سُرمہ ساں شیوہ کرے گا تو اگر		دیدۂ اہلِ نظر میں تیرا گھر ہو جائے گا

غالب

میری قسمت میں غم گر اِتنا تھا		دل بھی یارب کئی دیے ہوتے

جو۔ جب اور اگر اور چونکہ تینوں کے معنوں میں آتا ہے۔ **حالی**۔

نہ ٹلتے تھے ہرگز جو اَڑ بیٹھتے تھے		سُلجھتے نہ تھے جب جھگڑ بیٹھتے تھے

ذوق

اِس جبر پہ تو ذوق بشر کا یہ حال ہے		کیا جانیں کیا کرے جو خدا اختیار دے
پھر جاتی ہے سینے کو مری آہ بھی اُلٹی		برگشتہ جو قسمت ہے مری بخت نگوں ہے

یعنی چونکہ میری قسمت برگشتہ اور بخت نگوں ہے، اِس لئے میری آہ بھی سینے کو اُلٹی پھر جاتی ہے۔ **مقتول**۔

وہ غیرتِ حور ہے تو کہ لکھ کر ترے اوصاف		قرطاس سے جب خاک کو جھٹکا[3] تو جھڑی دھوپ

"چونکہ خدا کو ایسا کرنا منظور نہ تھا نہ ہوا"

جوکہ چونکہ کی جگہ بولتے ہیں۔ اور بہت کم سے

جبکہ تجھ بن نہیں کوئی موجود		پھر یہ ہنگامہ اے خدا کیا ہے؟

[1] کاف زائد ہے [2] از زائد ہے۔
[3] جن دنوں میں بلاٹنگ پیپر کا رواج نہ تھا روشنائی خشک کرنے کے لئے کاغذ پر خاک ڈال کر جھٹک دیتے تھے۔ اب بھی بعض لوگوں کا یہی عمل ہے۔

حالی

جو ہیں کان میں حق کی آواز آئی ‏ ‏ ‏ لگا کرنے خود اُن کا دل رہنمائی

مومن

زندہ ہوا ہائے دلِ مُردہ اگرچہ ‏ ‏ ‏ تھا شورِ قیامت سے فزوں ولولہ اپنا

ناسخ

ہر چند ہوں پیر اور سر پر ہے اَجل ‏ ‏ ‏ تسپر نہیں پیٹ کے سوا فکرِ عمل
ہے رشتۂ عمر مختصر سا لیکن ‏ ‏ ‏ شیطان کی آنت ہے مرا طولِ اَمل

مومن

ہر چند کہ قول ناصحوں کا ‏ ‏ ‏ کچھ تلخ نہ تھا ولے نہ بھایا

مقتول

ہو گیا گو ہلال ابرو سا ‏ ‏ ‏ پردہ اندھا کہاں سے لائے آنکھ
گو بظاہر خوش ہوں لیکن تلخکامی کو نہ پوچھ ‏ ‏ ‏ میں سراپا نقش زیبا ہوں مگر حنظل میں ہوں
تیرے تیروں نے کیا گو کہ مجھے چھلنی سا ‏ ‏ ‏ چھانتا ہوں ترے کوچے کی مگر خاک ہنوز

غالب

بسکہ روکا میں نے اور سینے میں اُبھریں پے بہ پے
میری آہیں بخیۂ چاکِ گریباں ہو گئیں

مومن

از بسکہ ثبت نامہ ہے سوزِ تپِ دروں ‏ ‏ ‏ قاصد کا ہاتھ ہے یدِ بیضا کلیم کا

غالب

مشکل ہے زبس کلام میرا اے دل ‏ ‏ ‏ سُن سُن کے اسے سخنورانِ کامل
آساں کہنے کی کرتے ہیں فرمائش ‏ ‏ ‏ گویم مشکل وگر نہ گویم مشکل

اعظم خاں اعظم

دردِ دل از بس طبیبوں سے نہاں رکھتے ہیں ہم — سمع آسا نبض زیرِ استخواں رکھتے ہیں ہم

مصحفی

جب تک کہ نہ چھڑکیں گے گلاب آپ وہ آ کر — اِس غش سے کبھی ہوش میں آنے کے نہیں ہم

جس وقت تک اور تا وقتے کہ جب تک کہ ہم معنی ہیں اور نثر میں آتے ہیں۔

تا صرف نظم میں آتا ہے اور جب تک کے معنوں میں ہے۔ ذوق ایک قصیدۂ دعائیہ میں کہتے ہیں ؎

بخارِ ارض سے تا ابر ہو اور ابر میں پانی — رواں پانی سے تا دریا ہو اور دریا کو طغیانی

زمیں میں کان ہو اور کان میں ہو جوہر کانی — پئے جوہر ہو قیمت اور قیمت کو فراوانی

تری شمشیرِ جوہر دار میں نصرت کا جوہر ہو

ترے قبضے میں بحر و بر گُہر ہو کان پُر زر ہو

ذوق کرتا ہے ثنا ختمِ دعا پر اِس طرح — تا کہ ہوں ارض و سما دونوں طبق زیرِ طبق

ہووے ہر سال مبارک تجھے عیدِ رمضاں — اور دشمن کو رہے تیرے سدا رنج و قلق

از آنجا اور ہرگاہ نثر میں آتے ہیں اور چونکہ کے معنوں میں ایکٹ نمبر ۵ ۱۸۹۸ء کے شروع میں لکھا ہے "ہرگاہ یہ امر قرین مصلحت ہے کہ قوانین متعلقہ ضابطہ فوجداری مجمع و ترمیم کئے جائیں۔ لہٰذا اس کی رو سے حسب ذیل حکم ہوتا ہے"

"خواہ کتنی ہی دقتیں پیش آئیں مگر ہم راہِ خدا میں ضرور کوشش کریں گے" مصرع

کیجے ہمارے ساتھ عداوت ہی کیوں نہ ہو

ذوق

میں ہجر میں مرنے کے قریں ہو ہی چکا تھا — تم وقت پہ آ پہنچے نہیں ہو ہی چکا تھا

نہیں تو اکثر نثر میں آتا ہے۔ ایک بیت بھی سن لو۔ **بیت**

ملا اُن کو مجھ سے تو میرے خدا — نہیں تو مرا جی ٹھکانے لگا

موت نے کر دیا ناچار و گرنہ انساں ہم کسی پہلو اسے غم سے تہی پاتے نہیں	ہے وہ خود بیں کہ خدا کا بھی نہ قائل ہوتا ورنہ کس کس ڈھب دلِ نالاں کو بہلاتے نہیں

پچھلے چاروں حروف (یعنی نہیں۔ نہیں تو۔ وگرنہ۔ ورنہ) کا مفصل حال جملۂ شرطیہ میں بیان ہوچکا۔

کبھی باوجودے بھی اگرچہ کے معنے دیتا ہی۔ جیسے۔ شعر

باوجودے کہ پر و بال نہ تھے آدم کے	واں پہ پہنچا کہ فرشتوں کا بھی مقدور نہ تھا

فائدہ۔ کبھی قائل اگر بول کر اپنی یقینی بات کو مشکوک کر دیتا ہی۔ مثلاً کوئی مظلوم کہے کہ "اگر خدا ہی تو ظالموں کو ضرور سزا دے گا"۔ یہاں خدا کے ہونے کو جو متکلّم کے نزدیک ایک یقینی بات ہی مشکوک کر دیا ہی۔ یا جیسے کوئی گرفتارِ الم درازیِ شبِ غم سے گھبرا کر کہے کہ "اگر صبح ہو جائے تو جی اُٹھوں"۔ حالانکہ اِس کو صبح ہونے کا یقین ہی۔

بعض اوقات کوئی کام حقیقت میں دوسرے پر موقوف نہیں ہوتا۔ مگر عبارت میں شرط وجزا کی صورت میں آتا ہی۔ جیسے "خدا اپنے فضل وکرم سے پورا کرے تو ارادہ یہ ہی"۔ اِس فقرے میں پہلا جملہ شرط ہی اور دوسرا جزا۔ مگر ارادے کا ہونا پورا کرنے پر موقوف نہیں بلکہ پورا کرنا ارادے کے ہونے پر موقوف ہی۔ کیونکہ پورا کرنا تو اُسی صورت میں ہوگا جب ارادہ کیا جائے۔ اور جب ارادہ ہی نہ کیا جائے تو پورا کیا ہوگا۔

جزا کے حرف

وہ حرف جو جزا کے جملے پر آتے ہیں۔

تو۔ تب۔ سو۔ لیکن۔ ولیکن۔ وے۔ مگر۔ پر۔ پہ۔ الّا۔ تو (بفتح تا)۔ تو بھی۔ پھر۔ تو۔ پھر۔ پھر بھی۔ تاہم۔ اِس لئے۔ اِس واسطے۔ اسی لئے۔ اسی واسطے۔

تو۔ اگر۔ گر۔ جو۔ جب۔ جبکہ کی جزا میں آتا ہی۔ تب اکثر جب کی جزا میں۔

غالب

رگ وپے میں جب اُترے زہرِ غم تب دیکھیے کیا ہو	ابھی تو تلخیِ کام و دہن کی آزمائش ہے

سو جو کی جزا میں آتا ہے۔ جیسے **شعر**

اُڑائے طرز نالے کے جو اک دن تیرے مخزن سے	سو اب تک دیکھ لے منقارِ طوطی سُرخ ہے خوں سے

لیکن۔ ولیکن۔ ولے۔ مگر۔ پر۔ پہ۔ اِلاَّ۔ تو بھی۔ پھر بھی۔ یہ حروف اگرچہ۔ اگرچہ ہر چند گو گو کہ کی جزا میں آتے ہیں۔ جیساکہ اکثر حروف کی مثالیں حروفِ شرط میں بیان ہوئیں۔

تو بھی کی مثال سُنو مفتی **صدرالدین خاں آزردہ**

مرکر بھی ہمارا دلِ بیتاب نہ ٹھیرا	کشتہ بھی ہوا تو بھی یہ سیماب نہ ٹھیرا

تو اگر کی جزا میں آتا ہے۔ جیسے "اگر کوئی بادشاہ ہوا تو کیا۔ اور اگر گدا ہوا تو کیا" "گر تو ڈر نہ کر تو خدا کے غضب سے ڈر"

بعض اوقات جبکہ ایک بات حقیقت میں دوسری بات پر موقوف نہیں ہوتی اور کلام کو شرط جزا کی صورت میں لاتے ہیں تو ایسے موقع پر حرفِ جزا تو آتا ہے۔ یہ حرف جزا دو محذوف جملوں پر آتا ہے۔ اور اِن کے بعد ایک اور جملہ بطور تاکید آتا ہے جیسے توبۃ النصوح میں نصوح کہتا ہے "میں اُس گھر کی فکر میں ہوں جہاں مجھکو ہمیشہ رہنا ہے۔ دُنیا کا گھر چند روزہ ہے۔ آج اُجڑا تو اور کل اُجڑا تو ایک نہ ایک دن اُجڑے گا ضرور"

تو پھر کی مثال بھی سُنو۔ **شعر**۔

نہ تھا تحمل اگر اُس کے ناز کا تو پھر	الم فریفتہ کیوں ایسے نازنیں کے ہوئے

جزا مقدم ہو تو حرفِ شرط واجب الحذف ہوتا ہے۔ جیسے **غالب**۔

نہ سنو گر بُرا کہے کوئی	نہ کہو گر بُرا کرے کوئی
روک دو گر غلط چلے کوئی	ڈھانپ لو گر خطا کرے کوئی

مگر تب مستثنیٰ ہے۔ جیسے **شعر**

تب ناز گرانمایگیٔ اشک بجا ہی	جب لختِ جگر دیدۂ خونبار میں آوے	

"اس واسطے" اور "اِس لئے" اور "اِسی واسطے" اور "اِسی لئے" چونکہ کی جزا میں آتے ہیں۔

کبھی نظم میں دو دو شرطیں پہلے بیان کرتے ہیں اور ان کی جزا میں اِسی ترتیب سے بعد مرزا اسد اللہ خاں غالب ایک قصیدے میں لکھتے ہیں ؎

تو آب سے گر سلب کرے طاقتِ سیلاں	تو آگ سے گر دفع کرے تابِ شرارت
ڈھونڈے نہ ملے موجۂ دریا میں روانی	باقی نہ رہے آتشِ سوزاں میں حرارت

یہاں دوسرے شعر کا پہلا مصرع شعر اوّل کے مصرع اوّل کی جزا ہی۔ اور دوسرا مصرع مصرعِ ثانی کی۔

شمول و شرکت کے حرف

بھی۔ نیز۔

"زید بھی آیا اور عمرو بھی"۔ "یہ بھی لو اور وہ بھی"۔ "نیز یہ امر قابلِ ذکر ہی"۔ کبھی ایک جملے میں نیز اور بھی دونوں آجاتے ہیں۔ ایسے جملے میں عطف کا واو اکثر حذف ہوجاتا ہی۔

حصر و خصوصیت کے حرف

ہی۔ صرف۔ محض۔ اکیلا۔ فقط۔ نرا۔ تنہا۔ بس۔ یہی۔ خالی۔

(ہی)، آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا خدا ہی ہی۔

(صرف)، ہم صرف خدا کی عبادت کرتے ہیں۔

(محض)، دنیا محض طلسمِ حیرت ہی۔

(اکیلا۔ فقط۔ نرا)، توبۃ النصوح میں کلیم اپنے چھوٹے بھائی سے کہتا ہی "ابے اکیلے سر منڈانے سے کیا ہوتا ہی۔ ڈھیلا ڈھلا کرتہ پہن۔ گھٹنوں تک کا پاجامہ پہنا۔ پنج آیت کے واسطے دو چار سورتیں یاد کر، اور جو چاہے کہ فقط انگلی کو خون لگا کر شہیدوں میں داخل اور نرا سر منڈا کر برہانی

کی دعوتوں میں شامل ہو جاؤں تو بچّا ہاتھ دھو رکھو۔ گھُسنا تو ملنے ہی کا نہیں "

دتمّا، نواب سیّد محمد خاں رند

پا بندیہ مرغ جاں تہ مانہ قفس کا ہی	پھندا ابھی تو گردن میں اِک تارِ نفس کا ہی

دبس، مولوی نذیر احمد صاحب اپنی نسبت کہتے ہیں۔ شعر۔

القصّہ میں عجب عبث ہیچکارہ ہوں
بس اتنے کام کا ہوں کہ لکچر دیا کروں

دیہی، ذوق۔

رہتا سخن سے نام قیامت تلک ہی ذوق
اولاد سے تو ہی یہی دو پُشت چار پُشت

کبھی ایک بھی حصر کا کام دیتا ہی۔ جیسے ۔حالی۔

رہا دین باقی نہ اسلام باقی	اِک اسلام کا رہ گیا نام باقی

اک یہاں جینے سے بیزار ہمیں ہیں یارب
یا اِسی طرح سے سب عمر بسر کرتے ہیں

فائدہ ۔ نثر میں ہیَ فاعل اور علامت اور مفعول اور علامتِ مفعول اور مجرور اور جگہ کے بیچ میں آتا ہی۔ جیسے زید ہی نے کہا تھا عمر د ہی کو مارا تھا ۔ مرزا غالب۔

رگوں میں دوڑتے پھرنے کے ہم نہیں قائل
جب آنکھ ہی سے نہ ٹپکا تو پھر لہو کیا ہے

لیکن جب ضمیر میں فاعل واقع ہو تو نے علامتِ فاعل پہلے آتی ہی اور ہیَ پیچھے جیسے "میں نے ہی دیا تھا میں نے ہی لے لیا "

ضمائر کے ساتھ ہی واقع ہو تو کبھی اُس کی ہ حذف ہو جاتی ہی جیسے اُسی نے کہا تھا۔ اُسی کو کہا تھا۔ کبھی ہائے مخلوط سے بدل جاتی ہی ۔ جیسے تجھی۔ مجھی کو۔ کبھی ہیَ یائے معروف اور

نون غنّہ سے بدل جاتی ہی۔ جیسے ہیں۔ تم کے ساتھ ایک ہائے مخلوط بھی زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے تمھیں۔ غالب۔

یہ کہہ سکتے ہو ہم دل میں نہیں ہیں پر یہ فرماؤ	کہ جب دل ہی میں تمھیں تم ہو تو آنکھوں سے نہاں کیوں ہو

کبھی تم کے ساتھ ہی واقع ہوتا ہی تو ہیؔ کی ہ کو صرف ہائے مخلوط سے بدل دیتے ہیں جیسے تمھی۔

ہمارے زمانے کے بعض اہلِ زبان ہم اور تم کے ساتھ ہی آئے تو اس میں کچھ تغیر نہیں بھی کرتے۔ اور ہم ہی اور تم ہی کہتے ہیں۔

وہ کے ساتھ ہی آئے تو ایک ہ حذف ہو جاتی ہی۔ اور کبھی نظم میں قائم بھی رہتی ہی۔ دونوں کی مثالیں دیکھو۔ مومن۔

نہیں اُس کے خواں سے کوئی تلخکام	وہی اشتہا بخشے وہ ہی طعام

اب۔ جب۔ تب۔ کب۔ سب کے ساتھ ہی آئے تو ہ ہائے مخلوط ہو کر بولی جاتی ہی جیسے ابھی۔ جبھی۔ تبھی۔ کبھی۔ سبھی۔

کبھی دو منفی جملوں میں ہیؔ اس طرح استعمال کرتے ہیں "نہ حامد ہی آیا نہ محمود" ایسے موقع پر ہیؔ تاکید کے لئے آتا ہی۔ ناواقف لوگ دوسرے جملے میں حرفِ نفی کے ساتھ ہیؔ بھی زیادہ کر دیتے ہیں اور کہتے ہیں نہ حامد آیا نہ ہی محمود۔ یہ غلط ہی۔ بعض پہلے جملے ہی میں حرفِ نفی اور ہیؔ کو اکٹھا کر دیتے اور یوں بولتے ہیں۔ نہ ہی حامد آیا اور نہ ہی محمود یہ بھی غلط ہی

قَسَم کے حرف

قَسَم۔ الف۔ ب۔ واؤ۔ سوگند۔

"خدا کی قسم میں نے زید کو نہیں مارا" ع

حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

"بخدا میں نے کچھ نہیں کہا" "واللہ یہی سچ ہے"

خواجہ حالی ہندوستان سے ہندوستان کی شکایت کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

یاد ہوگا تجھکو یاں آئے تھے ہم کس شان سے	تجھکو سوگند اپنے ست جگ کی بتا ایمان سے

واؤ صرف عربی لفظوں پر آتا ہے۔ اور یائے مفتوحہ صرف فارسی الفاظ پر۔ عربی میں بائے قسمیہ مکسور ہوتی ہے۔ جیسے باللہ۔ مگر اُردو میں باللہ جدا گانہ نہیں بولا جاتا اس کے پہلے واللہ ضرور ہوتا ہے۔ جیسے **شعر**۔

خدائی بدل جائے واللہ باللہ	اگر ہم سنور جائیں اتنے بگڑ کر

مگر یہ ضرور نہیں کہ واللہ کے ساتھ باللہ بھی ہو۔ ایک اور لفظ بھی ہے۔ حاشا للہ۔ اس کے معنی تو ہیں کہ خدا پاک ہے۔ یعنی یہ لفظ عربی کے اعتبار سے سبحان اللہ کا ہم معنی ہے۔ مگر مواقع استعمال اُردو میں مختلف ہیں۔ دلی کی عورتیں جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔ اب ایسے موقع پر حاش للہ بولتی ہیں جس میں ایک شائبہ قسم کا بھی پایا جاتا ہے۔

تاکید کے حرف

وہ حرف جن سے کلام میں زور آتا ہے۔

ضرور۔ ضرور بالضرور۔ بقرر۔ ہرگز۔ کبھی۔ زنہار۔ بھول کر۔ کانوں کان۔ مطلق۔ مطلقاً۔ اصلا۔ سب۔ سبکے سب۔ سبھی۔ تمام۔ کل۔ کلہم۔ سراسر۔ سراپا۔ سرتاپا۔ سربسر۔ بھر۔ ہوبہو۔ بعینہ۔ عین مین۔ آپ۔ خود۔ ان میں ہرگز۔ کبھی۔ زنہار۔ بھول کر۔ کانوں کان۔ مطلق۔ مطلقاً۔ اصلا۔ صرف نفی کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ حالی

تذکرہ دہلی مرحوم کا اے دوست نہ چھیڑ	نہ سنا جائے گا ہم سے یہ فسانہ ہرگز

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

میری سنو اگر نہیں سمع قبول کر	غفلت کبھی نہ کیجو زنہار بھول کر

دوسرے مصرع میں تین تاکیدیں ہیں۔ کبھی تاکید اوّل ہے۔ زنہار تاکید ثانی بھول کر تاکید ثالث۔

"دیکھنا کسی کو کانوں کان خبر نہو"

"میں نے محمود کو مطلق نہیں دیکھا" "کسی سے مطلقاً بات چیت نہ کرو" شعر۔

مرے طالع کی وہ گردش ہے جس سے	فلک نے بھی قرار اصلا نہ پایا

زنہار کبھی اثبات کی تاکید کے لئے بھی آتا ہے۔ مرزا غالب۔

اے تازہ واردانِ بساطِ ہوائے دل	زنہار اگر تمھیں ہوس نائے و نوش ہے

ہو بہو اور بعینہٖ اور عین میں تشبیہ کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔

کبھی سے دے کے بھی تاکید کے مقام پر آتا ہے۔ جیسے مسدس حالی۔

یہ لے دے کے ہے علم کا اُن کے حاصل	اسی پر ہے فخر ان کو بین الاماثل

آپ اور خود ضمائر کی تاکید کے لئے آتے ہیں۔ جیسے میں خود گیا تھا۔ اُس نے آپ کہا تھا۔

تاکید تکرار لفظ یا جملے سے بھی آتی ہے۔ ذوق۔

برائی میں ہماری وہ اگر اپنا بھلا سمجھے
بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے بُرا سمجھے

بسا اوقات ماضی منفی کی تاکید میں ماضی منفی کو مکرر لاتے اور اُس پر پر زیادہ کرتے ہیں۔ جیسے ظفر۔

رات ہمسایوں نے اٹھ اٹھ کے دعائیں مانگیں	شور و نالہ مرا مدھم نہ ہوا پر نہ ہوا

ناسخ

نہ سنا پر نہ سنا کیا ہے گراں گوش ہیں گل
ہو گئی نالوں سے آوازِ عنادل بھاری

کبھی تاکید مزید کے لئے الفاظ تاکید بھی بڑھا دیتے ہیں۔ جیسے۔ مومن

نہ جاؤں گا کبھی جنت میں میں نہ جاؤں گا		اگر نہ ہووے گا نقشہ تمھارے گھر کا سا	

کبھی تاکید کے الفاظ کو آگے پیچھے کر دیتے ہیں۔ جیسے الاسلام میں ہے ؎

سرانجام پاتے نہیں کام اُس بن		نہیں کام پاتے سرانجام اُس بن	

اِن الفاظ کے سوا اور الفاظ بھی بعض اوقات تاکید کا فائدہ دیتے ہیں۔ جیسے۔
"کیوں میاں حامد کیا اصلاح ہے؟" یہاں کیوں تاکید کے لئے آیا ہے۔ ذوق۔

ہے باغِ جہاں میں تجھے گر ہمتِ عالی		گر گردنِ تسلیم کو خم اور زیادہ	

اِس شعر میں لفظ اور اور زیادہ دونوں تاکید کے لئے آئے ہیں۔

تنبیہ کے حرف

جو دھمکانے اور خبردار کرنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔
ہیں۔ ہوں۔ ہاں۔ دیکھ۔ دیکھو۔ دیکھنا۔ سُن۔ سُنو۔ سنو جی۔ سنو تو سہی خبردار
"ہیں یہ کیا کیا؟" "ہوں یہ کیا کرتے ہو" یہ دونوں لفظ کبھی مکرر بھی آتے ہیں۔ جیسے ایک شاعر اپنے دل سے کہتا ہے ؎

ہیں ہیں یہ کیا تجھے دل غمناک ہو گیا	جل بھن کے اس طرح سے جو تو خاک ہو گیا
زائل یہاں تک اب ترا ادراک ہو گیا	گستاخ اتنا۔ ایسا تو بے باک ہو گیا

چاہا بُرا جہاں کا یہ تو نے بُرا کیا
منہ پیٹ دونوں ہاتھ سے ظالم یہ کیا کیا

مرزا غالب

ہاں کھائیو مت فریبِ ہستی		ہر چند کہیں کہ ہے نہیں ہے	

حالی

کل کبکِ سے چمن میں یہ کہتا تھا ایک زاغ		دیکھ اِس خرامِ ناز پہ اتنا نہ کر دماغ	

مثنوی فریاد داغ

دیکھو نواب میرزا دیکھو	دیکھو اپنا بُرا بھلا دیکھو

''دیکھنا کسی کو خبر نہ ہو'' **بیت**

سُن کوئی ہزار کچھ سُنائے	کیجے وہی جو سمجھ میں آئے

مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں۔

پڑے کیا ہو سیّد کے مذہب کے پیچھے	سنو جی یہ کافر سہی بلکہ اکفر
دلے گر کسے دنیوی فائدے کی	تو کیا ضد سے کر لو گے نقصاں سراسر

مصرع - کردنہ اہلِ وفا پر جفا سنو تو سہی۔

کسی کو کسی امرِ مذموم سے روکتے ہیں تو کہتے ہیں ''خبردار پھر ایسا کیا تو جائے گا''
خیر کا لفظ بھی کبھی دھمکی کے طور پر بولا جاتا ہے۔ جیسے خیر سمجھا جائے گا۔

مثال کے حرف

وہ حرف جو کسی ایسے جملے پر آئیں جو بطور مثال کسی امر کے بیان کیا جائے۔
مثلاً جیسے۔

یہ حرف اس کتاب میں تم جابجا دیکھتے ہو۔ کسی اور مثال کی حاجت نہیں۔

تشبیہ کے حرف

جن الفاظ سے ایک چیز دوسری چیز جیسا ہونا ظاہر ہو وہ تشبیہ کے حرف ہیں۔
دسا - کا سا - ایسا - ویسا - جیسا - جو جمع اور مؤنث میں سے - سی - کے سے - کی سی
ایسے - ایسی - ویسے - ویسی - جیسے - جیسی ہو جاتے ہیں، جوں - مانند - طرح - گویا - یوں -
اس طرح سے - بعینہٖ - ہوبہو - عین مین - غالب -

کوئی مجھسا نہیں زمانے میں	شاعرِ نغز گو و خوش گفتار

شعر

روئے یہ پھوٹ پھوٹ کے پاؤں کے آبلے | نالا سا ایک سوئے بیابان بہ گیا

پہلے شعر میں سا مانند کے معنوں میں آیا ہی۔ دوسرے میں گویا کے۔ **ذوق۔**

ہوا حمدِ خدا میں دل جو مصروفِ رقم میرا | الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

حالی

جیسا نظر آتا ہوں نہ ایسا ہوں میں | اور جیسا سمجھتا ہوں نہ ویسا ہوں میں

جوش

روتے کے لئے ہوں آفریدہ | ماتم کدۂ جہاں میں جوں ابر

"زمین گیند کی مانند[1] یا طرح[1]، گول ہی" **مومن۔**

تم مرے پاس ہوتے ہو گویا | جب کوئی دوسرا نہیں ہوتا

پیری میں ہو گیا یوں اس دل کا داغ ٹھنڈا | جس طرح صبح ہوتے کر دیں چراغ ٹھنڈا

شعر

ہوا پہ دوڑتا ہی اس طرح سے ابرِ سیاہ | کہ جیسے جائے کوئی فیلِ مست بے زنجیر

حامد بعینہ یا ہوبہو یا عین بعین محمود ہی۔

بعینہ اور ہوبہو جب کسی حرفِ تشبیہ کے ساتھ آتے ہیں تو تاکید کا کام دیتے ہیں۔

جیسے۔ **ذوق۔**

میں ہوں چکر میں لگی جس دن سے دنیا کی ہوا | حال میرا ہی بعینہ آسیائے باد کا

یہاں سا حرفِ تشبیہ محذوف ہی۔

ایک ہمرنگ مجنوں کہتا ہی۔ **شعر**

کھنچی دیکھی جو کل تصویرِ مجنوں | تو گویا بیٹھے ہیں بس ہوبہو ہم

[1] مانند اور طرح اضافت کے ساتھ مستعمل ہیں ۱۲۔

استفہام کے حرف

جو پوچھنے کے موقع پر بولے جاتے ہیں

کیا۔ آیا۔ کیوں۔ کاہے کو۔ کیونکر۔ کیسے۔ کس طرح سے۔ کس واسطے۔ کس لئے بعلاوغیرہ
کیا نثر میں ہمیشہ ابتدائے کلام میں آتا ہی "کیا تم نے زید کو مارا" "آیا یہ کام خالد نے کیا
یا کسی اور نے" "اُس نے میرا کہا کیوں نہ کیا"
کاہے کو کیوں کے معنوں میں آتا ہی۔ شعر

باہم سلوک تھا تو اُٹھاتے تھے نرم گرم	کاہے کو میر کوئی دَبے جب بگڑ گئی

مصرع۔ تم نے اتنا بھی نہ پوچھا کیا ہوا کیونکر ہوا۔
کیسے۔ کیوں اور کیونکر دونوں کے معنوں میں آتا ہی۔ جیسے۔

یہ ہاتھ کیسے ہیں بیکار رکھ تو کار کریں	بہار آئی گریبان تار تار کریں
بارِ عصیاں سے ہوا ہی مرا مُردہ بھاری	دیکھئے اُٹھتا ہے یارب یہ جنازہ کیسے
کس واسطے کچھ اُداس سے ہو؟	کس سوچ میں بے حواس سے ہو؟

غالب

یارب زمانہ مجھکو مٹاتا ہے کس لئے	لوحِ جہاں پہ حرفِ مکرر نہیں ہوں میں

نظم میں کیونکر کی جگہ کیونکہ بھی آتا ہے مگر بہت کم۔
ایں بھی مقام تعجب میں استفہام کے لئے آتا ہی۔ جیسے "ایں ایسی جلدی؟" اور کبھی
صرف استفہام کی تاکید کے لئے استعمال کیا جاتا ہی۔ جیسے "ایں کیا ٹوپی کے بدلے چنے
لے کھائے؟" ایں کی جگہ ہیں بھی آتا ہی۔
کبھی تحقیر کے مقام پر خاک کا لفظ استفہام کا کام دیتا ہی۔ رند۔

دفینے گاڑ کر قبروں میں آخر گڑ گئے مُنعم	مآلِ مالِ دنیا خاک غیر از یاس و حسرت ہی!

زندگی زندہ دلی کا ہے نام	مُردہ دل خاک جیا کرتے ہیں!

حروفِ استفہام کے علاوہ اسمائے استفہام بھی آتے ہیں جن کا ذکر حصۂ اوّل میں گزر چکا۔

استفہام کی قسمیں استفہام تین قسم کا ہوتا ہے۔

اوّل اقراری۔ جیسے "اگر یہ اُس کی نادانی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے" (یعنی یہ اُس کی نادانی ہی کا تو نتیجہ ہے۔)

دوسرے انکاری۔ جیسے "زید نے یوں کب کہا ہے" (یعنی یوں نہیں کہا) **شعر**

کرتا ہے ابر اپنا لہو پانی ایک کیوں	کب رو سکے گا دیدۂ خونبار کی طرح؟

یعنی دیدۂ خونبار کی طرح نہیں رو سکے گا۔

تیسرے استخباری۔ جیسے "تمھارے ہاتھ میں کیا ہے؟" "حامد کون شخص ہے؟"

فائدہ۔ کیا کبھی تعجب وعظمت اور مبالغہ وکثرت کے لئے آتا ہے۔ جیسے "کیا بھینی بھینی خوشبو ہے" "کیا جادو بیان شخص ہے" "کیا خوش قلم ہے"

کبھی حقارت کے لئے۔ جیسے "زید کیا آدمی ہے" "وہ کیا چیز ہے" **غالب**۔

ہر ایک بات پہ کہتے ہو تم کہ تو کیا ہے	تمھیں کہو کہ یہ اندازِ گفتگو کیا ہے

ذوق

سیراب نہ ہو جس سے کوئی تشنۂ مقصود	اے ذوق جو وہ آبِ بقا بھی ہے تو کیا ہے

کبھی مساوات کے لئے۔ ایسی حالت میں تکرار ضرور ہے۔ جیسے "کیا بادشاہ اور کیا فقیر سب موت سے ناچار ہیں"

کبھی نہی کے لئے۔ جیسے "کیا شور مچا رکھا ہے"

کبھی نفی کے لئے۔ جیسے **شعر**۔

کیا جانے ہم زمانے کو حادث ہے یا قدیم	کچھ ہو بلا سے اپنی کہ ہیں فانیوں میں ہم

کبھی تذلل وانکسار کے لئے۔ جیسے ؎

کیافائدہ فکرِ بیش و کم سے ہوگا — ہم کیا ہیں کہ کوئی کام ہم سے ہوگا

یعنی ہماری ہستی اور حقیقت کیا ہے۔

کبھی طنزاً کہتے ہیں غالب

واعظ نہ خود پیو نہ کسی کو پلاسکو — کیا بات ہے تمھاری شرابِ طہور کی

کبھی شاعر ولولۂ دل ظاہر کرتا ہوا کہتا ہے ؎

صدمے گزرے ایذا گزری — ہجر میں تیرے کیا کیا گزری
کس سے کہیے کون سُنے گا — کیا کیا گزرا کیا کیا گزری

کبھی بجھے دل سے کہتا ہے **شعر**۔

کیا ماجرالکھوں ہیں کہ تاب رقم نہیں — ہیں نالہ ہائے صور۔ صریرِ قلم نہیں

کبھی کیا کیوں کے معنی دیتا ہے۔ **شعر**

رات دن چکر میں ہیں سات آسماں — ہو رہے گا کچھ نہ کچھ گھبرائیں کیا

مقدار کے حرف

مقدار کے حرف وہ ہیں جو اندازہ و مقدار کے لئے استعمال کئے جائیں۔ جیسے اتنا سبق پڑھو جتنا یاد کر سکو۔ یہاں اتنا اور جتنا حروفِ مقدار ہیں۔

اِتنا۔ اُتنا۔ کِتنا۔ جِتنا۔ جو جمع اور مؤنث میں اِتنے۔ اِتنی۔ اُتنے۔ اُتنی۔ کِتنے۔ کِتنی۔ جِتنے۔ جِتنی ہو جاتے ہیں۔ اِن میں سے کِتنا۔ کِتنے۔ کِتنی۔ کلماتِ استفہام بھی ہیں جو استفہامِ مقداری یا عددی کے موقعے پر بولے جاتے ہیں۔

اِس قدر۔ اُس قدر۔ کِس قدر۔ جس قدر۔ اُسی قدر۔ کسی قدر بھی الفاظ مقدار ہیں **مقولہ**

اس قدر دل سے کیا نقشِ دوئی کو میں نے محو — ہیں دمِ نظارہ یکتا دیدۂ احول میں ہوں

کبھی یہ اور یہاں تک بھی اِس قدر کے معنوں میں آتے ہیں۔ جیسے **مومن**

یہ انفعالِ گنہ سے میں آب آب ہوا	کہ میرا کاسۂ سر کاسۂ حَباب ہوا

یعنی گناہ کی ندامت سے میں اِس قدر پانی پانی ہوا۔ **مقتول**۔

ہوں یہاں تک اے دلِ وحشی یہ افلاک تنگ	میں مثالِ مغز گویا دانۂ حنظل میں ہوں

حروفِ ندا

جو پکارنے کے لئے بولے جاتے ہیں۔

اَے۔ یا۔ او۔ ہوت۔ ارے۔ بے۔ ابے۔ ارے او۔ ابے او۔ رے۔ اجی۔ الف۔

نواب سید محمد خاں رِنؔد

حور پر آنکھ نہ ڈالے کبھی شیدا تیرا	سب سے بیگانہ ہے اے دوست شناسا تیرا
کِس دن زبان رات کو صرفِ دعا نہ تھی	یارب تری جناب میں کب التجا نہ تھی
جانِ حزیں یقین ہوا دِل نے کھوئی ہے	یا خضر آپ ہی نے یہ کشتی ڈبوئی ہے
شاہد رہیو تو او شبِ ہجر	جھپکی نہیں آنکھ مصحفیؔ کی

او بیشتر مقامِ تحقیر[1] میں بولا جاتا ہے۔ اور کسی صفت کے ساتھ جیسے "او بے رحم"۔ "او نالائق" **ناسخ**

دمبدم چیں بر جبیں ہوتا ہے مجھ پر کِس لئے	آبِ آئینہ میں او ظالم بھلا کیا کارِ موج

کبھی اس لفظ سے ایسے شخص کو بھی خطاب کرتے ہیں جس کو نہایت عزیز سمجھتے ہیں۔ جیسے۔

[1] (حکایت) ایک آدمی کو کھٹملوں نے رات بھر سونے نہ دیا۔ یہ شخص بے قرار ہو کر خدا سے دُعا مانگنے لگا کہ اے خدا اِس عذاب کو دفع کر کھٹمل کب دُعا کو مانتے تھے۔ کاٹتے کاٹتے سجا سجا دیا۔ تب یہ پاجی کھٹملوں پر زور نہ چلا خدا سے کہنے لگا کہ اے خدا تو نے اِس ذرا سے کام میں میری مدد نہ کی تو بڑے کاموں میں تو کیا میری مدد کرے گا۔ جواب ملا کہ ہاں او بے ایمان جب تو چھوٹی چھوٹی باتوں میں بے قرار ہو کر مجھکو بلاتا ہے اور اپنے ہاتھ نہیں ہلانا چاہتا تو بڑے کاموں میں بھی تیری فریاد نہیں سُنی جائے گی تجھکو اتنی قدرت حاصل ہے کہ کھٹملوں کو دفع کرے اور تو اِس قدرت کو کام میں نہیں لاتا۔ ۱۲

(منتخب الحکایات)

میں نام ترا لے لے دن رات جو چلاؤں	؟؟	او سنتے ہوئے بہرے کیونکر نہ گلا بیٹھے

ہوت میاں یا اجی کے ساتھ آتا ہی۔ جیسے "میاں ہوت"۔ "اجی ہوت"۔ اس لفظ کو خواص استعمال نہیں کرتے۔ شعر میں مطلق نہیں آتا۔

ارے یا تو کم رتبہ شخص کے لئے بولا جاتا ہی یا بے تکلف دوستوں میں جیسے "ارے احمق"۔ "ارے بیوقوف"۔ "ارے میاں"۔ فصحا اس لفظ کو بہت کم بولتے ہیں۔

بے اور ابے خوار اور ذلیل شخص کے حق میں بولے جاتے ہیں۔ جیسے "سن بے"۔ "ابے پاجی"۔ ارے او۔ ابے او بھی مقام تحقیر میں استعمال کئے جاتے ہیں۔ مصرع۔

ادھر آبے ابے او چاک گریباں والے

اس مصرع میں دو حرف ندا اکٹھے استعمال کئے گئے ہیں۔

رے یہ بہت کم بولا جاتا ہی شعر

اللہ رے تیری بے نیازی	یعقوب کو تم نے تو رلایا

اجی اکثر بزرگ آدمی کے حق میں بولتے ہیں جیسے "اجی حضرت"۔ "اجی قبلہ"۔ کبھی از راہِ بے تکلفی اپنے سے چھوٹے شخص کے حق میں بھی بول لیتے ہیں۔

الف لفظ کے آخر آتا ہی اور بیشتر اس کا استعمال نظم میں ہی۔ ذوق۔

خسرواسن کے ترا مژدۂ جشن نوروز	آج ہی بلبل تصویر تلک زمزمہ سنج

ناسخ

کون کرتا ہی بتوں کے آگے سجدہ زاہدا	سر کو دے دے مار کر توڑیں گے بتخانے کو ہم
مثلِ جرس ہی ہرزہ درائی عبث دلا	دنیا سے کر گئے ہیں مرے ہمزبان کوچ

فائدہ۔ ہوت اور الف ندا کے سوا تمام حروف منادیٰ سے پہلے آتے ہیں۔

فائدہ۔ بعض الفاظ بحذفِ حرفِ ندا مستعمل ہیں جیسے قبلہ۔ جناب۔ غریب پرور حضور وغیرہ۔

جواب یا ایجاب کے حرف

کوئی پکارے تو اُس کے جواب میں یا کسی بات کے اقرار کرنے میں جو الفاظ بولے جائیں وہ جواب یا ایجاب کے حرف ہیں

ہاں۔ جی۔ بھلا۔ اچھا۔ بہت اچھا۔ ٹھیک۔ واقعی۔ دُرست۔ بجا۔ کیوں نہیں۔

ہاں اور جی ندائے قریب کے جواب میں بولے جاتے ہیں۔ بھلا ندائے بعید کے جواب میں مقام ادب میں ہاں کے پہلے جی لگاتے ہیں اور جی ہاں کہتے ہیں۔ ہاں سوال کے جواب میں بھی آتا ہے۔ اچھا اور بہت اچھا امر یا نہی کے قبول میں۔ ٹھیک۔ واقعی۔ درست۔ بجا متکلم کی تصدیق کے لئے۔ **بیت۔**

ہر اک بول پر اُن کے مجلس فدا ہے		ہر اک بات پر واں دُرست اور بجا ہے	

کیوں نہیں۔ ایجاب نفی کے لئے یعنی کلام منفی کے جواب میں جس میں استفہام ہوتا ہے۔ جیسے خدا نے ارواح سے فرمایا "کیا میں تمہارا پروردگار نہیں ہوں؟" انھوں نے جواب دیا "کیوں نہیں"۔ دیکھو۔ کیوں نہیں سے خدا کے پروردگار نہ ہونے سے انکار یعنی پروردگار ہونے کا اقرار کیا گیا ہے۔

یہ لفظ عام طور پر بھی استفہام کے جواب میں آتا ہے خواہ کلام منفی ہو یا مثبت۔ جیسے "زید تم سیر کو نہیں چلوگے"؟ "کیوں نہیں" "آپ بھی چلے گا؟" "کیوں نہیں"۔

ندبہ و تاسّف کے حرف

جو افسوس کے مقام پر بولے جائیں۔

ہائے۔ ہائے ہائے۔ ہائے رے۔ وائے۔ ہے ہے۔ آہ۔ افسوس۔ حیف۔ دریغ۔ دریغا۔ ہیہات۔ وامصیبتا۔ واحسرتا۔ **غالب**

ہائے واں بھی شورِ محشر نے نہ دم لینے دیا	لے گیا تھا گور میں ذوقِ تن آسانی مجھے

تیرے دل میں گر نہ تھا آشوبِ غم کا حوصلہ	تو نے پھر کیوں کی تھی میری غمگساری ہائے ہائے

ذوق

ہائے رے حسرت دیدار مری ہائے کو بھی	لکھتے ہیں ہائے دو چشمی سے کتابت والے
جو نہ ہوں عقدے کبھی جوں غنچہ مقصود روا	وائے قسمت وہ ہمارے عقدہ مطلب بنے
کون وقت اے وائے گزرا جی کو گھبراتے ہوئے	موت آتی ہے اجل کو یاں تلک آتے ہوئے

گلزار نسیم

ہے ہے مرا پھول لے گیا کون	ہے ہے مجھے داغ دے گیا کون

مقتول

خاک ہم کو کر دیا تیرے غبارِ دل نے آہ	حیف ہی ظالم تجھے اب تک صفا پاتے نہیں

صفدر

غفلت میں گزر گئی جوانی افسوس	کچھ قدر شباب کی نہ جانی افسوس
وہ ولولے اب خزانِ پیری میں کہاں	افسوس بہارِ زندگانی افسوس

حالی

دشمن اپنا ہو گیا سودائے مال و جاہ حیف	حرص نے طعمے کی شیروں کو کیا روباہ حیف

مومن

وہ مہر جلوہ زیرِ زمیں اے فلک دریغ	گردوں نشیں ہو خاک نشیں اے فلک دریغ

مولوی نذیر احمد

ابلے[1] اس کی یہ نوبت ہوئی ہے دریغا	کفِ دست میدان ہے جیسے کلّر

رُباعی

کچھ فکر مآل کار رہیہات نہیں	اندیشۂ ماَبقے[2] و مافات نہیں

[1] باغ اسلام کی ۱۲۔ [2] اصل میں مابقی بکسر قاف و فتح یا ہے مگر تصرف کر کے مابقےٰ بولتے ہیں ۱۲

کیا صبح و مسا زیست کٹی جاتی ہے | مقراض حیات ہیں یہ دن رات نہیں

مومن

پھولوں کو جس کی بو نے ملایا تھا خاک میں | ہے اُس کی خاک وقفِ سمن وا مصیبتا

توبۃ النصوح میں ہے" تب یہ دوسرا صدمہ نصوح کے دل پر ہوا کہ وا حسرتا میں تو تباہ ہوا ہی تھا۔ میں نے ان تمام بندگانِ خدا کی بھی باٹ ماری[1]"

ہائے کی طرح حیف اور افسوس وغیرہ بھی مکرر آتے ہیں۔ ع۔

گردشِ چرخ حیف حیف دورِ زمانہ ہائے ہائے شعر

تو جائے تو کیوں نہ آئے افسوس | افسوس افسوس ہائے افسوس

ظرفیت کے حروف

وہ حروف جو مقام ظرفیت میں بولے جائیں۔

ہاں۔ یہاں۔ وہاں۔ یاں[2]۔ واں[3]۔ کہاں۔ کہاں کہاں۔ جہاں۔ جہاں جہاں۔ یہیں[4]۔ وہیں[4]۔ کہیں۔ اِدھر۔ اُدھر۔ جدھر۔ کدھر۔ ظرف مکاں کے لئے آتے ہیں۔

اور اب۔ جب۔ کب۔ تب۔ ابھی۔ ابھی ابھی۔ جبھی۔ تبھی۔ کبھی۔ کبھی کبھی ظرفِ زماں کیلئے

اِن میں سے کہاں۔ کہاں کہاں۔ کدھر۔ کب زیادہ تر استفہام کے لئے آتے ہیں۔

اور اِن میں سے بعض حرف جیسے جہاں۔ جہاں جہاں۔ جدھر اور جب حرف موصول و حرفِ شرط وغیرہ بھی ہیں۔ جیسا کہ بیان ہو چکا۔

"کل مولوی صاحب میرے ہاں تشریف لائے تھے۔" "یہاں کیا رکھا ہے" "میں وہاں نہیں گیا"

ہاں لب پہ لاکھ لاکھ سخن اضطراب میں | واں ایک خامشی تری سب کے جواب میں

"خدا نے اُسے کہاں پہنچایا۔" "بیچارہ کہاں کہاں پھرا۔" شعر

[1] رستہ کھوٹا کیا۔ [2] [3] یہ الفاظ صرف نظم میں آتے ہیں [4] یہیں اور وہیں اصل میں یہاں ہی اور وہاں ہی ہے۔

جہاں گیا ہیں گیا دام لے کے واں صیاد	پھر اتلاش میں میری کہاں کہاں صیاد
میں وہ نہیں کہ تم ہو کہیں اور کہیں ہوں میں	میں ہوں تمھارا سایہ جہاں تم وہیں ہوں میں

"آپ یہیں ٹھیریئے گا۔" "میں مدت سے وہیں رہتا ہوں۔" "اُس کا کہیں نشان نہیں ملتا۔" "اِدھر آؤ۔" "اُدھر مت دیکھو۔" "خدا جانے زید کدھر گیا۔" **شعر**

اب تو گھبرا کے یہ کہتے ہیں کہ مر جائیں گے	مر کے بھی چین نہ پایا تو کدھر جائیں گے

"اب کیا ہی۔" "جب یا تب تو سب کچھ تھا۔" "معلوم نہیں ایسا کب ہوا۔" "ابھی کچھ نہیں بگڑا۔" "میں ابھی ابھی آتا ہوں۔"

"تم نے جبھی دیا تبھی، کیوں نہ کہدیا۔" "اُس نے کبھی ایسی حرکت نہیں کی۔" "کبھی کبھی تو بلا لیجیے۔"

کبھی اور کبھی کبھی کے ہم معنی فارسی الفاظ گاہ اور گاہے گاہے بھی اُردو میں مستعمل ہیں۔ **جُرأت**۔

سرسری اُن سے ملاقات ہی گاہے گاہے	صحبتِ غیر میں گاہے سرِ راہے گاہے

اِس جگہ۔ اُس جگہ۔ کِس جگہ۔ کس کس جگہ۔ جس جگہ۔ جس جس جگہ۔ اِسی جگہ۔ اُسی جگہ۔ کسی جگہ۔ اِس طرف۔ اُس طرف۔ اِسی طرف۔ اُسی طرف۔ جس طرف۔ کِس طرف۔ کسی طرف۔ اِس وقت۔ اُس وقت۔ اِسی وقت۔ اُسی وقت وغیرہ بھی الفاظِ ظرفیت ہیں۔

حرفِ تفسیر

جس سے کسی لفظ کے معنے یا کسی کلام کا مطلب کھول کر بیان کریں۔

یعنی۔

"اسراف یعنی فضول خرچی نہایت مذموم ہے۔" **غالب**

دیوانگی سے دوش پہ زنار بھی نہیں	یعنی ہماری جیب میں اِک تار بھی نہیں

حروف تفریع

جب کلام سابق سے کوئی امر مُستنبِط کریں یا نتیجہ نکالیں تو جو حرف کلام مُستنبط یا جُملہ نتیجہ پر لاتے ہیں وہ حروف تفریع ہیں۔

تو۔ پس (پس فارسی لفظ ہی اور جس طرح فارسی میں مستعمل ہی اسی طرح اردو میں بولا جاتا ہی)۔

"تو اِس سے یہ بات ظاہر ہوئی کہ" "پس ثابت ہوا کہ ...."

حروف تفریع جملے کے شروع میں آتے ہیں۔

تسلسُلِ کلام کے حرف

وہ حرف جن سے کلام مابعد کو کلام ماسبق سے مسلسل و مربوط کریں۔

تو۔ سو۔ یہ حرف اکثر لمبی لمبی عبارتوں میں آتے ہیں۔

شک وظنّ کے حرف

جن سے کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے میں شک ظاہر کریں۔

شاید۔ مگر۔ اسیر۔

باندھی ہی سب نے زیرِ فلک جھوٹ پر کمر	شاید بگڑ گیا ہے کہیں ماٹ نیل کا

مومن

بیچارہ بے قرار ہی درماں کی فکر میں	آگاہ میرے حال سے مُشفق مگر نہیں

ظنِّ غالب کے حرف

وہ حرف جن سے ایسا شک پایا جائے جو یقین کے قریب ہو۔

غالباً۔ ہو نہ ہو۔ میر تقی۔

پھر نہ آئے جو ہوئے خاک میں جا آسودہ	غالباً زیرِ زمیں میر ہے آرام بہت

"ہو نہ ہو یہ تمھارا بھائی ہی"۔

ہو نہ ہو کا لفظ تحقیق کے معنوں میں بھی بولا جاتا ہی۔ اس لئے ہم اس کو کلماتِ تحقیق میں بھی لکھیں گے۔

تنبیہ۔ بعض لوگ غالباً کے قیاس پر اغلباً کہتے ہیں۔ یہ غلط ہی۔ کیونکہ عربی کا کوئی لفظ جو افعل کے وزن پر ہو مُنوّن نہیں ہو سکتا۔

کلماتِ تحقیق و یقین

بے شک۔ بلاشک۔ بے گماں۔ یقیناً۔ قطعاً۔ ہو نہ ہو۔ ضرور۔ لاجرم۔ تحقیق۔ مقرر۔ البتہ۔ لامحالہ۔

"بے شک خدا نیکوکاروں کو نیک بدلا دے گا"۔ بیت

کی خدا نے جو یہ زبان عطا	ہی بلا شک عطیۂ عظمےٰ

مقتول

گو کہ طبع شعر ابحر رواں ہے مقتول	بے گماں میں بھی اک آن میں دُرِ یکدانہ ہوں

"تمھارا قول یقیناً صحیح ہی"۔ "میں نے قطعاً نہیں کہا"۔ "یہ بشر تو نہیں ہو نہ ہو ایک معزز فرشتہ ہے"۔ (ترجمۃ القرآن مولوی نذیر احمد)

"ہر ایک جاندار کو مرنا ضرور ہی"۔ توبۃ النصوح میں ہی: "ایک بیٹا اور ایک بیٹی تو پکّی عمر کے ہیں۔ اور بیاہے جا چکے ہیں۔ اور لاجرم اُن کی عادتیں راسخ اُن کی خصلتیں کالطبیعۃ ہیں"۔ "تحقیق یا مقرر خدا بخشنے والا ہے"۔

تحقیق اور مقرر اور البتہ کا استعمال عام بول چال میں کم ہوتا جاتا ہی۔ مولوی نذیر احمدؒ صاحب اپنے ایک لکچر میں لکھتے ہیں۔ "جب کشف الصّدور کا یہ حال ہی تو کشود کار پر

حروفِ مفاجات

جن حروف سے کسی امر کا ناگہاں اور یکبارگی اور اتفاقاً واقع ہونا ظاہر ہو وہ حروف مفاجات ہیں۔

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۶ ۔ اور میں نہیں جانتا کہ کس بلا کی کشش ہو کہ نہ تو میں نے انجام سوچا اور نہ کسی سے کچھ کہا سنا۔ بس وہ وقت اور آج کا وقت حاضر خدمت ہوں۔ اور شبانہ روز عجب عجب کرشمے دیکھتا ہوں۔ مرشد کے قدموں میں رہتے ہوئے مجکو دسواں برس ہو۔ ایک بار ارشاد ہوا کہ جا بچہ گھر والوں سے یاد اللہ کر آ۔ اور چلتے وقت ایک بدھنی میں چند کوڑیاں ڈال کر تبرک عنایت ہوا تھا۔ وہ میں گھر والی کے حوالے کر آیا تھا کہ اُس کے اندر جو کچھ بھی ہو اُس کو نہ تو دیکھنا اور نہ شمار کرنا۔ اور جب خرچ کی ضرورت ہو مرشد کا نام لے کر نکال لیا کرنا۔ تب سے گھر والوں نے کبھی خرچ کی تنگی کی شکایت نہیں کی اور سوا اس بدھنی کے اور کوئی آمدنی نہیں۔ ملا قرآنی نے اِس طرح کی گڑھی ہوئی اور بنائی ہوئی کتنی حکائتیں ساتھیوں کو یاد کرادی تھیں کہ کیسا ہی سیانا آدمی ہوتا ایسے پھنسے نہ رہتا۔ شروع شروع میں اُن لوگوں کو کسی قدر تکلیفیں پہنچیں۔ اور سب لوگ رات کے وقت ملا قرآنی کے سر ہوتے تھے کہ کمبخت تو نے ہم کو گھر بھی نہ جانے دیا۔ اور ملا صاحب اُن کی تسلّی کر دیا کرتے تھے کہ گھبراؤ نہیں عنقریب سب دردر پاک ہوئے جاتے ہیں۔ چلتے چلتے یہ لوگ لکھنؤ پہنچے۔ اور ان کی شہرت کی لین ڈوری ان سے آگے آگے چلتی تھی۔ یہاں تک کہ کسی کی تقریب سے آغا میر کے امام باڑے میں اُن کو جگہ مل گئی۔ اور آغا میر نے ایک بڑی عالیشان عمارت میں شاہ صاحب اور اُن کے حواشی کے رہنے کے لئے اُن کی فرمائش کے مطابق مکانات بنوا دئے۔ جب خود شاہ صاحب کے لئے مکان کی تجویز ہونے لگی تو مریدوں نے کہا کہ حضرت تو کسی مکان میں رہنے والے ہی نہیں۔ تحت السماء رہنا پسند فرماتے ہیں۔ اور گرمی برسات۔ جاڑا کوئی موسم ہو کھلے میدان میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اور آپ دیکھ لیں گے کہ ساون بھادوں میں سب طرف پانی برستا ہوگا اور شاہ صاحب کی جگہ پر پھوار کبھی برسے اور کبھی نہ برسے۔ تمام جاڑے برہنہ بیتے ہیں۔ اور ہم نے تو کبھی رونگٹا بھی کھڑے ہوتے نہیں دیکھا۔ اور یوں لوگ دشالوں کی گٹھریاں چھوڑ چھوڑ جاتے ہیں۔ حضرت کبھی نظر اُٹھا کر بھی نہیں دیکھتے۔ لیکن اِن تمہیدات کے بعد آغا میر کے اصرار سے شاہ صاحب کے لئے وسط باغ میں ایک بارہ دری بنی اور شاہ صاحب

ناگہاں۔ ناگاہ۔ اچانک۔ دفعتہً۔ یک لخت۔ یک دم سے۔ ایک بار۔ ایکبارگی اتفاقاً
یکایک۔ یک بیک۔ کہ جو وغیرہ۔ **مصرع**

ناگہاں غیب سے ندا آئی

بت سے مطلب تھا نہ کچھ کام تھا الفت سے ہمیں	دفعتہً پڑ گئے آفت میں خدایا کیسے

"زمانے کا رنگ یک لخت بدل گیا" "لشکر ظفر پیکر نے ایک دم سے دھاوا کر دیا"

مثنوی گلزار نسیم

برخاست کا تھا وہ رخصتی بار	برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اِک بار
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں	اتفاقاً اپنا آنا ہوگیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۷۔ اُس میں فردکش ہوئے یعنی مریدوں نے منت سماجت سے اُن کو وہاں بٹھادیا اب پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند کا وقت آیا تو اُس پیر گرگ ملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو بارہ مدوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازے کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کردیا۔ اور شاہ صاحب کو شب کے وقت بجھادیا کہ لوگ اُنھیں دروازوں سے سلام کے لئے حاضر ہوں گے اور ہم اُن کا مطلب معلوم کرکے اُن سے کہدیا کریں گے کہ وہاں فلاں دروازے سے جانا۔ آپ اپنی بڑ میں اتنا ضرور اشارہ کر دیجئے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے۔ آغا میر کے یہاں اِس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اِس قدر ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شاہ صاحب کے حواشی کے ملے بدون کوئی جا نہ سکتا تھا۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور بمشکل شاہ صاحب تک جانے کی اجازت دیتے مگر اُس خاص دروازے سے جو اِس مطلب کے لئے نامزد کر رکھا تھا یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پہنچتا اور باب الحاجت پر دستک دیتا شاہ صاحب تک بے تکٹ جو کچھ جی میں آتا کہہ دیتے۔ مگر اِس کے مطلب کا اشارہ ضرور ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پر ظاہر ہوگئی کہ کشف الصدور میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور جب کشف الصدور کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے۔ یہ سب ہے پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند۔ پھر اِن لوگوں نے کھایا سو کھایا اور پہنا سو پہنا۔ تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہوگیا۔ اُس کی تقسیم میں ملا قرآنی اور شاہ صاحب میں ہوئی تکرار اور پردہ فاش ہوگیا۔ نوبت بہ عدالت پہنچی۔ سارا مال و متاع ضبط ہوا۔ اور یہ سب لوگ شہر بدر کردئے گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب آزاد خواجہ حیدر علی آتش کی وفات کا حال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ "سنہ ۱۲۶۲ ہجری میں ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھوکا آیا کہ شعلے کی طرح بجھ کر رہ گئے"۔ **داغ**۔

دعا یہ ہے کہ وقتِ مرگ مشکل اُس کی آساں ہو	زباں پر داغؔ کا نام آئے یارب یک بیک تیرا

غالب

نہاں تھا دامِ سخت قریب آشیانہ کے	اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"زید جوان نہ ہونے پایا تھا جو قضا آپہنچی"۔
مقامِ مفاجات میں کہ اور جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

تمنا کے حرف

وہ حروف جو آرزو کے موقع پر بولے جائیں۔
کاش۔ اے کاش۔ کاشکے۔
یہ حروف ماضی اور مضارع دونوں طرح کے فعلوں پر آتے ہیں۔ **غالب**۔

نہ کرتا کاش نالہ مجھکو کیا معلوم تھا ہمدم	کہ ہوگا باعثِ افزایشِ دردِ دروں وہ بھی

میر تقی

کاش اُس کے روبرو نہ کریں مجھکو حشر میں	کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

غالب

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

توبۃ النصوح میں نصوح زندگانی کی تمنا کرتا اور کہتا ہے۔ "اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا"۔ **شعر**

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا	کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

پہلے اے کا شکے بھی بولتے تھے۔ اب متروک ہے۔ کبھی اے وائے بھی کاش کی جگہ بولا جاتا ہے۔ غالب۔

آتش کدہ ہے سینہ مرا رازِ نہاں سے	اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

تحسین و آفریں کے حرف

وہ حروف جو تعریف کے مقام پر منہ سے نکلتے ہیں تحسین و آفریں کے حرف کہلاتے ہیں

آفریں۔ شاباش۔ خوب۔ بہت خوب۔ بارک اللہ۔ جزاک اللہ۔ واہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ چشم بد دور۔ واہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ بل بے۔ ہائے۔ ہائے ہائے احسنت۔ مرحبا۔ حبذا۔ ہٹ نظر رہے۔ نامِ خدا۔ صلّی علے[1]۔

بدر منیر کا مصنف خاتمۂ کتاب میں کہتا ہے۔ بیت۔

غرض جس نے اُس کو سُنا یوں کہا	حسَن آفریں آفریں مرحبا

"شاباش بیٹا شاباش خوب پڑھتے ہو۔"

کسی کا عمدہ کلام سنتے یا اُس کو پسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ خوب۔ بہت خوب بارک اللہ جزاک اللہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہے۔ سبحان اللہ۔

کوئی خوشنما چیز یا پاکیزہ شکل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔ "سبحان اللہ" "ماشاء اللہ" "چشم بد دور" ماشاء اللہ۔ چشم بد دور دفعِ نظرِ بد کے لئے کہتے ہیں۔ شعر۔

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک	استخواں میری ہما کس کس مزے سے کھائے ہے
میر دریا ہے سُنے شعر زبانی اُس کی	اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی
بُوٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے	بل بے ہمت ترے نزدیک ہے پتھر وہ گھاس

"ہائے۔ ہائے۔ ہائے۔ کیا کلام ہے۔ بس جادو ہے جادو نہیں بلکہ اعجاز۔"

[1] نظم میں سے حذف بھی ہو جاتا ہے۔ جیسے۔ امیر مینائی

پڑھتے ہیں دیکھ کے اُس بُت کو فرشتے بھی درود	مرحبا صلّی علے صلّی علے کیا کہنا

شعر

احسنت دبیر اب تو سخن ہے ترا اعجاز — ہر مصرعِ موزوں دُرِ مکنوں سے ہے ممتاز
میں بھی اس شکِ چمن محفل میں وہ مطلع پڑھوں — بلبلِ تصویر سُن کے بول اُٹھے مرحبا

مومن

پڑھ کوئی وہ غزل کہ اعدا بھی — حبّذا حبّذا کہیں سُن کر

غالب

صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ ہف نظر — طاقت رُبا وہ اُن کا اشارہ کہ ہائے ہائے

ذوق

نورِ معنی ہے ہر شکل نتیجہ اُس کا — اللہ اللہ رے زہے شکلِ شہنشاہِ شکیں

غالب

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اُس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

صلّ علیٰ یہ عربی لفظ ہیں۔ اور ان میں علیٰ حرفِ جر ہے۔ اور معلوم ہے کہ حرفِ جر بے مجرور نکمّا ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عربی میں کبھی حرفِ جر بے مجرور نہیں آتا۔ اور یہی سبب ہے کہ مرزا اسداللہ خاں غالب صلّ علیٰ کا استعمال جائز نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا مقولہ یہ تھا کہ حرفِ جر بے مجرور بولنا ایک عامیانہ اور سوقیانہ (یعنی بازاری لوگوں کی) بول چال ہے چنانچہ اُن کے کسی شاگرد کی غزل میں یہ لفظ ہوتا تو اُس کی جگہ اور لفظ بنا دیتے۔ مگر چونکہ اُن کے ہمعصر مُسلّم الثبوت اُستاد شیخ ابراہیم ذوق نے اس کو استعمال کیا ہے۔ اور اور اہلِ زبان بھی استعمال کرتے ہیں، اس لئے اب یہ محاورہ اور سند ٹھیر گیا ہے۔ ذوق کہتے ہیں ؎

وہ کہے صلّ علیٰ یہ کہے سُبحان اللہ — دیکھیں مُکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تحسین کے الفاظ کبھی طنزاً بھی بولے جاتے ہیں

شعر

ناکسوں سے ربط بد وضعوں سے صحبت واہ وا — دیکھ لی حضرت سلامت میرزائی آپ کی

ناگہاں۔ ناگاہ۔ اچانک۔ دفعۃً۔ یک لخت۔ یک دم سے۔ ایک بار۔ ایکبارگی اتفاقاً
یکایک۔ یک بیک۔ کہ جو وغیرہ۔ **مصرع**

ناگہاں غیب سے ندا آئی

بت سے مطلب تھا نہ کچھ کام تھا الفت سے ہمیں	دفعۃً پڑ گئے آفت میں خدایا کیسے

"زمانے کا رنگ یک لخت بدل گیا"۔ "لشکر ظفر پیکر نے ایک دم سے دھاوا کر دیا"۔

مثنوی گلزارِ نسیم

برخاست کا تھا وہ رخصتی بار	برہم ہوئی بزم اُٹھے سب اِک بار
جائے بودن تو نہ تھی دنیائے دوں	اتفاقاً اپنا آنا ہو گیا

بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۷۔ اُس میں فروکش ہوئے یعنی مریدوں نے منت سماجت سے اُن کو وہاں بٹھا دیا اب پیراں نمے پرند مریداں مے پرانند کا وقت آیا تو اُس پیر گر ملا قرآنی نے تمام انسانی ضرورتوں کو بارہ مددوں میں تقسیم کیا اور بارہ دری کے ہر ایک دروازے کو ہر ایک مد کے ساتھ نامزد کر دیا۔ اور شاہ صاحب کو شب کے وقت سمجھا دیا کہ لوگ اُنھیں دروازوں سے سلام کے لئے حاضر ہوں گے اور ہم اُن کا مطلب معلوم کر کے اُن سے کہدیا کریں گے کہ وہاں فلاں دروازے سے جانا۔ آپ اپنی بڑمیں اتنا ضرور اشارہ کر دیجئے گا کہ یہ شخص کس مطلب سے آیا ہے باقی ہم سمجھ لیں گے۔ آغا میر کے یہاں اِس گروہ کے ٹھہرنے کی خبر مشتہر ہوئی تو شہر کی خلقت اِس قدر ٹوٹی کہ دن رات ایک میلہ لگا رہتا تھا اور شاہ صاحب کے حواشی کے ملے بدون کوئی جا نہ سکتا تھا۔ یہ چکنی چپڑی باتوں سے گرویدہ کرتے اور بمشکل شاہ صاحب تک جانے کی اجازت دیتے مگر اُس خاص دروازے سے جو اِس مطلب کے لئے نامزد کر رکھا تھا یہ شخص ڈرتے ڈرتے دبے پاؤں بارہ دری تک پہنچا اور باب الحاجت پر دستک دیتا شاہ صاحب تک بے تکٹ جو کچھ جی میں آتا کہہ دیتے۔ مگر اِس کے مطلب کا اشارہ ضرور ہوتا۔ تھوڑے ہی دنوں میں شاہ صاحب کی یہ کرامت تو سب پر ظاہر ہو گئی کہ کشف الصدور میں تو بڑی دستگاہ رکھتے ہیں۔ اور جب کشف الصدور کا یہ حال ہے تو کشود کار پر بھی لامحالہ قادر ہوں گے۔ یہ ہے پیراں نمے پرند و مریداں مے پرانند۔ پھر اِن لوگوں نے کھایا سو کھایا اور پہنا سو پہنا۔ تھوڑی ہی مدت میں زر و جواہر بہت کچھ جمع ہو گیا۔ اُس کی تقسیم میں ملا قرآنی اور شاہ صاحب میں ہوئی تکرار اور پردہ فاش ہو گیا۔ نوبت یہ عدالت پہنچی۔ سارا مال و متاع ضبط ہوا۔ اور یہ سب لوگ شہر بدر کر دئے گئے۔

مولوی محمد حسین صاحب آزاد خواجہ حیدر علی آتش کی وفات کا حال لکھتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ "۱۲۶۲ھ ہجری میں ایک دن بھلے چنگے بیٹھے تھے۔ یکایک ایسا موت کا جھوکا آیا کہ شعلے کی طرح بجھ کر رہ گئے"۔ **داغ**۔

دعا یہ ہے کہ وقتِ مرگ مشکل اُس کی آساں ہو	زباں پر داغ کا نام آئے یارب یک بیک تیرا

غالب

پنہاں تھا دامِ سخت قریب آشیانہ کے	اُڑنے نہ پائے تھے کہ گرفتار ہم ہوئے

"زید جوان نہ ہونے پایا تھا جو قضا آپہنچی"۔
مقامِ مفاجات میں کہ اور جو ایک دوسرے کی جگہ استعمال کئے جاتے ہیں۔

تمنّا کے حرف

وہ حروف جو آرزو کے موقع پر بولے جائیں۔
کاش ۔ اے کاش۔ کاشکے ۔

یہ حروف ماضی اور مضارع دونوں طرح کے فعلوں پر آتے ہیں۔ **غالب**۔

نہ کرتا کاش نالہ مجکو کیا معلوم تھا ہمدم	کہ ہوگا باعثِ افزایشِ دردِ دروں وہ بھی

میر تقی

کاش اُس کے روبرو نہ کریں مجکو حشر میں	کتنے مرے سوال ہیں جن کا نہیں جواب

غالب

میں بھی منہ میں زبان رکھتا ہوں	کاش پوچھو کہ مدعا کیا ہے

توبتہ النصوح میں نصوح زندگانی کی تمنا کرتا اور کہتا ہے۔ "اے کاش میں کچھ نہیں تو دس بارہ برس ہی اور جی جاتا"۔ **شعر**

کنج میں بیٹھا رہوں یوں پر کھلا	کاشکے ہوتا قفس کا در کھلا

پہلے اے کا شکے بھی بولتے تھے۔ اب متروک ہی۔ کبھی اے وائے بھی کاش کی جگہ بولا جاتاہے۔ غالب۔

آتش کدہ ہی سینہ مرا رازِ نہاں سے	اے وائے اگر معرضِ اظہار میں آوے

تحسین و آفریں کے حرف

وہ حروف جو تعریف کے مقام پر منہ سے نکلتے ہیں تحسین و آفریں کے حرف کہلاتے ہیں

آفریں۔ شاباش۔ خوب۔ بہت خوب۔ بارک اللہ۔ جزاک اللہ۔ واہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہی۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ۔ چشم بد دور۔ واہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ بل بے۔ ہائے۔ ہائے ہائے۔ احسنت۔ مرحبا۔ حبذا۔ ہٹ نظر زہے۔ نامِ خدا۔ صلّی علے۔

بدرمنیر کا مصنّف خاتمۂ کتاب میں کہتا ہے۔ بیت۔

غرض جس نے اُس کو سُنا یوں کہا	حسن آفریں آفریں مرحبا

"شاباش بیٹا شاباش خوب پڑھتے ہو"

کسی کا عمدہ کلام سنتے یا اُس کو پسند کرتے ہیں تو کہتے ہیں۔ خوب۔ بہت خوب بارک اللہ جزاک اللہ۔ واہ وا۔ کیا کہنا ہی۔ سبحان اللہ۔

کوئی خوشنما چیز یا پاکیزہ شکل دیکھتے ہیں تو کہتے ہیں۔ "سبحان اللہ" "ماشاء اللہ" "چشم بد دور" ماشاء اللہ چشم بد دور دفعِ نظر بد کے لئے کہتے ہیں۔ شعر۔

واہ رے شورِ محبت خوب ہی چھڑکا نمک	اُستخواں میری ہما کس کس مزے سے کھائے ہی
میر دریا ہی سُنئے شعر زبانی اُس کی	اللہ اللہ رے طبیعت کی روانی اُس کی
بوٹی اکسیر کی اور پارس اگر ہاتھ آئے	بل بے ہمت ترے نزدیک پتھر ہو وہ گھاس

"ہائے۔ ہائے۔ ہائے۔ کیا کلام ہے۔ بس جادو ہے جادو نہیں بلکہ اعجاز"

لے نظم میں سے حذف بھی ہوجاتاہی۔ جیسے۔ امیر مینائی

پڑھتے ہیں دیکھ کے اُس بُت کو فرشتے بھی درود	مرحبا صلّ علے صلّ علے کیا کہنا

شعر

احسنت دبیر اب تو سخن ہے ترا اعجاز — ہر مصرعِ موزوں دُرِ مکنوں سے ہی ممتاز
میں بھی اس رشکِ چمن محفل میں وہ مطلع پڑھوں — بُلبُلِ تصویر سُن کے بول اُٹھے مرحبا

مومن

پڑھ کوئی وہ غزل کہ عدا بھی — حبّذا حبّذا کہیں سُن کر

غالب

صبر آزما وہ اُن کی نگاہیں کہ ہف نظر — طاقت رُبا وہ اُن کا اشارہ کہ ہائے ہائے

ذوق

نورِ معنی ہے ہر شکل نیتجہ اُس کا — اللہ اللہ رے زہے شکلِ شہنشاہِ شکیں

غالب

دیکھئے لاتی ہے اُس شوخ کی نخوت کیا رنگ — اُس کی ہر بات پہ ہم نامِ خدا کہتے ہیں

صلِّ علیٰ یہ عربی لفظ ہیں۔ اور ان میں علیٰ حرفِ جر ہے۔ اور معلوم ہے کہ حرفِ جر بے مجرور نکما ہوتا ہے۔ یہی سبب ہے کہ عربی میں کبھی حرفِ جر بے مجرور نہیں آتا۔ اور یہی سبب ہے کہ مرزا اسد اللہ خاں غالب صلِّ علیٰ کا استعمال جائز نہیں رکھتے تھے۔ اُن کا مقولہ یہ تھا کہ حرفِ جر بے مجرور بولنا ایک عامیانہ اور سوقیانہ (یعنی بازاری لوگوں کی) بول چال ہے، چنانچہ اُن کے کسی شاگرد کی غزل میں یہ لفظ ہوتا تو اُس کی جگہ اور لفظ بنا دیتے۔ مگر چونکہ اُن کے ہمعصر مُسلّم الثبوت اُستاد شیخ ابراہیم ذوق نے اس کو استعمال کیا ہے۔ اور اور اہلِ زبان بھی استعمال کرتے ہیں، اس لئے اب یہ محاورہ اور سند ٹھیر گیا ہے۔ ذوق کہتے ہیں ؎

وہ کہے صلِّ علیٰ یہ کہے سُبحان اللہ — دیکھیں مُکھڑے پہ جو تیرے مہ و اختر سہرا

تحسین کے الفاظ کبھی طنزاً بھی بولے جاتے ہیں۔

شعر

ناکسوں سے ربط بدوضعوں سے صحبت واہ وا — دیکھ لی حضرت سلامت میرزائی آپ کی

نشاں مٹا تو مٹا بل بے پستیِ قسمت		کہ نام بھی نہ ہمارا کبھی بلند ہوا	

حالی

ستوں چشم بد دُور[1] ہیں آپ دیں کے		نمونہ ہیں خُلقِ رسولِ امیں کے	
ہوا علمِ دیں جس سے تاراج سارا		وہ ہے ہفت نظر علمِ انشا ہمارا	

نفریں کے حرف

جو پھٹکار کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

لعنت۔ اے لعنتِ خدا۔ پھٹے مُنہ۔ تُف۔ خدا کی مار۔ تھو۔ دُر[2]۔ دُر دُر۔ پھِٹ پھِٹ۔ زُوف۔

توبۃ النصوح میں نصوح توبہ کرتا ہوا کہتا ہے "لعنت ہے مجھ پر اگر اب مُدّۃ العمر گناہ کے پاس پھٹکوں۔ تف ہے میری زندگی پر اگر معصیت پر اقدام کروں" ذوق

دل فقر کی دولت سے مرا اتنا غنی ہے		دُنیا کے زر و مال پہ میں تف نہیں کرتا	

مصرع۔ اہلِ طمع اہلِ ہوس پر ہے زوف

نفرت کے حرف

جو بیزاری اور ناپسندیدگی کے اظہار اور دھتکار کے موقع پر بولے جائیں۔

---

[1] چشم بد دور ۱۲۔ یہ ٹیپ کا شعر ہے پورا بند یوں ہے ؎

وہ شعر اور قصائد کا ناپاک دفتر　　عفونت میں سنڈاس سے جو ہے بدتر
زمیں جس سے ہے زلزلے میں برابر　　ملک جس سے شرماتے ہیں آسماں پر
ہوا علمِ دیں جس سے تاراج سارا
وہ ہے ہفت نظر علمِ انشا ہمارا

[2] دُر، دور کا مخفف ہے۔ اور دُر دُر، دور دور کا۔

چھی - ہشت - چل پرے ہٹ - دُر دُر - دُور ہو - دوُر - تف - تھو - استغفراللہ - معاذاللہ لاحول ولاقوۃ اِلّا باللہ۔

رنج و بیتابی کے حرف

جو تکلیف اور گھبراہٹ کی حالت میں مُنہ سے نکلیں۔

آہ - اُف - اُف اُف -

	نواب مرزا خاں داغ	
کوسوں تک اُلٹے پاؤں چلا آہ ہیں غریب		جب تک مری نظر سے نہ پنہاں وطن ہوا
	ذوق	
وہ کون ہے جو مجھ پہ تاسف نہیں کرتا		پر میرا جگر دیکھ کہ میں اُف نہیں کرتا

سخت گرمی پڑتی ہے تو کہتے ہیں "اُف اُف گرمی گرمی"

تزئین کلام کے حرف

جو کلام کی زینت اور خوبصورتی کے لئے بولے جاتے ہیں۔

بھلا - بارے - آخر - ہاں - اچھا - بس - تو - بھی - نہ سہی - سے - لو - آؤ وغیرہ -

"بھلا کچھ تو فرمائیے" مومن

دھو دیا اشکِ ندامت نے گناہوں کو مرے		تر ہوا دامن تو بارے پاک دامن ہوگیا

۵۱ سید محمد خاں رند شعر

پھر یہ منہ لے کے آئے ہو مجھ پاس ' دُور ہو سامنے سے نفرت ہے

۵۲ شعر

بعد مُردن آپکے رونے کو سُن کر گور دُور ' جیتے ہی جی کہتے ہو صورت تری دیکھو دُور

غالب

حد چاہیے سزا میں عقوبت کے واسطے	آخر گناہ گار ہوں کافر نہیں ہوں میں

"ہاں تو غرض یہ ہے"۔ "اچھا ہم پوچھتے ہیں"۔

عبدالرحمٰن خاں احسان

بیٹھے اے آہ بس خدا نہ کرے	تجکو فرصت ہو سر اُٹھانے کی

مومن

تم کہا موئے تو دردِ دلِ زار کم ہوا	بارے کچھ اس دوا سے تو آزار کم ہوا

"جو کچھ بھی تم کرتے ہو خدا اُس سے باخبر ہے" "آؤ نہ" "دیکھو تو سہی" **شعر**

لے میں خود کوچۂ جلاد کو لے موت چلا	میں ہی آتا ہوں ترے پاس تو کیا آتی ہے
سینے پہ ہاتھ رکھتے ہی کچھ دم پہ بن گئی	تو جان کا عذاب ہوا دل کا تھامنا
ہو کے بیزار عبث گھر کو نہ جاؤ آؤ	تھوڑے سے رنج کو اتنا نہ بڑھاؤ آؤ

جتنے حرف تزئینِ کلام کلام میں آتے ہیں سب زائد ہوتے ہیں اور کچھ معنے نہیں دیتے لیکن اگر یہ نہ ہوں تو کلام بے مزہ سا ہو جائے۔ اِن سے خوشنمائی کے علاوہ کلام میں زور بھی آجاتا ہے۔

تہنیت یعنی مبارک باد کے حرف

مبارک۔ سلامت۔ مومن

گیارہ نواب اصغر علی خاں	مبارک سلامت سلامت مبارک

توبہ اور امان و پناہ کے حرف

توبہ۔ توبہ توبہ الٰہی توبہ۔ الاماں۔ الاماں الاماں۔ معاذ اللہ۔ معاذ اللہ معاذ اللہ۔ عیاذاً باللہ۔ داغ

زاہد مری شراب کے چسکے ہی اور ہیں	توبہ ہے ظہور میں ایسا اثر کہاں

"کیا گورنمنٹ جابر اور سخت گیر ہے۔ توبہ توبہ ماں باپ سے بڑھ کر شفیق" رند

الٰہی الاماں رہیو نگہباں اپنے بندوں کا	بلا نازل ہوئی شانے پہ کاکل اس نے چھوڑا ہی

"کیسی لو چلتی ہے الاماں الاماں" ظفر

کیا غارت ہزاروں کو ظفر دنیا کی الفت نے	بری آفت ہے یہ دنیا معاذ اللہ معاذ اللہ

غالب

کس قدر ہرزہ سرا ہوں کہ عیاذاً باللہ	یکقلم خارج از آدابِ وقار و تمکیں

کلمۂ قدوم

وہ کلمہ جو کسی کے آنے کے وقت مسرت میں بطور دعا بولا جاتا ہے۔

خیر مقدم - ذوق

بارک اللہ کہ دُر افشاں ہے تو اے ابرِ بہار	خیر مقدم کہ خراماں ہے تو اے بادِ شمال

کلمات خلاصۂ کلام

وہ الفاظ جن سے ظاہر ہو کہ متکلم کلام سابق کا خلاصہ بیان کرتا ہے۔

غرض - الغرض - القصہ - قصہ کوتاہ - قصہ مختصر - المختصر - سخن کوتاہ - داغ

بیگانہ دیکھا ہر اک یگانہ دیکھا جس کو دیکھا غرض - غرض کا اپنی	اپنے مطلب کا سب زمانہ دیکھا دنیا کا عجیب کارخانہ دیکھا

"الغرض خدا کا کوئی فعل حکمت اور مصلحت سے خالی نہیں۔ جیسے ہمارے دل بودے، ہماری ہمتیں پست، ہمارے ارادے متزلزل، ہمارے ایمان ضعیف ہیں ویسے ہی زمانے میں ہم کو پیدا بھی کیا گیا ہے کہ پردہ ڈھکا چلا جاتا ہے"[۱]

۱ یہ عبارت مولوی نذیر احمد صاحب کے ایک لکچر کی ہے۔

بدرِ منیر

سُنی شہ نے القصہ جب یہ خبر	گرا خاک پر کہہ کے ہائے پسر

مومن

یہ بات بڑھی کہ مر گئے ہم	موت آئی تھی قصّہ مختصر رات

رند

المختصر اِک جہاں پہ ہے رند	احسانِ ابو الظفر بہادر

حالی

سخن کوتاہ دار العلم پر ہوں قوم کے نازاں	جو آکر اُس کا اِک اِک دُرِ مکنوں من و عن دیکھیں

کلماتِ خلاصہ کلام نثر میں ہمیشہ جملے کے آغاز میں آتے ہیں۔ نظم میں یہ پابندی نہیں جیسا کہ امثلۂ مذکورہ سے ظاہر ہے۔

حروفِ تعجّب

جو کسی عجیب چیز کو دیکھکر خوشی کی حالت میں زبان سے نکلتے یا تعجب کے موقع پر بولے جاتے ہیں۔

اللہ۔ اللہ اللہ۔ اللہ رے۔ اللہ اللہ رے۔ اللہ اکبر۔ اوہو۔ اے ہے۔ آہا۔ تعالیٰ اللہ سبحان اللہ۔ صلّی علیٰ۔ بل بے۔ اُف رے۔ اُف ری۔ اُفّو۔ لاحول ولا قوۃ اِلّا باللہ۔ حاشا وکلّا۔

شعر

اللہ کس قدر رہِ مقصود دُور ہے	پیکِ خیال راہ میں تھک تھک کے رہ گیا

لطیفہ۔ کسی نے مرزا غالب کو امراؤ سنگہ نام ایک شاگرد کی دوسری بی بی کے مرنے کا حال لکھا۔ مرزا صاحب اُس کے جواب میں ارقام فرماتے ہیں کہ "امراؤ سنگہ کے حال پر اُس کے واسطے رحم اور اپنے واسطے رشک آتا ہے۔ اللہ اللہ ایک وہ ہیں کہ دو دو بار اُن کی

بیڑیاں کٹ چکی ہیں اور ایک ہم ہیں کہ ایک اوپر پچاس برس سے جو پھانسی کا پھندا گلے میں پڑا ہے نہ پھندا ہی ٹوٹتا ہے نہ دم ہی نکلتا ہے" (یعنی نہ بیوی صاحب ہی مرتی ہیں نہ اپنا ہی دم نکلتا ہے) **شعر**

اللہ رے ذوقِ دشت نوردی کہ بعدِ مرگ		ہلتے ہیں خود بخود مرے اندر کفن کے پاؤں

ذوق

اے شہ داد گر اے خسرو انصاف پرست		اللہ اللہ رے عدالت کا تری نظم و نسق
نام کو اللہ اکبر کیا ترے توقیر ہے		داخلِ ہر بانگ ہے شامل ہر تکبیر ہے
سر بوقتِ ذبح اپنا اُس کے زیرِ پائے ہے		یہ نصیب اللہ اکبر لوٹنے کی جائے ہے

"اوہو حامد کے مزاج میں اس قدر تغیر ہو گیا ہے"

"اے ہے اُستانی جی تم اپنے منہ سے کیسی بات کہتی ہو"

"ایک دن اتفاق سے حضرت بی صاحب کے بڑے نواسے نے اُس (کتاب) کو میرے جزدان میں دیکھکر کہا کہ آہا میاں سلیم تم بڑے چھپے رستم نکلے" (توبۃ النصوح)

مصرع - رخ تعالے اللہ زلف صلّ علیٰ

"لہ سبحان اللہ باغِ ہستی کی عجب بہار ہے" **ذوق**

بل بے استغنا کہ وہ تو آتے آتے رہ گئے		اُف ری بیتابی کہ یاں تو دم ہی نکلا جائے ہے
خاک کے پُتلے نے دیکھ کیا ہی مچایا ہے شور		فرش سے لے عرش تک کر رہا ہے اپنا زور
سینے میں قُلزم کو لے قطرے کا قطرہ رہا		بل بے سمائی تری اُف رے سمندر کے چور

"اُف نقشہ ہے کہ شیطان کی آنت ہے" - "لَاحَولَ وَلاقُوۃَ اِلّا باللہ کیا دھوکا ہوا"

"لہ حاشا وکلّا یہ تو بڑا بھاری بہتان ہے"

لہ تعجب دو طرح ہوتا ہے ایک اچھی جگہ ایک بُری جگہ عرب دونوں جگہ سُبحان اللہ بولتے ہیں۔ اُردو کے اہلِ زبان جیسا کہ مولوی نذیر احمد صاحب لکھتے ہیں تعجب کے مقام پر اچھی جگہ سُبحان اللہ بولتے ہیں اور بُری جگہ حاشا وکلّا۔

حروفِ انبساط

جو فرطِ لذت یا خوشی میں زبان پر آتے ہیں۔

اَہا ہا۔ اُہو ہو۔ واہ وا۔ سبحان اللہ۔ ماشاء اللہ چشم بددور۔ اَہا ہا ہا۔ اُہو ہو ہو۔

"اَہا ہا کیا بہار ہے" "اُہو ہو کیا ٹھنڈی ہوا چل رہی ہے" **ذوق**

واہ وا کیا معتدل ہے باغِ عالم کی ہوا
مثلِ نبضِ صاحبِ صحت ہے ہر موجِ صبا

"سبحان اللہ باغ کیا ہے بہشت ہے"

"توبۃ النصوح میں ہے" لیکن میرے اور میرے بچوں کے زیور اور کپڑے دیکھ کر باغ باغ ہو جاتی ہیں اور ہر چیز پر کہے جاتی ہیں ماشاء اللہ چشم بددور اللہ زیادہ دے۔ اللہ نصیب کرے۔ **ظفر**

کہوں کیا رنگ اُس گُل کا اَہا ہا ہا۔ اَہا ہا ہا[۱]
ہوا رنگیں چمن سارا اَہا ہا ہا۔ اَہا ہا ہا

ظفر تاثیر فخرِ دیں سے میرے کام کا عقدہ
کُھلا کیا ہی بآسانی اُہو ہو ہو۔ اُہو ہو ہو[۲]

[۱، ۲] اِن شعروں میں الفاظ اَہا ہا ہا اور اُہو ہو ہو دوہرائے گئے ہیں ۱۲

تمّت بالخیر